Urdu Novels Ghar

آنگن کے پھول

حصہ اوّل

موسمِ بہار

از

سیدہ عمیمہ فاروق

Urdu Novels Ghar

کھلے کھلے آنگن کے پھول

مہکا رہے بنجر زمین

رشتے جو خلوص کے ہوں

چمکتے ہیں دمکتے ہیں

آنگن میں لگی کیاریوں میں سے خراب پتوں کو چُنتے دادا جی اپنی چار لائینوں پر مبنی تحریر کو گانے کی صورت میں گنگنا رہے تھے۔

"ہائے زیتون بانو سنتی ہو؟" آخر کار ہانپتے کانپتے وہ آنگن میں لگے شیڈ کے نیچے رکھی چند کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھے تھے۔ ایک تو آج کل گرمی کا زور بھی کچھ زیادہ تھا۔ اوپر سے سہہ پہر کا وقت تھا۔

"پھر لگ گئے آپ ان پودوں کے پیچھے کتنی بار کہا اب عمر گزر گئی ہے آپ کی یہ سب کرنے کی۔ بچوں نے رکھا تو ہے وہ منوا مالی۔" زیتون بانو آہستہ آہستہ چلتی قاسم مراد علی تک آئی تھیں۔ وہ سفید فراک جس میں ہلکے رنگ کے بیل بوٹے نقش تھے اُس پر سفید چادر اوڑھے سادہ نفیس خاتون لگتی تھیں۔

"میں کہتا ہوں اس مالی نے میرے پودوں کا بیڑہ غرق کر دیا ہے۔ کل آئے میں نے بھی چھٹی کا دودھ یاد نہ دلا دیا تو کہنا، خبردار جو کوئی بیچ میں بولا۔" اپنے چشمے کو قمیض کی جیب میں ڈالے قاسم مراد علی غصے میں لال ہوئے کافی مزاحیہ لگ رہے تھے۔

شش یہ بات دادا جی کو نہیں پتا چلے کے وہ غصے میں مزاحیہ لگتے ہیں۔

یہ ہے زیتون محل۔ پرانے طرز پر مبنی کراچی کے ایک متوسط علاقے میں موجود ایک ہرا بھرا گھرانہ۔ جس میں قاسم مراد علی اور زیتون بانو اپنی اولاد اور ان کی اولاد سمیت رہتے ہیں۔ یہ وہ گھر ہے جس کو لوگ یہاں موجود لوگوں کی ایک دوسرے سے محبت کی وجہ سے رشک بھری نظروں سے دیکھتے آئے ہیں۔ آئیں میں آپ کا سب سے ڈیٹیل میں تعارف کرواتی ہوں۔ بھئی تعارف ضروری ہے ورنہ کرداروں کا یہ بھنور آپ کو سمجھ نہیں آئے گا۔ ہنسے مت میں سچ کہہ رہی ہوں۔ پہلے ذرا یہ پڑھ لیں۔

"اس گھر کا ہر رشتہ محبت کی کڑی سے ہے جڑا۔ پھر وہ نند بھابھی کا ہو یا دیورانی جیٹھانی کا ماسی سکینہ کا ہو یا مالی بابا کا۔ یہ محبتوں میں رہنے والے لوگ ہیں۔ لڑتے ہیں جھگڑتے ہیں پر ساتھ نہیں چھوڑتے۔ آئیں ان کی محبتوں کی دائمی سلامتی کی لیے دعا مانگیں۔ اور ملیے زیتون محل سے جُڑے کرداروں سے۔"

قاسم مراد علی کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ سب سے بڑے بیٹے شہزاد قاسم کی شادی انہیں کے بھائی کی بیٹی فیروزہ کے ساتھ ہوئی ہے۔ شہزاد قاسم اور فیروزہ کے تین بچے ہیں سب سے بڑا بیٹا خضر اور اس سے دو سال چھوٹی پلوشہ جس کی شادی فیروزہ کے بے حد اصرار پر کم عمری میں ہی ان کی دوست کے بیٹے کے ساتھ تقریباً دو سال قبل ہی ہوئی ہے۔ اس کے بعد ان کی تیسری اولاد زارا جس منگنی بھی فیروزہ اپنی بہن کے بیٹے کے ساتھ طے کر چکی ہیں اور اب بہت جلد شادی کرنا چاہتی ہیں۔ پھر آتی ہے ان کی سب سے چھوٹی بیٹی فلک وہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی اور سب سے کم عقل قرار پائی جاتی ہے۔ فلک کا موٹا چشمہ اس کی بیوقوفی کی طرح اس پر خوب جچتا ہے۔

اس کے بعد قاسم مراد علی کی دوسری اولاد ان کی بیٹی حمیرا ہیں جن کے شادی انہیں کے خاندان میں حسن نامی شخص کے ساتھ کی گئی ہے۔ حسن کاروباری آدمی ہیں اور عمر کا زیادہ حصہ انہوں نے یو۔اے۔ای جیسے ملک میں گزارہ ہے۔ حمیرہ کے چار بچے ہیں۔ سب سے بڑا بیٹا خضر جو، اپنی بیوی سویرا اور ایک سالہ بیٹے صہیب کے ساتھ یو۔اے۔ای کے شہر شارجہ میں رہائش پذیر ہے۔ اس کے بعد ان کی بیٹی صباح جو بی اے کر چکی ہے۔ آگے پڑھنے کا اُسے کچھ خاص شوق نہیں، تو آجکل اُس کے لیے رشتے دیکھے جارہے ہیں۔ پھر ان کا بیٹا علی جس کی زندگی اس کے بالوں سے شروع ہو کر کپڑوں پر ختم ہو جاتی البتہ مزاج میں کچھ حد تک سنجیدہ ہی ہے۔ پھر ان کی سب سے چھوٹی بیٹی ماریہ عرف ملی جس کی زندگی کا ریموٹ کنٹرول اسے کبھی نہیں دیا گیا۔

پھر آتے ہیں قاسم مراد علی کے دوسرے بیٹے اور تیسری اولاد نعمان قاسم ان کی شادی زیتون بانو کی ایک قریبی رشتہ دار سنبل سے کی گئی ہے۔ سنبل ویسے تو کافی تیکھے مزاج کی ہیں پر دل ان کا بھی باقی سب کی طرح میٹھا ہی ہے۔ نعمان قاسم کے چار بچے ہیں سب سے بڑا بیٹا عابص جو اپنی ماں کی طرح ہی تیکھے مزاج کا

حامل ہے جب کے دوسرے نمبر پر موجود عدیم پر یہ شک کیا جا سکتا ہے کہ وہ سنبل بیگم کی اولاد ہے بھی یا نہیں، عدیم کی شوخ مزاجی سے اکثر زیتون محل کے لوگ عاجز آئے ہوتے ہیں۔ اس کی بعد ان کی تیسری نمبر کی بیٹی علیشبہ جو سنبل بیگم کی فوٹو کاپی ہونے کے باوجود ان سے کبھی دوستی نہیں رکھ پائی ماں بیٹی کی نوک جھونک ہر وقت ہی چلتی رہتی تھی اور پھر سب سے چھوٹی عبیر جو اپنی ماں کی ناراضگی ہر گز برداشت نہیں کر سکتی اس لیے اپنی بڑی بہن کی مناسبت انہیں کم کم ہی خفا کرتی ہے۔

اس کے بعد قاسم مراد علی کی سب سے لاڈلی بیٹی خدیجہ کا نمبر ہے۔ اپنی نرم مزاجی اور عاجزی کی وجہ سے خدیجہ کا شمار شروع ہی سے قاسم مراد علی کی پسندیدہ اولاد میں ہوا ہے۔ خدیجہ کی شادی البتہ خاندان میں تو نہیں کی گئی پر قاسم مراد علی کے جاننے والے بہترین دوست کے بیٹے موسیٰ سے کی گئی ہے۔ خدیجہ کے چار بچے ہیں سب سے بڑا بیٹا اذبان جو اپنی خاموش طبیعت سنجیدگی اور فرمابرداری کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔ اس کے بعد ان کا دوسرا بیٹا آزان جو اپنے بھائی کی طرح ناہی تو فرمابردار ہے اور ناہی خاموش طبیعت۔ پھر آتی ہیں ان کی جڑواں بیٹیاں ہادیہ اور علیشبہ، ہادیہ کی لاپرواہی اور فر فر چلتی زبان اسے اپنے گھر میں سب سے مختلف بناتی ہے، البتہ علیشبہ اذبان کا فی۔ میل ورژن ہے۔ اس جیسی ہی سمجھداری اور خاموش طبیعت اس کی ذات کا خاصہ ہے۔

اُس کے بعد آتے ہیں بچوں کے فیورٹ خدیجہ پھپھو اور موسیٰ پھپھا۔ اُن کا بڑا بیٹا اذبان جو کہ ایم بی بی ایس کے لاسٹ ائیر میں ہے۔ اُس کے بعد آتا ہے آذان جو بی ڈی ایس کے تھرڈ ائیر میں ہے۔ بقول اذان کے جب ڈاکٹر بننے کا آسان طریقہ موجود ہے تو وہ ایم بی بی ایس لے کر مشکل کیوں چنے۔ اُس کے بعد آتی ہیں پھپھو کی ٹووینس بیٹیاں علیشبہ اور ہادیہ، جو کہ ایم بی بی ایس کے فرسٹ ائیر میں ہیں۔

اب قاسم مراد علی کی سب سے آخری اولاد پر آتے ہیں یہ وہ آخری اولاد ہے جس نے قاسم مراد علی اور زیتون بانو کو ناک سے چنے چبوائے ہیں۔ پہلے تو باقی بھائیوں کی طرح خاندانی کاروبار میں نہ جاتے ہوئے اپنی فیلڈ میں نام بنانے کی ضد اور پھر اپنی پسند کی شادی۔ جس طرح ان کی باقی اولادوں نے ماں باپ کے آگے سر خم کیا تھا زبیر قاسم ایسا ہرگز نہیں کر پائے تھے، پورے خاندان کی مخالفت کے باوجود انہوں نے اپنی یونیورسٹی میں خود سے دو سالہ جونیئر روبینہ عرف روبی سے شادی کی تھی۔ ویسے تو روبینہ میں بظاہر کوئی برائی نہیں تھی پر جوائنٹ فیملی سسٹم میں وہ شادی کے چوبیس سال بعد بھی اڈجیسٹ نہیں ہو سکیں تھیں۔ ساس اور دیورانی خاص کر سنبل بیگم سے ان کی جھڑپیں روز کا معمول تھا۔ خیر زبیر قاسم اور روبینہ کے دو ہی بچے ہیں سب سے بڑا بیٹا ہادی اور بیٹی نور فاطمہ۔ دونوں ماں کے بھرپور حمایتی پر دادا دادی کے سب سے زیادہ لاڈلے۔

****

"زندگی کا اب کہاں کوئی بھروسہ رہا ہے۔ اچھا بھلا کاروبار ہے تیرے باپ کا پاکستان میں، کیا ضرورت ہے بھلا اس عمر میں ماں باپ کو ستانے کی۔ ہمیں تو اس بات تک کی خبر نہیں کہ ہمیں کندھا دینے بھی تم سب موجود ہو گے کہ نہیں۔ میں تو کہتی ہوں اب جلد از جلد واپس آجا جو برکت سب کے ساتھ ہے ناں وہ اکیلے میں نہیں ہے۔" وڈیو کال میں منہ گھسائے دونوں پیر تخت پر اوپر کیئے گاؤ تکیے کے سہارے وہ کال پر اپنے نواسے سے بات کرنے میں مصروف تھیں۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں نانی اللہ آپ کی عمر دراز کرے، فکر مت کریں انشاءاللہ میں پوری کوشش کر رہا ہوں واپس آنے کی۔" موبائل میں سے کٹتی ہوئی آواز آئی تھی، جسے سمجھنا زیتون بانو کے بس کی بات نہیں تھی۔

"ہیں! کیا بولتا ہے بیٹا۔" انھوں نے اب کی بار موبائل کو اور قریب کیا تھا۔ یہ جانے بغیر کہ وڈیو کال میں وہ اس وقت کس حد تک بھیانک لگ رہی ہیں۔

"نانی میں کہہ رہا ہوں کوشش کر رہا ہوں۔" اب کی بار قدرے اونچی آواز میں کہا تھا۔ پر انھیں تو اب بھی کچھ سمجھ نا آیا۔

"اے نور فاطمہ! کہاں مر گئی مجھے یہ منوا فون پکڑوا کر۔۔۔۔۔" کچھ نا سمجھ آنے پر وہ اپنی پوتی نور فاطمہ پر برہم ہوئی تھیں جس کہ فون سے وہ خضر سے بار کر رہی تھیں۔

نور نے تو البتہ اب بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ پر ان کی آواز سن کر فیروزہ بیگم ضرور آ گئی تھیں۔

"کیا ہوا امّی جی؟" دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی وہ کچن سے پسینے میں تر بتر نکلی تھیں۔

"یہ دیکھ ذرا کیا بولتا ہے خضر مجھے آواز سمجھ میں نہیں آ رہی۔" یہ کہہ کر انھوں نے فون فیروزہ کو پکڑا دیا تھا۔

"ہائے یہ لڑکیاں کہاں گئی ابھی تو یہیں بیٹھی تھیں۔" دادی جان سے موبائل لے کر انھوں نے خضر کی بات سن کر اللہ حافظ کیا تھا۔

Urdu Novels Ghar

"انٹرنیٹ ٹوٹ جاتا ہے امّی جی اس لیے آواز کٹتی ہے وہ خضر کہہ رہا تھا کوشش کریگا وہ آنے کی۔ یہ آپ فون پکڑیں فاطمہ کا گر۔گرا گیا تو وہ الگ سوگ منائے گی اور اس کی ماں نے الگ تماشہ کھڑا کر دینا ہے۔ لاکھوں کے موبائل اپنے بچوں کو دلاتے ہیں اور پھر زیور کی طرح سنبھالتے رہوں انہیں۔" موبائل دادی جان کو پکڑاتے بڑبڑاتے ہوئے انھوں نے باہر آنگن میں جھانکا تھا۔ جہاں وہ تتلیاں بھری دوپہر میں آنکھ مچولی کھیلنے میں مصروف تھیں۔

عائشہ کی آنکھوں پر اس وقت دادی کی پرانی فراک سے پھاڑی ہوئی پٹی بندھی تھی جسے کبھی نور کھینچ کر بھاگ جاتی تو کبھی عبیر۔ البتہ فلک سب کی آنکھوں میں دھول ڈالے دور چھپ کر بیٹھی تھی۔

"اگر اب کسی نے میرے بال کھینچے تو آج رات اس کے بالوں میں چیونگم چپکا دوں گی، بالوں کا کوئی مزاق نہیں ہے۔" بیچ میں رکتے ہاتھ سینے پر دھرتے پھولتے سانس کے ساتھ عائشہ نے اب کی بار سنجیدگی سے تنبیہہ کی تھی۔ بھرے بھرے گال اور تیکھے نقوش لال شربت سا منظر پیش کر رہے تھے۔

"تمہاری بہن ہی کھینچ رہی ہے تمہارے بال میرا بھلا تم سے کوئی مزاق ہے ایسا ویسا۔" منہ پر ہاتھ رکھتے ہنسی ضبط کرتے نور فاطمہ نے اتراتے ہوئے کہا۔ چمکتی آنکھوں پر کالی پلکیں پردہ گرائے ہوئے تھی، سفید رنگت دھوپ میں لال ہوئے مزید کھل رہی تھی۔ معصوم سے نین نقش اسے مزید دلکش بناتے تھے۔

"مم میں نے کب کھینچے؟ تم میرا نام مت لگاؤ ناں تم سے تو بدلہ لے نہیں پائیگی پر میرے بالوں کا حشر بگاڑ دیگی۔" عبیر رونی صورت بناتے نور کی آستین کھینچتے اس کے کان میں منمنائی رہی تھی ساتھ ہی اپنی چھوٹی سی ناک مسکراتے ہوئے چڑھائی تھی۔

"اوہو آستین تو نہ کھینچو۔" نور اپنی آستین عبیر سے چھڑاتی مڑی تھی۔ اور اچانک اسے فلک کا خیال آیا تھا۔ وہ بھی تو ان کے ساتھ ہی کھیل رہی تھی پھر کہاں گئی اچانک۔

"اب بول کیوں نہیں رہی دونوں؟ بھئی اب کوئی اور پکڑے میں تھک گئی ہوں۔" عائشہ نے چڑتے ہوئے کہا تھا اور آنکھوں سے کھینچ کر پٹی ہٹائی تھی۔

"فلک کہاں ہے عبیر؟" عائشہ کو اگنور کرتے نور نے عبیر سے پوچھا۔ اور تینوں نے ہی ادھر ادھر نظریں گھمائی۔

"ہنی بنی چھپ کر چیٹوس کا پیکٹ ہڑپ کرنے میں لگی ہوئی ہے وہ دیکھو ذرا۔" عبیر نے آنکھیں چھوٹی کیے نور کو کہنی مار کر فلک کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جو باؤنڈری سے باہر تخت سے ٹیک لگائے پودوں کی طرف منہ کئے ریڈ چیٹوس کے پیکٹ سے انصاف کر رہی تھی۔

"اس بدبخت کو تو میں کچا چبا جاؤں گی نہایت ہی تھرڈ کلاس حرکت کی ہے اس چیٹر عورت نے۔ یہ ڈیسائڈیڈ تھا ،اس باؤنڈری سے باہر کوئی نہیں جائے گا، پھر یہ وہاں کیا کر رہی ہے؟" غصے میں لال پیلی ہوتے عائشہ نے نور اور عبیر کو بھی گھورا تھا۔ ایک تو اتنی گرمی میں وہ انہیں پکڑنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی اوپر سے نور اور عبیر کی شرارتیں وہ کبھی اُس کا ڈوپٹہ کھینچتی کبھی بال تو کبھی گُدگُدی کر کر بھاگ جاتیں۔ اور یہ فلک میڈم آرام سے دور بیٹھے اپنے آپ کو بچائے ہوئے تھیں۔

نور اور عبیر نے کندھے اچکاتے شرارت سے عائشہ اور پھر فلک کو دیکھا تھا۔ جیسے تم جانوں اور فلک ہمیں کیا؟ آگے کے منظر سے تو وہ دونوں ہی واقف تھیں۔

عائشہ نے مزید وقت ضائع کئے بغیر فلک کی طرف قدم بڑھائے تھے ساتھ ہی اپنے پاؤں کی جوتی اتاری تھی جو اس نے فلک کو تاک کر مارنی تھی پر بھلا ہو اس جھلستی دھوپ کا جس نے سارا آنگن اپنی تپش سے تپایا ہوا تھا جوں ہی ننگا پاؤں عائشہ نے زمین پر رکھا پیر جلنے کے باعث زور سے چیخی کچھ دور ہی بیٹھی فلک عائشہ کی آواز سنتے فوراً خبر دار ہوئی تھی۔ عائشہ نے جوتی واپس پیر میں ڈالتے اب تخت کے قریب پڑے دادا جان کے چپلوں میں سے ایک چپل اٹھالیا تھا۔

"عائشہ آپی کیا کر رہی ہیں۔۔۔؟ میں سچ میں ابھی یہاں آئی تھی۔۔۔۔۔ میں کھیل ہی تو رہی تھی۔۔ بس کچھ دیر سانس لینے کو یہاں بیٹھی تھی۔" فلک نے عائشہ سے بچنے کو دوڑ لگادی تھی اور ساتھ ہی پھولے ہوئے سانس کے ساتھ صفائیاں بھی پیش کی جارہی تھی۔

"تمہیں تو آکسیجن اب میں دیتی ہوں۔ پھر آرام سے انیس سو انتالیس کی ہیروئن کی طرح بیٹھ کر سانسیں بھرتی رہنا۔" کھینچ کر ایک چپل فلک کی طرف اچھالی تھی جو نشانہ چوک جانے کی وجہ سے تھوڑا آگے ہی گر گئی تھی۔ ابھی فلک اندر کی طرف بھاگنے ہی لگی تھی کہ عائشہ نے پیچھے سے اسے دبوچ کر وہی گھاس پر گرا دیا تھا۔

نور اور عبیر بھی اپنی خدمات پیش کرنے فوراً پہنچی تھیں۔ وہ تینوں اسے دبوچے گدگدی کر رہی تھیں، ساتھ ہی چاروں کی چیخوں پکار زیتون محل میں گونج اٹھی تھی۔ ابھی تو وہ فلک کو روتے ہوئے دیکھنے ہی والی تھیں کہ عبیر کی آنکھ کے اشارے سے تینوں نے گھر کے اندرونی دروازے سے سنبل بیگم کو غصے میں آتے ہوئے دیکھا۔ سنبل چاچی اور اُن کا غصہ دونوں کبھی بھی کہی بھی آسکتے تھے۔ نور اور عبیر تو فوراً پیچھے ہوتے

معصومیت چہرے پر سجائے کھڑی ہوتی اپنے کپڑے جھاڑنے لگیں تھیں جو گھاس پر کبڈی کھیلنے کی بدولت گندے ہوئے تھے۔ جبکہ عائشہ اور فلک بھی اب اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"اتنی بڑی گھوڑے جتنی ہوگئی ہو پر تمیز تہذیب چھو کر نہیں گزری تم لوگوں کو؟ یہ کوئی جگہ ہے لڑنے کی آس پاس کے دس گھروں میں تمہاری چڑیلوں جیسی یہ آوازیں گئی ہونگی۔ اور اگر ابھی پڑوس کی چھت پر کوئی آ کھڑا ہوناں تو سارا تماشہ بذاتِ خود دیکھ سکتا ہے۔ ہر وقت کا شور شرابہ پتہ ہے ناابّا جی بھی سو رہے ہوتے ہیں اس وقت۔ اوپر سے اتنی گرمیوں میں دوپہر میں کھیلنے کی ضرورت ہے ہی کیا؟ اس جھلستی دھوپ میں تو آٹے کی بوری کے بھی کالے ہو جانے کا خدشہ ہے تم تینوں کے تو پھر گندمی رنگ ٹھہرے۔" نور کو دیکھتے انہوں نے آٹے کی بوری پر زور دیا تھا اور پھر عائشہ عبیر اور فلک سے مخاطب ہوئی تھیں۔ جبکہ نور تو خود کو آٹے کی بوری کہلائے جانے پر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھی۔

"کیا ہوا اگر تھوڑے کالے ہو بھی گئے ہم پھر روبی چاچی سے نائیٹ کریم منگوالینگے." عائشہ آہستہ آواز میں منمنائی تھی اور منہ پھیر کر مسکراہٹ چھپائی تھی۔

جس پر عبیر نے اسے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے ایک گھوری دیکھائی تھی۔

"اب احمقوں کی طرح دانت دکھانا بند کرو اور چلو اندر منہ ہاتھ دھو اور کام کرواؤ فیروزہ بھابھی کے ساتھ صبح سے اکیلے لگی ہیں وہ کچن میں اور یہ مہارانیاں یہاں پہلوانوں کی طرح کبڈی کھیل رہی ہیں۔" سنبل بیگم چاروں کو اچھی طرح کوس کر اندر گئی تھیں۔

"آخر سنبل چاچی ہر بات پر مجھ پر طنز کیوں کرتی ہیں؟ اب اگر انہوں نے میری رنگت پر چوٹ کی تو میں اپنی ممی سے شکایت لگادونگی۔" نور فاطمہ نے خود پر کنٹرول کرتے بغیر کسی کی طرف دیکھے کہا اور واک آؤٹ کر گئی۔

جبکہ وہ تینوں ہونکوں کی طرح منہ کھولے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

"کہہ تو ایسے رہی ہے جیسے روبی چچی تو ہمیں کبھی کچھ کہتی ہی نہیں۔ لگائے شکایت پھر میں نے بھی حساب برابر نہ کیا تو میرا نام عائشہ نہیں ہنہہ۔" عائشہ بھی بال جھٹک کر بڑبڑاتے ہوئے اندر کو چل دی تھی۔

جبکہ عبیر اور فلک کندھے اچکاتی ہنسی تھیں۔ اب نور اور عائشہ کے درمیان سرد جنگ ہفتوں تک چلنی تھی۔ جب کبھی دونوں میں سے کسی کی بھی امی کسی کو بھی کچھ کہتی وہ دونوں ایسے ہی منہ بنالیا کرتی تھیں۔

****

دوپہر کے بعد سے وہ اب کمرے سے باہر نکلی تھی، لاؤنج کو خالی دیکھتے وہاں ٹی۔وی کھول کر بیٹھنے کا ارادہ کیا ۔ٹی۔وی کا خالی ملنا بھی اس گھر میں غنیمت ہی تھا۔ فلم لگاتے پیر اوپر کئے ابھی وہ پر سکون ہوئی ہی تھی کہ عدیم دندناتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوتا نظر آیا۔

"نور کیا میں نے آج سے پہلے کبھی تمہیں یہ بتایا ہے کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے؟" دنیا بھر کی محبت لہجے میں سموئے وہ اسے کہیں سے بھی سچا نہیں لگا تھا۔ ایک سنجیدہ نظر اس پر ڈالتے دانت بھینچتے اس نے جواب دیا تھا۔

"ہاں جب جب تمہیں مجھ سے کام پڑا ہے تب تب تم نے مجھے اپنی دو نمبر محبت کے بارے میں ضرور بتایا ہے۔ پر فلحال اپنی امی کو جا کر بتاؤ کہ یہ آٹے کی بوری تمہارے کب کب کام آئی ہے، کیونکہ آج تمہاری دنیاوی اور روحانی دونوں جنتوں کے ہاتھوں کافی ذلیل ہوئی ہوں میں۔ اس لیے اب شرافت سے اپنی تشریف کا ٹوکرا یہاں سے لے کر نکل جاؤ اور مجھے سکون کے ساتھ فلم دیکھنے دو۔ میں اپنا ویکینڈ تم پر ہرگز برباد نہیں کرنا چاہتی۔"

"پہلی بات تو آج سٹرڈے ہی سنڈے نہیں تو ویکنڈ کل ہے۔ دوسری ذلیل تو تم روز ہی ہوتی ہو اب چاہے میری جنت کی بدولت ہو یا اپنی اور تیسری یہ فلم تم کم از کم سو بار دیکھ چکی ہو۔" انگلیوں پر گنتے اس نے تینوں باتیں مکمل کی اور پھر مزید گویا ہوا۔ "مطلب اب تمہارے لیے اپنے اس قدر ہونہار بھائی سے زیادہ یہ دو ٹکے کی فلم ضروری ہے۔۔۔۔۔۔؟ تم اس فلم کو مجھ پر فوقیت دے رہی ہو۔۔۔۔۔۔؟ میں ہرگز بھی اپنی یہ بے قدری نہیں بھولوں گا یاد رکھنا تم یہ بات آٹے کی بوری...! اور ہاں مجھے کوئی ضرورت نہیں تم سے اپنی شرٹ استری کروانے کی۔" اس نے نور کو دوبدو جواب دیا تھا اور اب شرٹ تھامے منہ پھلائے دادی جان کے تخت پر بیٹھ گیا تھا۔

لاؤنج کچھ اس طرح تھا کہ مین گیٹ سے گھستے ہی ایک راہداری تھی جس کے دائیں جانب پرانے طرز کی بنی سیڑھیاں تھیں جس کی ایک سائیڈ پر لکڑی کی جھالر لگی تھی جہاں سے باہر کا آنگن دکھتا تھا۔ بائیں جانب ایک بڑی سی حال نما جگہ تھی۔ جس میں ایک کونے پر بارہ سیٹر صوفے نفاست سے رکھے گئے تھے۔ ایک طرف دادی جان کا تخت پڑا تھا۔ جس کے آس پاس لکڑی کی کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ اور ایک کونے میں ایل ای ڈی کی خوبصورت سی کانچ کی ٹرالی تھی جس کے سامنے ایک بڑا صوفہ اور سائڈز میں دو چھوٹے صوفے رکھے گئے تھے۔ لاؤنج کا دوسرا دروازہ کچن کی طرف نکلتا تھا۔

جہاں سے ابھی فلک آتی نظر آئی تھی جسے دیکھتے ہی عدیم کی آنکھیں چمکی تھیں۔ آج صبح سے وہ اسے پہلی بار دکھی تھی۔ عدیم اب شرٹ بھولے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو ہمیشہ کی طرح ہر چیز سے بے نیاز تھی

۔

"نور تم نے میرا ناول دیکھا ہے؟ امّی سے چھپا کر صبح یہاں ایل ای ڈی کے پیچھے پھینکا تھا۔ امی ابھی کچن میں ہیں سوچا نکال کر چھپا دوں۔" ایل۔ ای۔ ڈی کے آگے کھڑی وہ پیچھے دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جس سے نور کو اب اسکرین کے بجائے فلک کی پشت نظر آرہی تھی۔

"یار فلک سائیڈ پر ہو کر ڈھونڈو مجھے اسکرین نہیں دکھ رہی۔" لان کے پرنٹڈ سوٹ پر پرنٹڈ ہی شیفون کا ڈوپٹہ اوڑھے نور فاطمہ ہمیشہ کی طرح صاف ستھرے حلیے میں تھی۔ جبکہ اُس کی کزنز کا خیال تھا اُس کی جلد ویسے بھی بہت پیاری ہے اس لیے بھی وہ ہر وقت صاف ستھری لگتی ہے۔

چشمہ ناک پر سیدھا کرتے فلک نے ناک چڑھاتے نور کو خفا ہوتے دیکھا تھا اور ہاتھ سے بم پھٹے بالوں کی چند لٹیں پیچھے کرتے جنھیں تڑور مڑور کر جوڑے میں باندھا تھا ٹھیک کرتے ایک بار پھر وہ آگے آ کھڑی ہوئی تھی اور عجیب عجیب شکلیں بناتی ٹرالی کے پیچھے جھانکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"فلک بات سنوں!" عدیم نے بے دھیانی میں اسے پکارا تھا۔

"جی بولیں۔" اس نے بغیر اس کی طرف دیکھے ہی مصروف سے انداز میں جواب دیا تھا۔ اس انداز پر عدیم کا خون خول کر رہ گیا تھا اور پھر اچانک اسے اپنی شرٹ کا خیال بھی آتا گیا۔

"ابھی ایک کتاب تائی امّاں نے مجھے ردی والے کو دینے کے لیے دی ہے۔ پر خیر تمہیں کیا تم ڈھونڈتی رہوں، میں چلا ردی والے کے پاس۔"

نور نے ایک آئیبر و اُٹھا کر پہلے فلک اور پھر عدیم کو دیکھا جیسے طنزاً کہہ رہی ہو، "کیا واقعی"۔

اور یہاں فلک کا چھوٹا سا دل پھڑ پھڑایا تھا۔ "عدیم بھائی کہیں دے تو نہیں دیا ناں؟"

"ابھی وہ ناول یہیں ہے پر میں دینے ہی جا رہا ہوں۔" اسے اپنی نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے عدیم نے شرارت سے پہلے فلک اور پھر نور فاطمہ کو دیکھتے کہا تھا۔

"چلیں شکر ہے لائیں اب مجھے دے دیں آپ کو پتہ ہے میں نے اتنی مشکل سے خریدا تھا کب سے ڈھونڈ رہی ہوں۔" ہاتھ اسکے آگے پھیلائے فلک نے معصومیت سے کہا۔

"مجھے یہ بتاؤ تمہیں ناول دے کر مجھے کیا ملے گا؟" اُس کے آنکھوں میں جھانکتے اُس نے پوچھا تھا۔

"کیا چاہیے آپ کو؟" فلک نے جلدی سے کہا تھا اس پہلے اُس کی پیاری امّی جان اُس کا مہنگا ترین ناول ردّی والے کو دیدے اُسے وہ عدیم سے لینا تھا۔

"کچھ نہیں۔" گہری سانس لیتے اس نے فلک کو دیکھا تھا پھر یکدم نظر ہاتھ میں پکڑی شرٹ پر گئی اور یہاں موقعے پر چوکا لگایا تھا۔ "اچھا ایک کام کرو فلحال تو تم میری یہ شرٹ استری کر دو پھر میں بدلے میں تمہارا ناول دے دونگا۔"

سنجیدگی سے فلک کو کہتے ایک جتاتی نظر نور پر ڈالی تھی جیسے کہہ رہا ہو تمہارا محتاج نہیں ہوں میں، اس نے بھی جوابا منہ بناتے آنکھیں گھمالی تھیں۔ فلک جھپٹنے کے انداز میں شرٹ لے کر بھاگی تھی اور ٹھیک دس منٹ بعد اُس کے سر پر کھڑی تھی۔

"یہ لیں شرٹ اور اب مجھے میرا ناول دیں۔" اُسے شرٹ پکڑواتے فلک نے بے چینی سے کہا تھا۔

"ویسے آپس کی بات ہے۔ ہو تم احمقوں کی سردار مائے ڈیئر ہنی بنی۔" اپنی ہنسی کو ضبط کرتا وہ ایل ای ڈی کی ٹرالی کی طرف بڑھا تھا ذرا سی ٹرالی آگے کھسکانے کے بعد فلک کا ناول جو پیچھے پھنس گیا تھا اور صاف نظر بھی آ رہا تھا نیچے زمین پر گرا. جسے عدیم نے نیچے سے نکال کر اُسے تھمایا اور ہنستے ہوئے لاؤنج عبور کر گیا۔ جب کے فلک ہونق بنی چند منٹ تک ویسی کی ویسی ہی کھڑی رہی۔

"یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے نہ آپ مجھے ٹرالی کے آگے سے ہٹنے کا کہتی نہ ہی ناول میری نظروں سے بچتا۔" ایک زوردار کشن نور پر اچھال کر وہ غصے میں وہاں سے نکلی تھی۔ اور نور نے اُس کے جاتے ہی ایک زوردار قہقہہ لگایا تھا۔

"زیتون محل کی احمقوں کی سردار دی ہنی بنی فلک۔" قہقہ لگاتے نور بڑبڑائی تھی۔

"تم کیوں یہاں اکیلی بیٹھی ہنس رہی ہوں۔" عائشہ اُس کے برابر میں صوفے پر دونوں پیر اونچے کیئے لیٹنے کے انداز میں بیٹھی تھی۔

"تمہارے بھائی نے پھر ہنی بنی کو بے وقوف بنالیا ہے۔" ہنسی دباتے اس نے کہا تھا۔

"کون سی نئی بات ہے فلک کے علاوہ کوئی ان سے بیوقوف بنتا بھی تو نہیں ہے۔" عائشہ نے بھی لقمہ دیا اور ساتھ انگڑائی لیتی مزید پھیلتے ہوئے بیٹھی تھی۔

"عائشہ سیدھی ہو کر بیٹھو کسی نے ایسے انگڑائیاں لیتے دیکھ لیا پھر قوالیاں سنو گی۔" فیروزہ بیگم کے وہاں سے گزرنے پر نور فاطمہ نے عائشہ کے بیٹھنے پر چوٹ کی تھی۔ چونکہ وہ لوگ جوائینٹ فیملی میں رہتے تھے اس لیے اُن کے گھر میں اپنے اپنے کمروں کے علاوہ بے دھڑک ہو کر بیٹھنے پر فیروزہ تائی اور دادی جان کی طرف سے سخت پابندی تھی۔

"ایک تو یہ گھر بھی جھنجال پورا ہے کوئی بھی کبھی بھی کہیں سے بھی نازل ہو جاتا ہے۔" اپنے بکھرے بالوں کو سمیٹ کر وہ ٹھیک ہو کر بیٹھی تھی۔ صبح کی تکرار فلحال دونوں بھولی ہوئی تھیں۔ پھر اچانک نور کو یاد آیا کہ صبح وہ عائشہ سے ناراض ہوئی تھی۔

"ہمم بلکل ویسے جیسے ابھی تم یہاں نازل ہوئی ہو۔ سکون سے ایک فلم تک نہیں دیکھ سکتا کوئی یہاں۔" ٹی۔وی آف کرتے وہ اٹھ گئی تھی۔

"میرا گھر ہے میری مرضی جہاں بیٹھوں تمہارا بل آرہا ہے؟" عائشہ کو بھی اب یاد آگیا تھا کہ وہ دونوں ناراض تھیں۔ نور بغیر جواب دیے کشن صوفے پر پٹختی اٹھی تھی جبکہ عائشہ نے دانت نکالتے اسے چڑایا تھا۔ لاؤنج میں قدم رکھتے ہی زارا کی ٹکر نور سے ہوتے ہوتے بچی تھی جس پر وہ دانت پیستے زارا کے آگے سے نکلی تھی۔

"کیا ہوا ہے اس کو کیوں جوالامکھی بنی ہوئی ہے؟" وہ جو دوپہر کی سوئی اب اٹھی تھی اپنی سوجی ہوئی آنکھوں کو مسلتی ہوئے عائشہ سے پوچھ رہی تھی۔

"اُس کی فکر چھوڑیں اپنی کریں ابھی فیروزہ تائی دوبار آپ کو اٹھانے جاچکی ہیں اُوپر پر آپ کے کانوں میں کوئی تک نہیں رینگی۔" عائشہ نے آئیبرو اچکاتے اسے آگاہ کیا تھا۔

"کیا واقعی میں؟" زارا نے آگے بڑھتے پوچھا تھا۔ حالانکہ اب چند دن کی مہمان ہوں اس گھر میں پر سکھ کا سانس کوئی نہیں لینے دیتا، آخر کو چند ماہ میں شادی ہے میری اگر سو بھی گئی تھوڑی دیر کونسا طوفان آگیا پر امی بھی ناں۔" زارا نے اپنا رٹا رٹایا دکھ سنایا تھا جس کی بدولت وہ آج کل ہر کسی کے غیض وغضب سے بچتی پھر رہی تھی۔

"توبہ کرلیں زارا آپی ہر وقت یہی باتیں سُن سُن کر تھک گئے ہیں ہم۔ آپ کی شادی نا ہو گئی ورلڈ کپ کا ٹورنامنٹ ہو گیا سال پہلے سے راگ الاپنا شروع۔" عائشہ بھی چڑ کر اُٹھی تھی، ویسے بھی ابھی ان سب کو کچن میں حاضری لگانی تھی پھپھیوں کے آنے کی وجہ سے آج کے روز شام کی چائے کا بھی خاص اہتمام ہونا تھا۔

****

"ہادیہ اب تمہیں خدا کا واسطہ ہے اٹھ جاؤ، اپنے کپڑے استری کرو منہ ہاتھ دھو صبح سے ایک انچ نہیں ہلی ہو اپنی جگہ سے اب اٹھو فوراً، اس پہلے بھائی آجائیں اور امی چلنے کا کہہ دیں۔" سنجیدگی سے لب بھینچتے علیشبہ نے ہادیہ کے سلوٹ زدہ کپڑوں پر چوٹ کی تھی۔

"ویسے سوچنے کی بات ہے تمہیں کیوں می سے زیادہ وہاں پہنچنے کی جلدی ہوتی ہے." آنکھیں گھماتے ہادیہ نے ناک پر سے مکھی اڑائی تھی۔

"شرم کرلو تھوڑی سی ہر وقت بس بے تکی باتیں کروالوں تم سے، اب اٹھ جاؤ اس سے پہلے ممی آئیں اور تمہیں غصہ کر کے اٹھائیں۔" کمرا سمیٹتے ہوئے علیشبہ نے اس سے ایک بار پھر کہا تھا اب کی بار لہجے میں منت تھی۔

وہ جو مزے سے لیپ ٹاپ کھولے نیٹ فلیکس پر شو دیکھ رہی علیشبہ کے منت بھرے لہجے پر سانس بھر کر رہ گئی۔

"یہ تم اتنی مردہ دل کیوں ہو ہاں؟ یہ جو ہر وقت بزرگوں کی طرح نصیحتیں کرتی رہتی ہو اس کا آج تک بھلا کوئی فائدہ ہوا ہے تمہیں زندگی میں؟" اپنے کپڑے لیتی منہ بناتے وہ روم سے باہر استری سٹینڈ کی طرف بڑھی تھی۔

"اپنا کام وقت پر طریقے سے کرنا کیا مردہ دلی ہے ہاں؟ میں مردہ دل نہیں ہوں البتہ تم ضرورت سے زیادہ لاپرواہ ہو اور یہ تمہاری طرح ناک منہ چڑھا کر کاہلوں کی طرح بیٹھنے کا فائدہ ملا ہے کبھی؟" اس نے بھی فوراً دوبدو جواب دیا تھا۔ استری کے ساتھ الجھتی ہادیہ کو دیکھ گہری سانس بھارتی وہ اس تک آئی تھی۔ "کبھی کبھی مجھے شدید حیرت ہوتی ہے کہ تم میری بہن ہو۔ تم چھوڑو اسے اور فریش ہونے جاؤ میں کرتی ہوں یہ۔" ہادیہ کے کے ہاتھ سے کپڑے لیتے نفی میں سر ہلاتے اس نے کہا تھا۔

جبکہ ہادیہ فوراجان چھڑاتے واش روم کی طرف بھاگی تھی پھر چند قدم دور جا کر اعلان کرتے یاددہانی کروائی ۔"تصیح کرلو صرف بہن نہیں، جڑواں بہن وہ بھی پورے دس منٹ بڑی۔"

"بعد میں بحث کرلینا ابھی جاؤ اور ہاں نور فاطمہ کا میسج بھی آیا تھا کہہ رہی تھی اگر ہادیہ کی وجہ سے ایک منٹ بھی لیٹ ہوئے تو میں اس سے ہرگز بات نہیں کروں گی۔"

"نخرے تو ایسے دکھا رہی ہے جیسے ہمارے گھر تو ہر ہفتے آتی ہو۔ دیکھ لوں گی اسے بھی ویسے بھی مجھ سے ناراض نہیں رہ سکتی وہ آخر وہاں جاتی ہی اس کے لیے ہوں میں۔"

"میں بھی۔" علیشبہ نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ ان تینوں کی دوستی تو بچپن سے ہی بہت گہری تھی۔

****

"ممّی پلیز ہر ویکنڈ تو جاتے ہیں وہاں ایک بار بس مجھے آج جانے دیں زوبی کے گھر۔ پھر زوبی کی برتھ ڈے تو اس سال اب دوبارہ نہیں آئے گی۔"

"ماریہ میں نے کہہ دیا نہیں مطلب نہیں جاؤ اب کپڑے بدلو اور صباح کو دیکھو کیا کر رہی ہے اس سے کہو باہر آئے ہمیں دیر ہو رہی ہے۔"

ماریہ کی اکلوتی دوست کی آج برتھ ڈے تھی اور اس نے آج کی دعوت میں خاص کر ماریہ کو بہت اصرار کر کہ بلایا تھا۔ اسی وجہ سے وہ جی توڑ کوشش کر رہی تھی کہ اُس کی ممّی اُسے جانے دیں۔ پر حمیرا بیگم کو بھی زوبی اور اس کے گھر والوں سے بلاوجہ کا بیر تھا۔ اور زیتون محل کی بجائے اُسے وہاں بھیجنا تو انہیں قطعاً نامنظور تھا۔

"ممّی پلیز بھیج دیں ناں۔" معصوم چہرہ بناتے ایک آخری کوشش کی گئی تھی۔ پر وہ بھی ناکارہ گئی تھی۔

"ملّی کہہ دیا نا نہیں جاؤ صباح کو دیکھو کہاں ہے۔" اب کی بار ان کی آواز میں سختی کا عنصر زیادہ تھا۔

"اوکے۔" اس نے آہستہ سے کہا اور باہر کی طرف بڑھ گئی۔ دل پر ایک اور ضرب لگی تھی، ایک اور شکایت نے جنم لیا تھا۔ بچوں کے دل پر پڑنے والی یہ چھوٹی چھوٹی ضربیں بعض دفعہ بغاوت کو جنم دیتی ہیں۔

لان میں لگی رات کی رانی کی پکچر کلک کرتی ہوئی وہ بھی اُسی منظر کا حصہ لگ رہی تھی۔ چند لٹیں جو چہرے پر جھول رہی تھیں انہیں ہاتھوں کی مدد سے پیچھے کرتے، وہ مُسکرائی تھی۔

بہن کو دیکھ ماریہ کے چہرے پر اپنے آپ مسکراہٹ آئی تھی۔ اس کی وہ بہن جس کی وجہ سے وہ ہر چیز میں پیچھے رہ جاتی تھی جس کے جیسے بننے کی اسے تلقین کی جاتی تھی جس کی مسکراہٹوں سے ان کا ویران گھر گونج اٹھتا تھا۔ صباح جو ان کے گھر میں زندگی کے موجود ہونے کا پتہ دیتی تھی۔ اور ماریہ کے دل میں ہر لڑائی اور ڈھیروں شکووں کے باوجود بہن کی محبت اپنی جگہ قائم تھی۔ اس کے شکوے دل میں ہی کہیں دبے کے دبے رہ گئے تھے۔

"یہ دیکھو ملّی کتنی استھیٹک پکچرز آئیں ہیں۔" ماریہ کو آتے دیکھ وہ والہانہ انداز میں اس کے قریب آئی تھی۔ اچھی تصاویر آنے کی خوشی کی رمق چہرے پر واضح تھی۔

"ناٹ انٹرسٹڈ! پلیز۔۔۔ ان تصاویر میں مزید نہیں الجھنا چاہتی میں، ممی بلا رہی ہیں چلیں آئیں اندر چلیں۔" ماریہ نے فوراً ہی اسے روک دیا تھا ورنہ صباح نے اپنی کھینچی سو کے سو تصاویر اسے دکھانی تھیں۔

"ہنہہ ناٹ انٹرسٹڈ! بدروح نہ ہو تو۔ منہ بناتے اس کی نقل اتاری تھی، اچھا چلو مت دیکھو میری تصویریں پر روم سے میرا بیگ لے آؤ پلیز۔" چہرے پر معصومیت سجائے مسکین نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"صباح باجی اپنے کام خود کیوں نہیں کرتیں آپ؟" ہار مانتے ہوئے خفگی سے کہا تھا۔

"اگر میں خود کرلوں گی تو یہ چھوٹی بہن کس لیے دی ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہاں؟" ناک چڑھاتے صباح مسکراتے ہوئے بھاگ گئی تھی۔

دونوں بہنوں کی یہ کھٹی میٹھی تکرار بچپن سے چلتی آرہی تھی پر سچ تو یہ تھا صباح ملی کو جتنا ستاتی اس سے پیار اس سے بڑھ کر کرتی اور اس بات سے ماریہ خود بھی واقف تھی۔

چنچل مزاجی تھی جو صباح پر ختم ہوتی تھی۔

****

سورج کی مدھم کرنوں نے زیتون محل کے آنگن کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ اسی اثناء میں دادی جان ٹہلتی ہوئی کچن میں داخل ہوئی تھیں۔

"لڑکیوں ذرا اولٹس۔ ایپ تو کرو اپنی پھپھیوں کو اب تک پہنچی نہیں، شام ہونے کو آئی ہے"۔

عصر کی نماز پڑھ کر کچن میں موجود اپنی پوتیوں سے معلومات لینے کی غرض سے آئی زیتون بانو ساتھ ہی ساتھ کھانے کی تیاریوں کا بھی جائزہ لے رہی تھیں۔ ایک طرف عائشہ چائے کا پانی چڑھا رہی تھی تو عبیر اور فلک شامی کباب بنا رہی تھیں۔ اور ایک طرف نور براؤنیز کو بیک کرنے رکھ رہی تھی۔

"ہمارے تو ہاتھ مصالحے والے ہو رہے ہیں دادی جان، عائشہ یا نور سے کہیں میسج کرنے کو۔" عبیر اور فلک نے جواب دیا تھا۔

نور عائشہ جو کانوں میں بلوٹوتھ لگائے ہوئے اپنے آپ میں مگن دادی جان کی آوازوں سے بے خبر اپنا اپنا کام کرنے میں مصروف تھیں۔ زیتون بانو نے اب کی بار اور اونچی آواز میں پکارا تھا پر محنت بے کار کان میں موجود آلے کی آواز کو وہ مات نہیں دے سکیں تھیں۔

"عائشہ! اے نور۔۔۔۔ تم سے ہی بولتی ہوں۔" دادی جان کا تو مانو پارہ ہائی ہو چکا تھا۔

کچن میں داخل ہوتی سنبل بیگم نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور غصے سے سیخ پا ہوتے، دونوں کے کان سے ہینڈ فری کھینچی تھیں۔ "کتنی دفعہ سمجھایا ہے کام کے وقت ان ٹوٹیوں کو نا ڈالا کرو کان میں۔ جل کر بھسم ہو جائے تم لوگوں کے یہ موبائل اور یہ۔۔۔ یہ عجیب وغریب شیطانی چیزیں۔" بلوٹوتھ کو ہاتھ میں لیے گھوریوں سے نوازتے کہا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح صحیح وقت پر غلط جگہ پر پہنچ چکی تھیں۔ "ایک تو روبی نے بھی نا امّی جی ان سب کو سر پر چڑھا رکھا ہے، کیا ضرورت تھی لڑکیوں کو یہ ٹوٹیاں دلانے کی۔" انھوں نے تو جیسے آج ٹھان ہی لی تھی کہ ان کی یہ مہنگی ترین بلوٹوتھ اس گھر سے باہر پھکنوا کر رہیں گی۔

"امّی کم سے کم ٹوٹیاں تو نا بولیں بلوٹوتھ کہتے ہیں انہیں۔" عائشہ نے ہلکی سی مزاحمت کی تھی۔

جبکہ نور بیچاری تو ٹوٹیاں لفظ سُن کر ہی سکتے میں آ گئی تھی، ایک تو فاطمہ تائی اور سنبل چاچی پتہ نہیں کہاں کہاں سے ایسے لفظ ڈھونڈ کر لاتی تھیں۔

"روبی نے نا ان سب کو اپنی طرح ماڈرن بنا لیا ہے۔" زیتون بانو نے الگ ہی طرز سے ماڈرن کہا تھا جس پر فلق اور عبیر نے کباب بناتے خاموشی سے اپنی ہنسی دبائی تھی۔ بہت کم کم ہی ایسا موقع آتا تھا جب نور اور عائشہ کی درگت بنتی تھی ورنہ زیادہ تر زارا یا پھر وہ دونوں ہی دادی جان کے عتاب کا شکار بنتی تھیں۔

"ویسے حد ہے میری غیر موجودگی میں میری برائیاں کرنی کی پچیس سالہ عادت گئی نہیں آپ لوگوں کی، میں لاکھ اچھا کرلوں پر آخر کو غیر ہی رہ جاتی ہوں خاندان سے باہر کی جو ٹھہری شادی کے پہلے دن سے میرے لیے جو محاذ آپ لوگوں نے کھولا ہے وہ آج بھی بند نہ ہو سکا۔" وہ جو ابھی ابھی پارلر سے آئی تھیں ٹشو سے ناک صاف کرتے ہچکیوں سمیت روتے ہوئے کچن کے دروازے کا سہارہ لیے وہی کھڑی ہو گئی تھیں۔

ارے نہیں روبی تم جو سمجھ رہی ہو ایسا کچھ نہیں۔۔۔۔ میں تو بس یہ کہہ رہی تھی تم نے نا ان سب کو کچھ زیادہ ہی سر پر چڑھا دیا ہے پیار کرتی ہو نا شاید اس لیے، اب خود ہی دیکھو امّی جی کب سے انہیں آوازیں دے رہی ہیں اور یہ کانوں میں ٹوٹیاں ڈالے بیٹھی ہیں، مجال ہے جو مڑ کر دیکھ بھی لیں۔ سنبل بیگم نے اپنی عادت کے خلاف جا کر بات سنبھالی تھی ورنہ روبی بیگم اور زیتون بانو میں سے کسی نے نہیں پیچھے نہیں ہٹنا تھا اور پھر آج سب نے آنا کسی بھی وقت سب پہنچ سکتے تھے بہتر تھا گھر کا ماحول خوشگوار رہتا۔

ٹشو سے ناک صاف کرتی روبی بیگم نے اپنے تازہ تازہ ہوئے ہیئر کٹ کو ہاتھوں کی مدد سے مزید سیٹ کیا تھا۔ کندھے سے اوپر کو آتے بوب کٹ بال سفید رنگت اور چمکتی سکن جو فیشل کے بعد مزید کھلی کھلی بھلی معلوم ہوتی تھی۔

لڑکیوں! وہ میں کہہ رہی تھی چائے بن گئی ہو تو ذرا شہزاد اور لڑکوں کو دے آؤ، پھر جب سب آئیں گے تو کباب فرائی کر کہ براؤنیز نکال دینا۔ فیروزہ بیگم ہاتھ جھلاتے ہوئے ہربڑاہٹ میں کچن میں داخل ہو رہی تھیں کہ دروازے پر ایستادہ روبی بیگم سے بری طرح ٹکرا گئی۔

"ہائے روبی تو کیوں بیچوں بیچ مینارِ پاکستان کی طرح براجمان ہو گئی ہے۔" اپنا کندھا سہلاتے وہ مڑی تھیں اور کاجل سے بھری آنکھیں روبی بیگم پر جمائے ان کے قریب جاتے حیرت و صدمے سے ان کے کندھے سے اوپر جھولتے بالوں کو ہاتھ میں لیتے جھرجھری لی۔ "تیرے بالوں کو کیا ہوا ہے روبی، یہ کیوں کٹی پتنگ کی طرح دکھ رہے ہیں؟" وہ جیسے اب تک صدمے میں تھیں۔

"کٹنگ کروائی ہے بھابھی آج کل باب کٹ کا ٹرینڈ ہے اور میری ہیئر اسٹائیلسٹ کے بقول مجھ پر باب کٹ کافی سوٹ کر رہے ہیں۔" بالوں کو آہستہ سے ان کے ہاتھ سے چھڑاتے پیچھے کو جھٹکتے روبی بیگم کے ناز و انداز ہی بدلے ہوئے تھے۔

جو بھی ہو ٹرینڈ شرینڈ عورتوں پر تو لمبے کالے چمکدار بال ہی بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ بیوٹی پارلر والیاں تو چار پیسے بنانے کو بندری کو بھی ہنسنی کہہ دیں ان کا کیا جائے۔" دادی جان نے نخوت سے چڑتے ہوئے کہا۔ "اور نور فاطمہ تو کان کھول کر سن لے ماں کی دیکھا دیکھی میں بال کٹوانے کا سوچنا بھی مت، پورے خاندان میں سب سے اچھے بال ہیں میری پوتیوں کے خبردار جو کسی نے کوئی ایسا کارنامہ انجام دیا عائشہ تو بھی خاص کر سن لے، پچھلی بار انٹرنیٹ سے دیکھ کر تو ہی قینچی لیے بیٹھی تھی بھولی نہیں ہوں میں۔" لگے ہاتھوں زیتون بانو نے ان سب کو بھی خبردار کر دیا تھا۔

"میں ذرا زبیر کو دکھا آؤں اپنے بال۔" روبی بیگم منمناتے ہوئے کچن سے باہر نکلی تھیں۔

روبی بیگم کے نکلتے ہی نور اور عائشہ بھی چائے کی ٹرے تھامے کچن سے نکلی تھیں۔ اس سے پہلے سنبل چاچی کو اُن کی ٹوٹیاں میرا مطلب ہے بلوٹوتھ پھر یاد آتی اُن کا وہاں سے جانا ہی بہتر تھا۔

"ناجانے کون سے تعویذ گھول کر پلائے ہیں میرے معصوم بچے کو جو اس کی ہر صحیح غلط پر چوں چراں کیئے مان جاتا ہے۔" زیتون بانو کی بڑبڑاہٹ واضح تھی۔

"آپ بھی جانتی ہیں امی جی کے یہ محبت کا تعویذ ہے، جو اچھے اچھوں کو خاموش کروادیتا ہے۔ آپ اپنا دل نہ چھوٹا کرا کیجیئے اور پھر زبیر آپ کا بھی تو اتنا خیال کرتا ہے۔ اور نور بھی اب بڑی ہو گئی ہے اس طرح کی باتوں کا منفی اثر پڑتا ہے بچوں پر، اب وہ اپنی ماں کے خلاف باتیں سنتی ہے تو سامنے سے جواب دیتی ہے، ایسے کریں گی تو اس کے دل میں بھی ہم سب کے لیے برائی آئی گی چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر دیا کریں۔" فیروزہ بیگم نے تحمل سے زیتون بانو کو سمجھایا تھا، پر یہ سب انہوں نے صرف زیتون بانو نہیں بلکہ سنبل بیگم کے لیے بھی کہا تھا۔ پورا گھر جانتا تھا سنبل بیگم اور روبی بیگم کی آپس میں نہیں بنتی اور اس ناپسندیدگی کی لپیٹ میں اب سنبل بیگم نور کو بھی لا رہی تھیں۔ جو فیروزہ کو سخت ناگریز تھا۔

****

"یہ علی بھی کچھ زیادہ ہی حسینہ بنتا ہے۔ خاندانی حسینہ کا خطاب دے دینا چاہیئے اسے۔" علی جو ابھی ابھی منہ دھو کر آیا تھا اور اب بجائے تولیے سے منہ صاف کرنے کہ اس نے عائشہ سے ٹشو پیپر منگوایا تھا اس پر برہم ہوتی عائشہ نے ہادیہ کے کان میں ہلکی سرگوشی کی تھی، جس پر اُس نے ایک گھوری کے ساتھ عائشہ سے کہا تھا۔

چُپ کر کے کھڑی رہو صباح باجی نے سُن لیا نا تو خیر نہیں تمہاری۔ ہادیہ نے ایک زوردار تھپکی اُس کی کمر پر ماری تھی۔ اور ہلکی سے مسکراہٹ کے ساتھ آنکھیں چھوٹی کیئے اُسے چڑایا تھا۔ جبکہ عائشہ منہ بناتے اپنی کمر ہی سہلاتی رہ گئی۔

ابھی کچھ دیر پہلے ہی خدیجہ اور حمیرا زیتون محل پہنچی تھیں۔لاؤنج میں سب کے آجانے سے خوب شور شرابا مچا ہوا تھا۔اسی شور شرابے میں اوپر سے بھاگ کر آتی نور جلد بازی میں سامنے سے جاتے اذبان سے زور سے ٹکرائی تھی۔زوردار ٹکر کی وجہ سے اذبان کے ہاتھ سے اچار کی کانچ کی برنی اچانک ہی پھسلی تھی اور اُن دونوں کے پیر کے بیچوں بیچ جاکر ٹوٹ کر گری تھی۔ایک زوردار آواز پورے گھر میں گونجی تھی۔ چند لمحے کے لیے وہ دونوں ہی سمجھ نہیں سکے کے ہوا کیا ہے کیونکہ دونوں ہی اپنی اپنی دُھن میں آرہے تھے۔

چہرے پر ہاتھ پھیرتے نور نے اذبان کی طرف دیکھا تھا جو سپاٹ چہرہ لیے اسی کی طرف بے یقینی سے دیکھ رہا تھا،اس کی شرٹ اس وقت اچار کے تیل سے مکمل بھیگی ہوئی تھی۔"آئی ایم سوری میں نے آپ کو دیکھا ہی نہیں۔"منمناتے ہوئے اس نے ہلکی آواز میں کہا تھا۔

"اٹس اوکے۔لگا تو نہیں آپ کو؟"پلکیں جھپکتے اب وہ کچھ نارمل لگ رہا تھا پر چپ چپ ہوتی تیل سے بھیگی شرٹ پر نظر ڈالتے ہی اس نے نفی میں سر ہلاتے نور کو دیکھا تھا،جیسے اب وہ اس سب کی توقع نہیں رکھتا۔ نور نے گہری سانس لیتے، گردن دائیں بائیں ہلا کر منع کیا۔پر ان کا یہ ریکارڈ ٹوٹتے ٹوٹتے رہ گیا تھا پچھلے کئی ماہ سے نور نے اسے دیکھتے کچھ نہیں توڑا تھا پر اب۔۔۔اب ایک بار پھر یہ سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

کانچ ٹوٹنے کی آواز سنتے ہی سب وہی دوڑے چلے آئے تھے۔فیروزہ تائی سب کو پیچھے ہٹا رہیں تھیں کہ کہیں کسی کو کانچ نا چبھ جائے۔

"ویسے ایک کام کرو ایک ہی بار جو نقصان تمہیں کرنا ہے کرلو میری بیچاری خالہ کی ساری محنت ضائع کردی۔ کتنی محنت سے سب کے لیے اچار بنایا تھا حمیرا خالہ نے۔" سیڑھی کی بائی جانب کھڑے آزان نے نور کو دیکھتے مصنوعی مایوسی سے کہا تھا۔

"جان کر تو نہیں کرتی نا میں، اور۔۔اور یہ خود ہی میرے آگے آئے تھے میں تو خاموشی سے سیڑھی اتر رہی تھی، پوچھ لو تم اپنے بھائی سے۔۔" چیزیں توڑنے کے اس ریکارڈ سے اب واقعتاً اُسے خود بھی کوفت ہونے لگی تھی پر پھر بھی اس نے آزان کو تپ کر جواب دیا تھا جبکہ چہرے پر بے بسی تھی۔ ازبان تو اس کی خاموشی سے سیڑھیاں اترنے والی بات پر اسے گھور کے ہی رہ گیا جبکہ آزان پھر بولا تھا۔

"میں کیوں پوچھوں ان سے مجھے معلوم ہی ہے چیزیں چھینک کر توڑنے کا شوق کسے ہے، پر پھر بھی بندہ کسی کی محنت کا ہی خیال کرلیتا ہے، حمیرا خالہ کو کتنا دُکھ ہوا ہوگا اچار کے ضائع ہو جانے سے۔" آزان نے اسے تپانے کو مزید آنٹیوں والے لہجے میں کہا۔ اور وہ واقع تپ بھی گئی تھی۔

"تمہیں کس چیز کا افسوس ہے ہاں۔ تمہاری برنیاں ٹوٹی ہیں۔ یا تمہاری محنت ذائع ہوئی ہے۔ اور ویسے بھی جب تمہارا کچھ نہیں بگڑا تو اپنا منہ بند رکھو"۔ کمر پر ہاتھ رکھے وہ لڑنے کے موڈ میں آچکی تھی۔

جبکہ اذبان نے ایک نظر ازان نے چڑائے جانے والے چہرے اور اُس کے بدلتے موڈ اور پٹر پٹر چلتی زبان کو دیکھ نفی میں سر ہلایا تھا۔ اور اپنی تیل میں بھیگی شرٹ کو دیکھ کر زیتون بیگم کی طرف التجایا نظروں سے دیکھا تھا کہ وہ انہیں لڑنے سے روکیں۔

اور جیسے ہی آزان نے نور کو جواب دینے کے لیے منہ کھولا۔ زیتون بانو عرف نانی + دادای جان فوراً بیچ میں بول پڑی۔ "اچھا بس چپ کرو دونوں، شکر کرو چوٹ نہیں آئی کسی کو بڑے نقصان سے چھوٹا نقصان بہتر

ہوتا ہے، لگ جاتا تو اور مصیبت پڑتی۔ جاؤ اذبان اور نور نہا کے کپڑے بدلو۔" تیزی سے کہتے انہوں نے ایک تیکھی نظر باقی سب پر ڈالی تھی جو وہاں کھڑے کیا ہو رہا ہے صرف یہی دیکھ رہے تھے،بجائے کچھ کرنے کو۔ گہری نظر سے سب کو دیکھتے وہ خود بھی اندر چلی گئی تھیں جبکہ ان کے دیکھنے پر سب سٹپٹا کر جانے لگے تھے۔ پر اس سے پہلے لڑکیاں وہاں سے جاتی سنبل بیگم کا اگلا حکم سن کر سب ہی کڑھ کر رہ گئی تھیں۔

"یہ مسکینوں والی شکل بنا کر اندر کہاں؟ صاف کرو پہلے یہ سب مل کر پھر جو کرنا ہو کرنا۔" حکمیہ انداز اپناتے انہوں نے سب ایک نظر ڈالی تھی جو منہ بنائے کھڑی تھیں۔"یہ منہ کس لیا بنا رہی ہو ہاں؟ یہ گند جو یہاں پھیلا ہے اس کی صفائی کے لیے برابر والوں کو بلاؤ؟"

سب ہی نے گہری سانس لی تھی، جانتی تھیں سنبل بیگم کا رعایت دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"امّی ابھی صاف کرنا ضروری ہے؟" عائشہ نے رونی شکل بنائے کہا تھا۔اُس کے ایسے کہنے پر سنبل بیگم نے آئیبرو اُٹھاتے ایک اچٹتی نظر اُس پر ڈالی تھی اور کہا۔

"نہ میری پتر تو صبح کا انتظار کر سکینہ بی آئینگی اور کرلینگی صاف جب تک بھلے پڑا ہے، زیادہ سے زیادہ کیا ہو گا کسی کو کانچ چبھ جائے گا۔ اور کچھ نہیں تو یہ آم کے اچار کی بو پھیلے گی۔ پر نہیں تو صاف نا کر۔ یہاں تو ماہرانیاں رہتی ہیں نا، ہاتھ پیر ہلانے میں تو موت آتی ہے انہیں۔" ابھی وہ اور بھی کہتی کہ عبیر نے انہیں روک دیا۔

"امّی بس کریں ہم کرتے ہیں صاف۔ سب کے سامنے ہی شروع ہو جاتی ہیں۔" پہلی بات زور سے اور پھر ہلکی آواز میں کہتے وہ بڑبڑائی تھی۔ ایک تو سنبل چاچی اور اُن کے میٹھے میٹھے طنز۔

کام کا سنتے ہی زارا نے وہاں سے کھسکنے کی کری تھی۔ پر وہ سب کی نظروں سے بچ نہ پائی تھی۔ "زارا باجی آپ کہاں بھاگی جا رہی ہیں۔ نور کے کپڑے گندے ہوئے ہیں، آپ کے نہیں۔ چلیں آئیں صفائی کروائیں ہمارے ساتھ۔ " فلک نے زارا کو سیڑھیاں چڑھتے دیکھتے ہی کہا۔

"شرم نہیں آتی شادی ہونے والی ہے میری چند دن کی مہمان ہوں میں اور مجھ سے کام کرواؤں گی اب تم لوگ۔۔؟" آج کل جو ڈائیلاگ وہ دن میں کم سے کم دس دفعہ کہتی تھی۔ اور جس کی وجہ سے فیروزہ تائی بھی اسے رعایت دے دیتی تھی۔ وہی اُس نے پھر کہا۔ پر اس بار یہ تدبیر کچھ کام نہ آئی۔

"رکیں ذرا یہ بتائیں کب ہے آپ کی شادی؟" اب کی بار علیشبہ نے کہا تھا۔ کیونکہ بے شک وہ اس گھر میں نہیں رہتی تھی۔ پر جب یہاں آتی اس گھر کی لڑکیوں کے ساتھ سب کام انہیں بھی ملتے۔ علیشبہ کے پوچھنے پر زارا کے بڑھتے قدم رکے تھے۔

"اس ہی سال میں ہے۔" زارا نے گڑبڑاتے ہوئے کہا تھا۔ کیونکہ اُس کی شادی کی صرف بات ہی چلی تھی۔ با قاعدہ کوئی تاریخ اب تک طے نہیں ہوئی تھی۔

"ہمم تو جب آپ کو آپ کی شادی کی ڈیٹ پتہ لگ جائے نہ تب کیجیے گا آرام۔ فلحال ہمارے ساتھ صفائی کروائیں شاباش۔" اس کی پیٹھ تھپکتے علیشبہ نے سادہ سے انداز میں کہا تھا۔

"ویسے ہی زمین اتنی چکنی ہے با قاعدہ دھونی پڑے گی۔" صباح تو ڈوپٹہ کمر پر باندھے اپنا ماسی موڈ آن کر چکی تھی۔

اور پھر پورے ایک گھنٹے بعد وہ سب پورا فرش چمکا کر فارغ ہوئی تھی۔ اتنی دیر میں نور بھی نہا کر آچکی تھی۔ اور اب اُن سب کا ہمیشہ کی طرح ایک ہی پروگرام تھا۔ نائین ٹیس کی مووی دیکھنا۔ پر اوپر والی ایل ای ڈی چھوٹی تھی۔ جس میں مووی دیکھنے کا مزہ نہیں تھا۔ اور نیچے لاؤنج والی ایل ای ڈی پر لڑکوں کا قبضہ تھا۔ اور اُن سے وہ ایل ای ڈی صرف ایک ہی لڑکی خالی کروا سکتی تھی۔ وہ تھی چلبلی چڑیل عرف صباح حسن۔

"چلیں بھئی ٹی وی خالی کریں، اب ہم سب مووی دیکھیں گے یہاں۔۔۔ شاباش چلیں ریموٹ دیں ہمیں۔" ایک بار کہنے پر جب کسی نے کان نہیں دھرے تو کچھ دیر ٹھہر کر اس نے پھر ان سے ریموٹ مانگا تھا۔ ٹی۔پنک کلر کے سادہ شلوار قمیض میں صاف گندمی رنگت لیے سادہ سے حلیے میں بھی وہ حسین لگ رہی تھی۔ چہرے پر آئی لٹ کو ہاتھ کی مدد سے پیچھے کرتے اطمینان سے کہتے وہ زارون کو طیش دلا گئی تھی۔

"دیکھو صباح فضول بحث مت کرنا۔ ہمیں میچ دیکھنے دو۔" زارون نے ہمیشہ کی طرح چڑ کر کہا تھا۔ اُس کا حکم دیتے انداز نے ہمیشہ کی طرح زارون کو طیش دلایا تھا۔ نا جانے کیوں صباح کے ہر وقت بولتے رہنے اور ہر کام کے بیچ میں ٹانگ اڑانے سے بچپن سے ہی چڑ ہوتی تھی۔

"دیکھیں زارون بھائی۔ آپ لڑکوں کا کیا ہے ابھی باہر جائینگے اور کرکٹ کھیل لینگے۔ اگر وہ بھی نہیں تو سی ویو پر جا کر عیش کرینگے۔ پر ہم معصوم لڑکیاں ہر وقت گھر میں ہوتی ہیں۔ اور اب ٹی وی پر بھی آپ قبضہ کر لیں، تو نہیں ناں، فوراً خالی کریں جگہ۔" آنکھیں پٹپٹا کر ہمیشہ کی طرح معصوم بننے کے ڈرامے شروع ہو چکے تھے۔ وہ ڈرامے جن سے زارون کو عجیب سی چڑ تھی۔

"یار زارون بھائی ہٹ جائیں یہاں سے ویسے ہی دادا دادی کی فیورٹ ہیں یہ مجھے نہیں کھانی اُن سے ڈانٹ۔" عدیم تو فوراً اٹھ گیا تھا۔ ویسے ہی وہ ایک جگہ ٹکتا کب تھا۔

"ہاں بھئی میں بھی باہر لان میں تازی ہوا کھا کر آتا ہوں۔" ہادی نے بھی صباح سے لڑائی کرنے سے گریز ہی برتی کیونکہ وہ جانتے تھے۔ صباح سے لڑائی کرنا فضول تھا۔

"میں اور علی تو کب سے باہر جانا چاہ رہے تھے ہم بھی آتے ہیں۔" آذان اور علی بھی اُٹھ کر بھاگے تھے۔

" کمینوں کیسے بھاگے جا رہے ہو اس پانچ فٹ کی لڑکی سے ڈر رہے ہو تم لوگ۔" زارون کو تو مانو تپ ہی چڑ گئ تھی۔

اور صباح کمر پر ہاتھ رکھے اب عابص کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ "ہاں تو عابص بھائی آپ بھی جا رہے ہیں نا۔"

"عابص خبر دار جو تو اُٹھا ہے یہاں سے۔" انگلی دکھاتے وارننگ دیتے کہا تھا۔

"زارون اٹھ جاو اوپر جا کر دیکھ لے میچ۔" عابص اپنے مخصوص لہجے میں کہتا اُٹھ گیا تھا۔ ویسے ہی وہ لڑکیوں سے بحث نہیں کرتا تھا۔ جبھی اُس کا رُعب آج تک سب پر قائم تھا۔

"بہت ہی کمزور ٹیم ہے آپ کی۔" ایک ادا سے کہتے ہوئے صباح نے ریموٹ کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔

پر زارون صاحب وہ ریموٹ ہوا میں اُچھال کر جا چکے تھے۔ ظاہر ہے اب صباح کے ہاتھ میں تو نہیں دے سکتا تھا نا۔

اذبان ہمیشہ کی طرح دور بیٹھے ان سب کے تماشوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔ وہ ہمیشہ سے ہی ایسا تھا سب سے دور رہ کر انھیں اوبزرو کرنے والا۔ نہ محسوس انداز میں سب کا خیال رکھنے والا۔ خاموش طبیعت اور کم گو۔

"یہ ہوئی نا میری چیتی والی بات۔" زارا نے اُس کی گردن میں ہاتھ ڈالے خوب چہک کر کہا تھا۔

"چل نور اب اپنی بنائی ہوئی براؤنی اور کباب بھی لے آتے ہیں۔" عائشہ اور نور جا ہی رہے تھے کہ فلک نے پیچھے سے آواز لگائی۔

"یار پاپ کارن پڑے ہیں تو وہ بھی بنا لو خوب مزہ آئے گا۔" فلک نے چہکتے ہوئے کہا۔

"اس بھالو کو بھی چین نہیں ہے۔ جب دیکھو کھاتی رہتی ہے۔" عائشہ بڑبڑاتی ہوئی گئی تھی اور فلک اب واقع میں بھالو کی طرح منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

کچن میں فیروزہ تائی بڑی محنت اور لگن سے بریانی بنانے میں مصروف تھی۔ ایک طرف روبی چاچی رشین سیلڈ کے لیے فروٹس اور سبزیاں کاٹ رہی تھی، اور ساتھ ساتھ خدیجہ پھپھو سے باتوں میں بھی مصروف تھی۔ دوسری طرف سنبل چاچی فروٹ ٹرائفل بنا رہی تھی اور حمیرا پھپھو سلاد کے لیے پیاز کاٹ رہی تھی۔ ایک طرف نور اور عائشہ پاپ کارن بننے کا انتظار کر رہی تھی کہ آذان کچن میں آیا۔

فیروزہ ممانی آپ کو نانی اپنے کمرے میں بُلا رہی ہیں۔ عدیم نے فیروزہ بیگم کو اطلاع دی اور ساتھ ہی پورے کچن میں اپنی نظریں دوڑائی۔ واہ پاپ کارن براؤنی کباب یہ سب مووی کے لیے ہے کیا۔ عدیم نے للچاتی نظروں سے ہر چیز کو دیکھا اور پلیٹ میں سے کباب اُٹھا کر بغیر رُکے منہ میں ڈال لیا۔ ویسے بھی کھانے کی خوشبوں میلوں دور سے سونگ کر عینک والے جن کی طرح حاضر ہو جاتا تھا وہ۔

"یار عدیم بھائی تنگ نا کریں ہم فلک نہیں جو رو کر چُپ ہو جائیں گے۔ دادا جان سے شکایت لگا دونگی میں۔" عائشہ نے غصے میں وارننگ دی تھی۔

جسے ایک کان سے سُن کر دوسرے سے نکال دیا گیا تھا۔اب کی بار پلیٹ میں سے براؤنی اُٹھاتے عدیم شیطانی مسکراہٹ اچھالی تھی۔اور جن کی طرح غائب ہوا تھا۔

ندیدہ کہی کا۔نور زور سے بڑبڑائی تھی۔جسے عدیم نے باخوبی سنا تھا۔پر پرواہ کسے تھی۔

"میں امّی جی کی بات سُن کر آتی ہوں۔"ڈوپٹے سے ہاتھ پونچھتی فیروزہ کچن سے نکلی تھی۔عائشہ اور نور بھی ٹرے میں تمام چیزیں نفاست سے رکھ کر باہر کو گئی تھی۔

****

اُس نے آہستہ سے کھڑکی پر سے پردہ ہٹائے تھے۔پردے ہٹاتے ہی کمرے میں سورج کی روشنی ہر سو پھیل گئی تھی۔باہر گلی میں بچوں کا شور واضح سنائی دیتا تھا۔شور کی آواز سنتے اس نے گردن ترچھی کرتے بیڈ پر سوئے اپنے سال بھر کے بیٹے کو دیکھا تھا۔ننھا احمد سوتے ہوئے ہو بہو اپنی ماں کا عکس لگتا تھا۔بھرے بھرے سے اناری گال اور معصوم آنکھیں جن پر پلکوں کی باڑ بچھی ہوئی تھی۔اسے مسکرا کر دیکھتے ہوئے پلوشے آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

اپنے آپ کو ایک نظر دیکھتے ہی اُس نے نظریں چُرائی تھی۔چہرے پر پڑے نیل ہونٹوں کے پاس جما ہوا ہلکا سا خون جو اب زخم کی صورت ڈھال چکا تھا۔جو کل رات عادل کے تھپڑ پڑنے پر اُسے ملا تھا۔اب تو اُس نے ان چھوٹے چھوٹے زخموں کو گننا چھوڑ دیا تھا۔پر کل رات پہلی بار عادل نے اسے صرف تھپڑ نہیں مارا تھا۔یہ وہ پہلی مار تھی جو پلوشہ نے کھائی تھی۔جس کی شروعات شادی کے چھ ماہ بعد سے ہی ہو گئی تھی۔ عادل کے لیے ہاتھ اُٹھانا اور اپنی بیوی کو بے عزت کر دینا ایک عام سی بات تھی۔وہ ایک اچھی بیوی اور بہو بننے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی پر اس گھر میں کوئی اس کوشش کو کامیاب بنانا ہی نہیں چاہتا تھا۔

"بھابھی امّی نے کہا ہے یہ کریم لگا لیں زخم جلدی ٹھیک ہو جائے گا۔"

تو آخر اُس کی ساس کو خیال آ ہی گیا۔

دروازے سے ہی اُس کی نند نے اُسے کریم دی تھی۔ اور بغیر رُکے چلی گئی تھی۔ شاید نظریں ملانے کی ہمت نہیں تھی اس میں۔

یہ سب سوچتے ہی پلوشہ نے ایک پیپر اور پین نکالا تھا۔ فون اس کے پاس تھا نہیں اور عادل کے سامنے وہ اپنے ماں باپ سے کوئی بات نہیں کر پاتی تھی، کیسے کر پاتی کچھ کہہ بھی دیتی تو فائدے سے زیادہ نقصان اُٹھاتی۔ پر وہ جانتی تھی اب اُسے کیا کرنا ہے۔ وہ تھپڑ برداشت کر سکتی تھی کردار کشی نہیں، یہ اُس کے بس میں نہیں تھا۔

****

"کیا ہوا فیروزہ دیہان کہا ہے تیرا پتر؟ میں نے تو بس ایک مشورہ دیا ہے فیصلہ تو تو نے اور شہزاد نے ہی لینا ہے آخر کو تمہاری اولاد ہے۔" دادی جان نے چھالیہ کاٹتے ہوئے کہا تھا۔

"ارے نہیں امّی جی کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ ہم سے پہلے تو آپ کا حق ہے اُن پر۔ میں تو یہ سوچ رہی ہوں یہ خیال آخر مجھے کیوں نہیں آیا۔ آپ آج ہی حمیرا سے زارون کے لیے صباح کو مانگ لیں۔" چہرے پر مُسکان لائے انہوں نے کہا تھا۔

"میرا پتر جلد بازی نا کر پہلے زارون سے پوچھ لے بات کر لے پھر میں بات آگے بڑھاتی ہوں۔" دادی جان کو البتہ کوئی جلدی نہیں تھی۔ وہ چاہتی تھی زارون اور صباح سے ان کی مرضی پوچھ لی جائے۔ فیروزہ بیگم نا جانے خلا میں دیکھ کر کیا سوچ رہی تھیں

"فیروزہ! کوئی بات ہوئی ہے بیٹا، بہت کھوئی کھوئی لگ رہی ہے آج۔"۔ دادی جان کی آواز نے ان کی سوچوں کا تسلسل توڑا۔

ان کے چھالیہ کاٹتے ہاتھ رُکے تھے۔ اور پانی سے بھری آنکھیں ڈوپٹے سے پونچھتے انہوں نے کہا تھا۔ "آج پلوشے کی شادی کی سالگرہ ہے۔ ایک سال پہلے دیکھا تھا اُسے وہ بھی بس ذرا دیر کے لیے۔ عادل کو فون بھی تو نہیں پسند نا اور کچھ مہینے پہلے لینڈ لائن بھی خراب ہو گئی ہے۔" چہرہ ڈوپٹے سے پونچھتے انہوں نے مزید کہا۔ "میرا دل بڑا گھبرا رہا ہے آج کل اس کے لیے۔ اتنے آرمانوں سے بیٹی کی شادی ی تھی پر نصیب کہ وہ لوگ ایسے نکلے۔ میرا دل بڑا اداس ہوتا ہے اس کے لیے امی جی۔۔۔ یہ میری ہی تو ضد تھی کہ پلوشے کی شادی اپنی سہیلی کے وہاں کرنی ہے۔" بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

ماں بے شک اولاد سے دور ہو، پر ہمیشہ اُس کی فکر میں جلتی کُڑتی رہتی ہے۔ فیروزہ بیگم کو بھی اپنی بیٹی کی اتنی ہی فکر تھی۔ بے شک وہ سب کے سامنے جتنا بھی کہہ لیتی کہ سُسرال ایسے ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ پر پلوشے کے لیے ان کا دل ہر وقت پریشان رہتا تھا۔ اور پھر وہ کچھ کہتی بھی تو نہیں تھی، نا کوئی شکوہ نا غلہ نا شکایت۔ خاموشی اور صبر کا انہیں کبھی پلوشے کو کہنا ہی نہیں پڑا یہ دو کام تو وہ بخوبی کرنا جانتی تھی۔

"تو ایک کام کر مل آ ایک دن جا کر اُس سے۔ پتا تو چلے آخر ماجرہ کیا ہے۔ بیٹیوں سے اتنی بے خبری بھی اچھی نہیں ہوتی۔ ویسے بھی تو نے تو شادی کے بعد چھوڑ ہی دیا ہے پلوشے کو۔ مجھے تو ویسے ہی اُس کا سُسرال

کچھ خاص پسند نہیں۔ پھر ہے بھی دور پرے اگلے شہر۔ قریب ہوتا تو بندہ چکر ہی لگا آتا۔ اور اس کا میاں نا تو وہ منوا خود آتا ہے اور نا ہماری بچی کو آنے دیتا ہے۔" نخوت سے کہتے دادی جان نے ہمیشہ کی طرح پلوشے کے یہاں نہ آنے جانے پر چوٹ کرتے کہا تھا۔ پر ساتھ تسلی بھری تھپکی دینا وہ نہ بھولی تھی۔ "فکر نا کر انشاء اللہ اللہ بہتر کریگا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ ایک آدھ دن میں کھونگی شہزاد سے وہ تو خود اتنے بے چین ہے اُس کے لیے۔ پر آپ پریشان نا ہوں اُس کی ساس بہت اچھی ہے ماشاء اللہ۔" انہوں نے ہمیشہ کی طرح پلوشے کی ساس کی تعریف کرتے دل کو مطمئین کیا تھا۔ "اب میں تب جاؤں گی جب زارون اور صباح کی انشاء اللہ بات پکّی ہو جائی گی۔" فیروزہ تائی نے اب ہلکے پھلکے موڈ میں کہا تھا۔

"لے ابھی تو بات شروع ہوئی نہیں تو نے خواب بھی بننا شروع کر دیے۔" دادی جان نے ہنستے ہوئے اُنھیں کندھے پر تھپکی دے کر کہا تھا۔

"ہاہاہا۔۔! چلیں اب میں کچن دیکھ آؤ ورنہ روبی اور سنبل کہیں گی کہ بھابھی تو غائب ہی ہو گئی۔"

"ہاں پتر جا کام نمٹا لے اپنا۔ میں بھی پلوشے کے لیے تصبیح کرتی ہوں۔ آج شادی کی سالگرہ ہے نا اُس کی ۔" یہ کہتے ہی دادی جان وضّو کے لیے اُٹھی تھی۔

****

لاؤنج اس وقت سینما ہال کا منظر پیش کر رہا تھا۔ جہاں صباح کی پسند کے مطابق دیوداس لگائی گئی تھی۔ اور شارخ خان اپنے وہ ڈائیلاگ بول رہا تھا۔ جوان سب کورٹ گئے تھے۔ شارخ خان کی پیچھے پیچھے وہ سب بھی ایک ادا سے وہ ڈائیلاگز دُہرا رہی تھی۔

بابو جی نے کہا گاؤں چھوڑ دو

سب نے کہا پارو کو چھوڑ دو

پارو نے کہا شراب چھوڑ دو

آج تم نے کہہ دیا حویلی چھوڑ دو

ایک دن آئے گا جب وہ کہے گا دنیا ہی چھوڑ دو۔

ہاہاہا۔۔۔ڈائیلاگز دہراتی اب وہ سب ہنس رہی تھی یا یہ کہا جائے گلا پھاڑ پھاڑ کر ہنس رہی تھی۔

لاؤنج میں داخل ہوتے زارون اور عابص نے انھیں غور سے دیکھا تھا۔ اور دل ہی دل میں استغفر اللہ کہا تھا کیونکہ اتنے گھپ اندھیرے میں وہ لڑکیاں کم اور بلائیں زیادہ لگ رہی تھیں۔ اُن پر ایک نظر دوڑا کر وہ دونوں بھی اوپر گئے تھے جہاں سارے لڑکے موجود تھے۔

داداجان کے کمرے میں سارے بڑے میٹنگ جمائے بیٹھے تھے۔ اور ٹاپک تھا زارون اور صباح کی شادی۔ بڑوں کے آپسی مشاورات کے بعد یہ طے پایا تھا کہ زارا کی شادی کے دوران زارون کی بھی منگنی کر دی

جائے۔ پر اس سب سے پہلے اُن دونوں کی رضامندی ضروری تھی۔ زارون کو قائل کرنا فیروزہ بیگم کی ذمہ داری تھی۔ اور صبا کو قائل کرنے کی ذمہ داری خدیجہ بیگم کو دی گئی تھی۔

دروازے سے کان لگائے عائشہ ہمیشہ کی طرح جگا جاسوس بنی ہوئی تھی۔ نیلی کرتی پر وائٹ ٹراؤزر اور وائٹ ہی ڈوپٹہ گلے میں ڈالے بالوں کا جوڑا بنائے وہ اتنی گم تھی کہ اُسے پتا ہی نہیں چلا کب علی آ کر اُس کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

"کیا ہوا سُن لی بات۔" وہ سمجھ گیا تھا۔ عائشہ ضرور یہاں اب کی باتیں سُن رہی ہو گی۔ جبھی اُس کے پیچھے کھڑے ہوتے دھیمے سے کہا۔

"ہاں۔۔ نہیں۔۔ کیا۔۔! نہی نہیں میں کوئی باتیں نہیں سُن رہی۔" دروازے پر کان لگائے وہ اس قدر محو تھی کہ نا جانے بے خیالی میں کیا کہہ گئی۔ وہ تو صد شکر فوراً خود پر قابو پا لیا تھا۔

دونوں ہاتھ سینے پر جمائے علی اُسے افسوس کرتی نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ ہاں مجھ سے بہتر کسے پتہ ہو گا ۔

اور اپنے پکڑے جانے پر عائشہ کا چہرہ دیکھنے لائق تھا۔ "میں تو تائی اماں کو بلانے آئی تھی، باتیں تھوڑی ہی سُن رہی تھی۔" منہ پر ہاتھ پھیر کر جیسے اپنی خفت مٹانی چاہی۔

"اوہ رئیلی۔۔! اگر واقع انھیں بلانے آئی تھی تو جاؤ بلاؤ۔" اب کی بار علی نے چیلینجنگ انداز میں آئیبرو اُچکاتے کہا۔

"نہ نہیں ناں، وہ ڈسٹرب ہو جائینگی کوئی ضروری بات کر رہے ہیں شاید۔" آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے خود کو معصوم بنانے کے بھرپور کوشش کی گئی تھی۔ آخر تھی تو عدیم ہی کی بہن۔

پر سامنے بھی علی تھا۔ اچھی طرح سمجھتا تھا اُس کی ان ڈرامے بازیوں کو۔ "اچھا چلو میں لے کر چلتا ہوں اندر ایسی بھی کوئی ضروری بات نہیں کر رہے ہوں گے۔"

"حد ہے بھئی پیچھے ہی پڑ گیا ہے۔ جیسے اور کوئی کام ہی نا ہو اس نازک حسینہ کو۔" وہ کہنا تو دل ہی دل میں چاہتی تھی پر بڑبڑاہٹ زارا اونچی ہی ہو گئی۔ جو کہ علی نے یقینن سُن لی تھی۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتا۔ جھنجھلاتے ہوئے وہ وہاں سے بھاگی تھی۔ کہیں وہ سچ میں ہی زبردستی اُسے اندر نہ بھیج دے۔ ویسے بھی جو خبر اس نے سنی تھی وہ کوئی عام خبر نہیں تھی۔

"حد ہے اس لڑکی کو بھی ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔ خوب جانتا ہوں میں تمہاری اس چوری چھپے سننے والی عادت کو۔" اُس کے پیچھے ہی علی نے ہانک لگائی تھی۔ اُسے خود کو نازک حسینہ کہلوائے جانا بلکل پسند نہیں آیا تھا۔

عائشہ نے مُڑ کر دیکھا جو اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ میری بلا سے جو مرضی بولے اب اتنی بڑی خبر کے لیے کچھ تو سُننا ہی پڑیگا نا۔

****

عائشہ اور عبیر کا ایک کمرہ تھا۔ زارا اور پلوشے کا ایک کمرہ تھا جہاں پلوشے کی شادی کے بعد سے زارا اکیلی رہ رہی تھی۔ اور نور اور فلک کا ایک کمرہ تھا۔ جب کہ نور کے حساب سے بہت جلد اُس پورے کمرے کی مالک وہ ہونے والی تھی، کیونکہ زارا کی شادی کے بعد اُس کا کمرہ فلک کو جو ملنا تھا۔

"گائزلسن! بہت مزے کی نیوز ملی ہے، کہو تو سناؤ؟" عائشہ کمرے میں آتے ہی سنسنی خیز انداز میں کہتے بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھی۔

"کیا میری شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی؟" زارا کچھ ایکسائیٹڈ ہوتے ہوئے آگے آئی۔

"نہیں زارا باجی آپ کو بھی دن رات اپنی شادی ہی سوجھتی ہے۔" اُس نے بیزاری سے زارا کو کہا تھا۔ "ہاں پر کسی اور کی شادی کی اُڑتی اُڑتی خبریں آئی ہیں۔"

"رئیلی کس کی؟" اب کی بار نور نے کہا تھا۔

"اوہو بھئی اب بول بھی دو، فضول میں اوراایکٹنگ کر رہی ہو۔" صباح نے کہتے ہی اُس کے سر پر کشن مارا تھا ۔

"اچھا اچھا بتاتی ہوں۔۔۔ زارون بھائی اور آپ کی انگیجمنٹ کی بات چل رہی ہے نیچے۔" صباح کو شرارتی نظروں سے دیکھتے کہا تھا۔

صباح جو اپنے ہی خیال میں گم بیٹھی تھی۔ اچانک ہی سر اُٹھا کر عائشہ کو دیکھا۔ یکدم کمرے میں سکوت چھایا تھا سوئی گرے تو مانو اس کی آواز بھی آ جائے۔ وہ سب اتنی تیزی سے اٹھ کر بیٹھی تھیں، جیسے جن دیکھ لیا ہو۔ بے یقینی ان سب کے چہروں سے صاف ظاہر تھی۔

"عائشہ تم مزاق تو نہیں کر رہی نہ۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے میرے بھائی کی شادی کی بات چلے اور مجھے ہی نہ پتہ ہو۔" زارا نے مشکوک نظروں سے اُسے دیکھا تھا۔

"میرا دماغ خراب ہے جو میں ایسے مزاق کرونگی؟ اور مزاق بھی صباح باجی اور زارون بھائی کے متعلق۔ نہیں بھئی جوتیاں کھانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے میرا۔"

"یہ نہ کرو یار۔ صباح باجی تو بیچاری زارون بھائی سے ڈانٹ ہی کھاتی رہیں گی۔" ملّی کو تو اپنی بہن کی فکر لگ گئی تھی۔ آخر کو اُس کے تمام کارناموں سے جو واقف تھی۔ اُس نے صباح کی طرف دیکھتے کہا تھا۔ جو بت بنی بیٹھی تھی۔

"اُف میری تو سمجھ میں نہیں آرہا کیسے ریکٹ کروں میرے اکلوتے بھائی کی شادی ہو گی وہ بھی صباح باجی سے۔ یا اللہ! اتنی خوشی۔ میں تو بہت شاپنگ کرنے والی ہوں بھئی۔"

"فلک واپس آجاؤ میری بہن۔ اتنے لمبے خواب نہ دیکھو۔ ابھی صباح باجی اور زارون بھائی نے ہاں تو نہیں کی ہے۔ علیشبہ نے صباح کے سپاٹ چہرے کو دیکھتے کہا تھا۔

"ویسے اچھا ہی ہے گھر میں کوئی فنکشن تو ہو گا۔ پلوشہ اپیا کی شادی کے بعد سے تو ترس گئے ہیں گھر کی شادی انجوائے کرنے کے لیے۔ اور زارا باجی کی شادی تو ویسے ہی ایک سال سے لٹک رہی ہے۔" ہادیہ نے بے فکری سے کہا تھا۔ یہ جانے بغیر کہ صباح جوالہ مکھی بنے اُسے گھور رہی ہے۔ "میں تو ویسے ہی ایک بات کر رہی تھی صباح باجی گھوریں مت۔" ہادیہ نے فوراً اپنی پٹر پٹر چلتی زبان پر بریک لگائی تھی۔

"تم سب کے سب کان کھول کر سُن لو۔ اُس نے اُنگلی سے اُن سب کی طرف اشارہ کرتے کہا۔ مجھے تمہارے زارون بھائی میں اتنا سا بھی انٹرسٹ نہیں ہے۔" اپنی شہادت کی انگلی اور انگھوٹے کو قریب لا کر اُس نے بتایا تھا۔ "آئی سمجھ؟ میرا دماغ خراب ہے جو میں اُس بڈھی روح سے شادی کروں گی۔ شکل دیکھی ہے اُن کی کبھی، ایسا لگتا ہے ہٹلر کی آل اولاد سے ہیں۔ سڑی ہوئی بھنڈی نہ ہو تو۔"

کمرے کے دروازے پر کھڑے زارون نے اُن سب کی باتیں سُن لی تھی۔ وہ جو نور سے کافی بنوانے وہاں آیا تھا۔ ان سب کی باتیں سُن کر وہی کھڑا ہو گیا تھا۔ اور سب اتنی مگن تھی کہ اُس کی موجودگی نوٹ ہی نہیں کر سکی۔ پر صباح کے منہ سے اپنے لیے بڈھی روح اور سڑی ہوئی بھنڈی سُن کر تو اُس کا خون ہی کھول گیا تھا۔ یہ لڑکی ہمیشہ سے اُسے غصہ دلا جاتی تھی۔

"نور۔۔! ایک کپ کافی میرے روم میں بھجوا دو پلیز۔" ان سب پر سرد نظر ڈالتے وہ واپس مُڑ گیا تھا۔

زارون کی آواز پر جہاں صباح کی چلتی زبان کو بریک لگا تھا۔ وہی وہ سب بھی صدمے میں آئی تھی۔ اور عائشہ کا شمار تو اُن لوگوں میں سے ہو رہا تھا کہ کاٹو تو لہو نہ نکلے۔ کیونکہ دادا جان کے کمرے کی جاسوسی اُسی نے کی تھی۔ اگر یہ بات کُھل جاتی تو سنبل چاچی نے اُس کا حشر بگاڑ دینا تھا۔

"جی۔۔ زارون بھائی ابھی بنا کر لاتی ہوں۔" نور فوراً اُٹھی تھی۔ سب اُسے زارون بھائی کی چمچی ٹھیک ہی کہتے تھے۔ وہ تو ایسے اُٹھی جیسے تو زارون کے علاوہ وہاں کسی کو جانتی ہی نہ ہو۔

جبکہ صباح ابھی تک حیران تھی کہ اگر اس ہٹلر نے سب سُن لیا ہے جو ظاہر سی بات تھی تو اُس نے کوئی رئیکٹ کیوں نہیں کیا۔

دروازے سے تھوڑا ہٹ کر کھڑا زاروں نور کے پیچھے ہی گیا تھا۔ آخر یہ کیا ماجرہ ہے۔ وہ ہی اُسے بتا سکتی تھی ۔کیونکہ اس گھر میں سب ہی زاروں سے دور دور رہتے تھے۔ شاید بڑا ہونے کی وجہ سے جو رُعب اُس نے رکھا تھا۔ اُس نے سارے کزنز کو اُس سے دور کر دیا تھا۔ پلوشے کے بعد ایک نور ہی تھی۔ جس سے وہ بات چیت کر لیا کرتا تھا۔ اور بقول زاروں کے نور صرف شکل میں ہی نہیں عادتوں میں بھی پلوشے کی کاپی تھی۔

کچن میں کافی کا جار نکالتے نور کی نظر زاروں پر پڑی تھی۔ اور اُسے بے حد ہنسی آئی تھی۔ پر پھر بھی وہ انجان بنے کافی بنانے میں مصروف تھی۔ آخر کار تنگ آ کر اُس نے خود ہی پوچھ لیا۔

"کیا سین ہے؟" ہاتھ سلپ پر رکھے وہ نور سے مخاطب تھا۔

"کیوں کوئی سین ہونا تھا کیا؟" انجان بنتے کافی پھینٹتے اُس نے ایک نظر زاروں کو دیکھا تھا اور اپنا قہقہہ روکنے کی کوشش کی تھی۔

"اب بول بھی دو تمہیں پتہ ہے کیا کہہ رہا ہوں میں۔" بے چینی سے ہاتھ چہرے پر پھیرتے اس نے اب کی بار باقاعدہ اسے دیکھتا کہا تھا۔

"ویسے آپ کے دل میں تو بڑے لڈو پھوٹ رہو نگے نہ آخر کو ہماری اتنی پیاری صباح باجی جو آپ کو مل رہی ہیں۔" کافی کا کپ سلب پر رکھتے نور فاطمہ نے آئیبرو اچکاتے اسے شرارت سے کہا۔

"کوئی لڈو نہیں پھوٹ رہے میرے دل میں۔ ایسی بد تمیز اور کوّے کی طرح کاؤ کاؤ کرتی لڑکیوں سے سخت چڑ ہے مجھے۔ اور یہ منحوس خبر لایا کون ہے آخر۔" غصے سے دانت بھینچتے اس نے کہا تھا۔

پلیز اب آپ رنگ میں بھنگ مت ڈالنے بیٹھ جایئے گا۔ ہم سب تو بہت خوش ہیں۔ آخر کو ہماری بھی بھابھی آئے ہم بھی تھوڑا رعب دکھائے اُس پر۔" مسکراتے ہوئے وہ پھر کافی پھینٹنے لگی تھی۔

"ہاں تمہاری تائی اماں جس کو تمہاری بھابھی بنانے کے چکر میں ہیں نا۔ آہی نہ جائے کہیں وہ رعب میں۔ اُلٹا دادا جان کی دھمکیاں دے دے کر تم سب پر رعب جھاڑتی پھرے گی وہ۔" اس نے دانت پیستے کہا تھا۔ جبکہ اس کے ایسے کہنے پر نور فاطمہ کافی کا کپ چھوڑے حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

تو مطلب کہ آپ اُن سے ڈرتے ہیں۔۔۔؟ اوہ مائی گاڈ۔۔ آپ واقع میں۔۔؟ ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں اس کا چہرہ کھلتے انار کا منظر پیش کر رہا تھا۔ جبکہ زارون نے خفگی بھری نظر اس پر ڈالی تھی۔

"نائس جوک چھوٹی۔ یہ کافی میرے کمرے میں دے جانا۔" ناراضگی سے کہتا وہ مُڑ گیا تھا۔ اُس کے پیچھے نور نے اونچا قہقہ لگایا تھا جس کی آواز وہ باخوبی سن چکا تھا۔ "مطلب زارون بھائی صباح باجی کے رعب سے ڈرتے ہیں۔" ہنستے ہوئے یہ سوچتے ہوئے وہ گرم دودھ پھینٹی ہوئی کافی میں ڈال رہی تھی کہ یکدم اُس کی نظر اندھیرے میں ایک سائے پر پڑی، اور پھر سمجھ آنے پر مارے خفت اور شرمندگی کے اس نے جلدی جلدی وہاں سے جانے لگی۔ اذبان نا جانے کب سے اُسے اکیلے یوں ہنستے دیکھ رہا ہو گا۔

وہ ایک کال اٹینڈ کرنے باہر آیا تھا۔ کچن سے کھٹر پٹر کی آواز آنے کے بعد کچن کا دوسرا گیٹ جو لان میں کُھلتا تھا اس نے وہاں جھانکا تھا، اور نور اور زارون کو کھڑے پایا۔ مُسکراتی ہوئی نور زارون کو کچھ کہہ رہی تھی ۔ اور وہ اُس کی بات کی نفی کرتا وہاں سے خفا ہوتا گیا تھا۔ اور اُس کی پیچھے وہ کھلکلا کر ہنسی تھی۔ وہ اُسے دیکھنے میں اتنا مگن تھا کہ اچانک اُسے خود کی طرف دیکھتا پایا اور اپنے حواسوں میں واپس آیا۔ اور ہمیشہ کی طرح اُسے دیکھتے ہی وہ بھاگی تھی۔

صد شکر کچھ توڑا نہیں تھا میڈم نے۔ زارون سے تو اتنا ہنس ہنس کر بات کر رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی پتہ نہیں کیا ہو جاتا اسے۔ خیر زارون تو بھائیوں جیسا ہے اُس کے۔ دل ہی دل میں خود کو تسلی دیتا وہ عابس کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ جہاں باقی سب کوئی فلم لگائے بیٹھے تھے۔

****

بہت کوشش کے بعد بھی وہ گھر کال نہیں کر پائی تھی۔ لینڈ لائن کو کٹے ہوئے کئی ماہ گزر چکے تھے۔ اور جب لینڈ لائن تھی جب بھی عادل ساری ریکاڈنگز چیک کیا کرتا تھا۔ اُسے اب واقع عادل سے ڈر لگنے لگا تھا۔ کل رات کے بعد سے وہ اس قدر خوفزدہ تھی کہ کچھ لمحے میں اس کے ساتھ رہنا اس کے لیے محال تھا۔ وہ ایک سائیکوپیتھ نفسیاتی انسان تھا۔ کیا چاہتا تھا کیا نہیں پلوشے کبھی سمجھ نہیں پائی تھی۔ وہ اسی مشکل میں تھی کہ گھر والوں تک اطلاع کیسے دے اور اگر ہر بات صاف لفظوں میں کہہ دی تو سب پریشان ہو جائیں گے۔ وہ بس چاہتی تھی اس کے ماں باپ یہاں آ جائیں تاہ اسے کچھ کہنے کی ضرورت پیش نا آئے۔

ابھی وہ اسی الجھن میں تھی کے اُسے زید کی آواز آئی جو اُن کی پڑوسن کا بیٹا تھا۔ ویسے تو وہ اٹھارہ سال کی عمر کا ایک ٹین ایجر بچہ تھا پر قد کاٹھ سے ذرا بڑا بڑا لگتا اور عادل کے رویے سے تو پورا محلّہ ہی واقف تھا۔ اس لیے اُس کی پلوشے سے کبھی بات نہ ہوئی تھی۔ جبکہ وہ اکثر ہی اُن کے گھر اُس کی ساس کے بلانے پر آ جاتا تھا۔ گھر کا چھوٹا موٹا سامان زید سے ہی منگوایا جاتا تھا۔ زید کا آنا اُس وقت پلوشے کو امید کی ایک نئی کرن تھما گیا تھا۔ کیونکہ دروازے پر گارڈ کے پہرے کی وجہ سے وہ کہی آ جا نہیں سکتی تھی۔ اور نا ہی کوئی اُس سے ملنے آ سکتا تھا۔ اس پہلے زید جاتا اُس نے فوراً اُسے آواز دی۔

"زید بات سنو!" کپکپاتی آواز میں آگے پیچھے دیکھتے اس نے زید کو مخاطب کیا تھا۔ کچھ حیران ہو تا وہ مڑا تھا۔

"جی باجی بولیں؟ کچھ منگوانا تھا آپ نے۔" وہ سمجھا پلوشے کو بھی اُس سے کچھ منگوانا ہوگا۔

"نن۔۔ نہیں۔۔ وہ۔ وہ۔۔ پہلے تم وعدہ کرو کسی کو کچھ بتاؤ گے نہیں؟" آگے پیچھے دیکھتے وہ کافی گھبرائی ہوئی تھی۔

"جی باجی آپ بھروسہ رکھیں، میں نے کس کو بتانا ہے۔" زید کو پلوشے بہت پریشان لگی اور اُس کے چہرے پر پڑے نیل اور ہاتھ کا زخم بھی اُس سے ڈھکا چھپا نہ تھا۔

"مجھے اپنے گھر والوں سے کنٹیکٹ کرنا ہے، پر تم جانتے ہو یہاں میں نہیں کر سکتی۔" ہچکچاتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"ارے اس میں مسئلے والی کونسی بات ہے۔ آپ میرے فون سے بات کر لیں۔" آج ہی بیلینس ڈلوایا ہے میں نے۔

نہیں! امّی کبھی میں باہر آجائیں گی اور عادل بھی آسکتے ہیں۔ تم ایک کام کرو یہ خط اس پتے پر پہنچوا دو۔" اس نے ایک کاغذ زید کو تھمایا تھا۔ "اور اس میں میرے ابّو کا کانٹیکٹ ہے یہ تم اپنے پاس رکھ لو۔ کیا پتہ کبھی ضرورت پڑ جائے یا مجھے کچھ ہو جائے تو اس نمبر پر کال کر دینا۔" دوسرا کاغذ زید کو تھماتے اس کی آواز میں باقاعدہ نمی تھی۔

"آپ فکر نا کریں باجی اللہ بہتر کریگا اور میں یہ آج ہی کوچنگ سے واپسی پر پوسٹ کروا دونگا۔" زید نے ترس کھاتی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"شکریہ بیٹا پر تم کسی کو اس بارے میں نہ بتانا اور جیسے ہی خط میرے گھر پہنچ جائے کوشش کرنا مجھے اطلاع دے دو۔" دھیمے سے کہتے وہ اس کے آگے سے ہو کر گزر گئی تھی۔

زید کو واقع پلوشے پر ترس آیا تھا۔ ناجانے اُن کے ماں باپ نے اس کی شادی عادل بھائی سے کیوں کر دی تھی۔ یہ بات وہ اکثر سوچتا تھا۔

****

آنگن میں لگی کرسیوں میں سے ایک پر اُسے خدیجہ بیگم بیٹھی نظر آئیں۔ دھیمی چال چلتی وہ اُن کی طرف بڑھی، جانتی تھی کہ کیا بات کرنے انھوں نے اُسے اتنی دھوپ باہر بلایا ہے۔ کیونکہ اندر نہ تو انھیں موقع ملنا تھا اور نہ کوئی خالی جگہ ہر کوئی کہیں نا کہیں ٹولیوں کی صورت میں بیٹھا ہوا تھا۔

"اوھو آنی آپ کو کوئی اور جگہ نہیں ملی تھی بات کرنے کو؟" ڈوپٹے سے سر پر سایہ کئے اُس کا چہرہ کافی حد تک سُرخ ہو رہا تھا۔

انھوں نے ایک نظر اپنی سب سے لاڈلی بھانجی کو دیکھا تھا۔ تیکھے نین نقش اور دراز قد کی حامل وہ بلاشبہ حسین تھی۔ سارے بچوں کی ایک اپنی جگہ تھی، پر صباح سے انھیں ایک الگ ہی قسم کی اُنسیت تھی۔

"میں نے سوچا خالہ، بھانجی باتیں کرتے ساتھ وٹامن ڈی بھی لے لیں۔ یہ بھی ایک نعمت ہے بیٹا بہت سے ممالک ہیں ایسے جہاں لوگ ترستے ہیں دھوپ کو۔ خوش قسمت ہیں ہم جو ہمارے گھروں میں ہوا، روشنی، دھوپ آتی ہے۔" پہلے مزاحیاں اور بعد میں سمجھانے کے سے انداز میں کہا تھا۔

"آپ تو ہر چیز میں ہی نعمت ڈھونڈ لیتی ہیں۔" منہ بناتے کہا گیا تھا۔

"یہ جو ہم سانس لیتے ہیں، یہ بھی نعمت ہے میری بچی۔بس انسان بڑا ناشکرا ہے۔" سرد آہ بھرتے انہوں نے کہا تھا۔

ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ، ویسے یہ بتانے تو آپ نے یقیننً مجھے نہیں بلایا۔۔؟"

اُس نے ہمیشہ کی طرح بغیر لگی لپٹی صاف صاف پوچھا تھا۔وہ صباح تھی منہ پھٹ، جلدباز، اور ہر بات کو ہوا میں اُڑا دینے والی۔اپنی زندگی کو بھرپور طریقے سے انجوائے کرنے والی، اور لوگوں کی باتوں کی فکر تو اُس نے کبھی کی ہی نا تھی۔حالانکہ خاندان بھر میں لوگ اُسے منہ پھٹ اور زبان دارز کہتے نا تھکتے تھے۔

"صباح!تم سے ایک بات پوچھو؟" خدیجہ بیگم نے بڑے دھیمے سے انداز میں کہا تھا۔

" آپ ایک نہیں سو پوچھیں۔ آپ کو ان فارمیلیٹیز کی ضرورت نہیں، آپ صرف میری خالہ ہی نہیں دوست بھی ہیں۔"

"اچھا اگر اب بات دوستی تک جا پہنچی ہے تو یہ بتاؤ، تمہیں زارون کیسا لگتا ہے؟"

"مغرور اور انتہا کے جیلس۔"جواب بغیر سوچے سمجھے دیا گیا تھا جیسے رٹا ہوا ہو۔

وہ بے ساختہ ہنس دی تھی۔"اب تم میرے ہینڈسم اور سوفٹ دل کے بھتیجے کی انسلٹ کر رہی ہو۔وہ مغرور نہیں ہے، بس ذرا سا سریئس اور میچیور ہے۔اور رہی بات جیلیسی کی تو بھئی اب اُس کے حصے کی محبتیں بھی تم نے لے لی ہیں تو اتنا تو حق بنتا ہے اُس کا نئی۔۔؟"اپنی بات کہہ کر آخر میں سوالیا انداز میں اُس سے کہا تھا۔

"خیر وہ جو بھی ہو۔ آپ مجھے کیوں بتا رہی ہیں۔۔؟" اب کی بار وہ ذرا خفا ہوئی تھی۔

"ہم سب تمہارا رشتہ زارون سے کرنا چاہ رہے ہیں۔ ویسے بھی اب آپا تمہاری شادی کرنا چاہتی ہیں۔ اور زارون گھر کا لڑکا ہے۔ اس سے بہترین آپشن میری نظر میں تو اور کوئی نہیں ہے۔ تم بتاؤ تم کیا کہتی ہو۔" انہوں نے صاف لفظوں میں صباح کو پوری بات بتا دی تھی۔ اور صباح جو پہلے ہی اپنا جواب تیار کر کے لائی تھی فوراً بولی۔

"دیکھیں آنی آپ سب نے یقینن میرا اچھا سوچ کر یہ فیصلہ لیا ہو گا۔" اس کی بات نے انہیں فورا مطمئین کیا تھا۔ پر صباح کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ "لیکن۔۔ میری طرف سے معذرت۔ زارون بھائی اور میرا کوئی میل نہیں ہم دونوں میں نا ہی تو انڈراسٹینڈنگ ہے اور نا ہی کوئی کمپیٹیبلیٹی، آپ منع کر دیں بس۔" جان چھوڑانے کے انداز میں کہتی وہ پھر آنگن میں لگے پھولوں کو دیکھنے لگی تھی۔

"تم کسی میں انٹرسٹڈ ہو؟" سوال غیر متوقع تھا۔

صباح جو ادھر اُدھر دیکھنے میں مگن تھی۔ بلکل ساکت ہو گئی۔ اُسے اس قسم کی کسی سوال کی توقع نہیں تھی۔ اور اُس کے انکار کی یہ وجہ نکالی جائی گی، اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

"آپ میرے بارے میں ایسا سوچتی ہیں آنی۔۔؟ مجھے لگتا تھا آپ۔۔۔ کم سے کم آپ مجھے جانتی ہو نگی۔ مجھے کچھ وقت دیں میں ممّی کو اپنا جواب بتا دو نگی۔" آنکھوں میں آنسوؤں کا ایک سیلاب آیا تھا۔ جسے بہنے سے پہلے ہی وہ وہاں سے اُٹھ گئی تھی۔ نا جانے کیوں اُس کا دل بھر آیا تھا۔

****

"ممّی مسئلہ صباح میں نہیں اُس کی زبان درازی میں ہے۔ میں اُسے دو دن برداشت نہیں کر سکتا آپ پوری زندگی کی بات کر رہی ہیں۔"

"میرا بیٹا زبان تو تیری بھی سو گز کی ہے۔ وہ الگ بات ہے صباح ذرا نا سمجھ ہے تو غلط وقت پر غلط بات کہہ دیتی ہے۔ اور جیسا تو ہے نا میرا پتر۔ تجھے اُس جیسی ہی کوئی ملنی چاہیئے۔"

"آپ میری ماں ہے یا اُس کی؟ پہلے ہی کم حمایتی ہیں اُس کے اس گھر میں جو اب آپ بھی۔" منہ بناتا وہ بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ فیروزہ بیگم نے ترچھی نظروں سے بیٹے کو دیکھا تھا۔

"اچھا پھر میں منع کر دیتی ہوں امّی جی کو ویسے بھی حسن بھائی کے دوست نے اپنے بیٹے کے لیے صباح کا ہاتھ مانگا ہے۔ وہ تو ہم سب کے اصرار پر یہ بات کی تھی پر خیر کیا ہو گا زیادہ سے زیادہ سارے خاندان بھر کے سامنے تیری ماں کی بے عزتی ہی ہو گی نا سہہ لو نگی پتر۔ اولاد کی نافرمانی بھی دیکھانی تھی اللہ نے مجھے۔" انتہائی ایموشنل انداز میں کہتے انھوں نے اپنے کبھی نا نکلنے والے آنسوں صاف کیے تھے۔ وہ ماں تھی جانتی تھی بیٹے کو کیسے قابو کرنا ہے۔

"اب میں نے منع بھی نہیں کیا۔" منہ بناتے ہوئے ہی کہا گیا تھا۔ "میں تو بس یہ کہہ رہا ہوں بہت زبان دراز ہے وہ۔۔ اُسے ذرا سمجھا دیجیئے گا۔ مجھے چوں چراں کرتی ہوئی لڑکیاں نہیں پسند۔ باقی کوئی اعتراض نہیں مجھے۔"

"ہائے ماں صدقے ماں قربان۔" اُس کی ڈھیروں بلائیں لیتی اُس کا ماتھا چومتی وہ کمرے سے نکلی تھی۔

جب کے سینے پر تکیہ رکھے وہ صباح کے بارے میں سوچنے لگا۔"خیر اتنی بُری بھی نہیں ہے چُلبلی چڑیل۔" آہستہ اواز میں کہتے اُس کے چہرے پر مدھم سے مسکان تھی۔

****

"بابا!کیسے ہیں آپ ؟ کل خواب میں دیکھا آپ کو تو لگا جیسے آپ میرے سامنے بیٹھے ہوں۔ دو دن سے یہاں بارشیں ہو رہی ہیں اور میں گھر میں بیٹھی ہوں۔ آپ کو یاد ہے سنبل چاچی کتنا ڈانٹتی تھی بارش میں بھیگنے سے اب بھی ڈانٹتی ہیں کیا۔ بہت خاموشی ہے یہاں بابا ہمارے گھر جیسی رونق یہاں نہیں۔ میں تو آپ کی لاڈلی تھی نا پھر مجھے اتنا دور کیوں بھیج دیا۔ امّی کیسی ہیں۔ مجھے یاد کرتی ہیں۔ آنگن میں پرندوں کو دانا اب کون ڈالتا ہے۔ہادی اور عابص کو جوتوں کے تسمے کون باندھتا ہے۔ فلک کے ناولز کو اب امّی سے کون بچاتا ہے۔ نور کیا اب بھی مجھ جیسی دکھتی ہے شاید وہ دکھتی ہو پر اب میں ویسی نہیں دکھتی۔ اور زارا وہ تو بہت خوش ہو گی نا اللہ کرے یہ شادی اس کے لیے خوشیوں کا باعث بنے۔ وہ ہمیشہ خوش رہے۔ دادا، دادی، زارون، عائشہ، عبیر، صباح، ہادیہ سب کیسے ہیں۔ صباح یاد کرتی ہے مجھے۔ اب تو نئی دوست بنالی ہو گی نا اُس نے سال بھی تو اتنے گزر گئے۔ بہت کچھ لکھنا چاہتی ہوں پر لکھا نہیں جا رہا۔ آپ سب بہت یاد آتے ہیں۔ بابا ناراض ہے مجھ سے اگر نہیں تو ملنے کیوں نہیں آتے۔ بہت یاد آتی ہے آپ سب کی اور گھر کی۔ بہت باتیں بتانی ہیں آپ کو کیسے بتاؤ سمجھ نہیں پا رہی۔ اور کیا آپ سن سکیں گے جو میں کہنا چاہتی ہوں ۔ آپ کو پتا ہے دادا جی کی ٹوٹی ہوئی عینک اب بھی میرے پاس ہے روز اُسے نکالتی ہوں جوڑنے کی کوشش کرتی ہوں پر وہ جڑتی ہی نہیں۔ بابا میں نے کل رات ایک خواب دیکھا۔ آپ امّی زارون آنگن میں بیٹھے بہت خوش تھے۔ پر میں خوش نہیں ہوں۔ آپ سب نے مجھے خود سے دور کر دیا۔ آپ لوگوں نے ایسا کیوں کیا۔ ہو سکے تو مجھ سے ایک بار مل لیں آپ کی بیٹی کو آپ کی ضرورت ہے۔"

فقط

آپ کی وشہ

شہزاد صاحب کو خط پڑھتے ہی شدید پریشانی نے آگھیرا تھا۔اُن کی چھٹی حس انھیں کسی بُری خبر کی نوید سُنا رہی تھی۔پلوشہ نے انھیں کال کیوں نہیں کی۔ایسی کیا بات تھی جو اُس نے خط لکھا۔آخر کال پر سلام دعا کے علاوہ وہ کوئی اور بات کیوں نہیں کرتی۔اور اس جدید دور میں اُس کا یہ خط ملنا وہ بھی اُن کے آفس کے ایڈریس پر انھیں پریشان کر رہا تھا۔وہ جلد از جلد پنڈی جانا چاہتے تھے۔آفس سے ہی انھوں نے فیروزہ بیگم کو فون کیا تھا کہ وہ لوگ کل صبح پنڈی جا رہے ہیں وہ تیاری کر لیں۔

****

الماری میں لگی اُس کی تصویر کو دیکھتے اُس نے ایک گہری سانس لی تھی۔اُس تصویر میں وہ دونوں ایک جیسے لائٹ گرین کلر کا گھیر دار فراک پہنے ہوئے تھی۔جس میں صباح ایک چیئر پر بیٹھی ہوئی تھی جبکہ پلوشے اُس کے گلے میں باہنے ڈالے کھڑی تھی۔دونوں ہی کھلکھلاتے چہروں کے ساتھ حسین لگ رہی تھی۔پر پلوشے بلا کی خوبصورت تھی۔اور صرف خوبصورتی ہی نہیں تھی جو اُسے منفرد بنا رہی تھی۔یہ اُس کے چہرے کی حد درجہ معصومیت تھی جو اُسے الگ بناتی تھی۔وہ معصومیت جو زیتون محل کی تمام لڑکیوں میں سب سے زیادہ اُسے ملی تھی۔وہ تصویر صباح کے چاچو کی شادی کی تھی۔جو اب اُس نے اپنی الماری کے دروازے پر بہت سارے کارڈز اور تصویروں کے بیچ چپکائی ہوئی تھی۔صباح کو اس وقت وہ بہت یاد آئی تھی۔اُس کی واحد دوست اُس کی ہم راز جس کے سامنے وہ اپنا دل کھول کر رکھ دیتی تھی۔پر اب عرصہ گزر گیا تھا چند گھنٹوں کے علاوہ اُسے دیکھا بھی نہیں تھا۔

"کاش تم یہاں ہوتی پلوشے۔ تم مجھے سمجھتی۔ مجھے مشورہ دیتی۔ میری عقل ہمیشہ کی طرح ایسے موقعے پر گھاس چرنے چلی گئی ہے۔ میں تو تمہارے بعد یہ ناطے کرپائی کے آگے کیا پڑھوں۔ تمہارے بغیر اتنا بڑا فیصلہ کیسے لے لوں یار۔ پلیز آجاؤں۔ آئی رئیلی نیڈیو۔" تصویر کو دیکھتے چند آنسوؤں پلکوں کی باڑ توڑ کر گرے تھے۔ اور ساتھ ہی دروازے پر دستک دی گئی تھی۔ الماری پٹ سے بند کرتے وہ مڑی تھی سامنے حمیرا بیگم کھڑی تھی۔

"صباح تم نے خدیجہ کو زارون کے لیے جواب نہیں دیا وقت مانگا اچھا کیا۔ میں چاہتی ہوں میری بیٹی یہ فیصلہ خود کرے۔ تمہاری زندگی کا یہ سب سے اہم فیصلہ ہے صباح اور میں چاہتی ہوں یہ فیصلہ تم خود لو اپنے ذہن اور دل کی آمادگی پر لو۔ کسی دوسرے کی بتائی گئی خوبیوں کو دیکھ کر نہ لو بلکہ خود اپنی مرضی سے اس رشتے کے advantage اور disadvantage دیکھ کر لو۔"

"مجھے یہ رشتہ منظور ہے امّی۔" اُن کی بات کے اختتام پر اس نے وہ کہا جو وہ خود نہیں کہنا چاہتی تھی۔

وہ صباح تھی اگر اُس سے زور زبردستی کی جاتی یا زارون کو اُس پر مسلط کیا جاتا تو وہ انکار کر دیتی۔ وہ کسی کی پروا نا کرتی حمیرا بیگم جانتی تھی اپنی بیٹی کو کیسے راضی کرنا ہے۔ خدیجہ لاکھ اُس کی دوستوں جیسی ہو۔ پر وہ ماں تھی اُس کی رگ رگ سے واقف اُس کی سوچ سے واقف۔

"تم پہلے سوچ لو صباح۔ اچھی طرح سوچ لو ہر پہلو سے سوچ لو۔" انھوں نے اُس کا ہاتھ پکڑے اُسے مشورہ دیا تھا۔

"آپ جانتی ہیں میں فیصلے نہیں لے سکتی امّی۔ اور آپ یہ بھی جانتی ہے جس طرح آنی نے مجھ سے پوچھا تھا، میں کبھی ہاں نہ کرتی۔ آپ یہاں مجھ سے میری مرضی کا فیصلہ پوچھنے نہیں آئی ہیں۔ آپ یہاں مجھے

قائل کرنے آئی ہیں۔ اور میں قائل ہوگئی ہوں امّی۔ پر اس رشتہ کے ہر نفع اور نقصان کی ذمہ داری میری نہیں آپ ہی کی ہوگی۔ کیوں کہ میں اور آپ یہ جانتے ہیں یہ رشتہ آپ کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ اور مجھے اپنی امّی بلکہ اپنے سارے بڑوں پر پورا بھروسہ ہے۔"

اپنے مزاج سے برعکس دھیمے لہجے میں اپنی بات مکمل کرتے اُس نے انھیں دیکھا تھا۔ جو اُسے بڑی غور سے دیکھ رہی تھی۔

"تم مجھ پر بھروسہ رکھنا صباح۔ میں نے یہ فیصلہ تمہارے لیے لیا ہے۔ میں جانتی ہوں اُس گھر کے علاوہ کہیں کوئی تمھیں ہماری طرح محبت نہیں دے سکتا۔ ہمیشہ خوش رہو۔" اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے وہ چلی گئی تھی۔ ظاہر ہے زیتون محل کے مکینوں کو خوشخبری بھی تو سُنانی تھی۔ پر صباح وہ خاموش تھی۔

****

حمیرا بیگم کے فون کے بعد سے تو ایک الگ ہی سماں تھا۔ زیتون محل میں تو مانوں کو کوئی طوفان آ گیا ہو۔ فیروزہ بیگم الگ بولائی بولائی پھر رہی تھیں۔ کل صبح انھیں پلوشے کی طرف جانے کے لیے نکلنا تھا۔ کل شام میں زارا کی ساس نے بھی شادی کی تاریخ فون پر ہی ڈسکس کر لی تھی۔ اپنی کچھ نجی مصروفیات کی وجہ سے وہ لوگ نہیں آپائے تھے۔ عید کے فوراً بعد زارا کی شادی تھی۔ اور آج ہی حمیرا بیگم کی طرف سے ہاں میں جواب آیا تھا۔ اب وہ زارا کی خوشی کے ساتھ ساتھ صباح اور زارون کی بات پکّی ہونے پر بھیجنے کے لیے میٹھائی وغیرہ کا انتظام کر رہی تھی۔

شام کی چائے کے وقت پورا گھر لان میں بیٹھا تھا۔ دادا جان اور دادی جان تخت پر بیٹھے چائے پینے اور پُرانے قصوں کو چھیڑنے میں مصروف تھے۔ خدیجہ بیگم زارا اور نور کو زبرستی لیے کچن میں مصروف تھی۔ جبکہ

عائشہ عبیر اور فلک زارون کی بات پکی ہونے پر آنے والی مٹھائی سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ عدیم موبائل میں مصروف تھا۔ جبکہ ہادی ایک طرف کشن منہ پر ڈالے خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔ جبکہ دوسری طرف چیئر پر روبی چاچی میگزین پڑھ رہی تھیں۔ سنبل چاچی کوئی سبزی کاٹ رہی تھیں۔ شہزاد تایا حسبِ توقع گھر کے خرچوں کا حساب کر رہے تھے اور نعمان چاچو اخبار پڑھنے میں مصروف دکھائی دے رہے تھے۔ البتہ زبیر چاچو اس وقت گھر میں موجود نہیں تھے۔

"ویسے امّی اب زارون بھائی کے بعد عابص بھائی کا نمبر آتا ہے۔ کب دیکھنے جا رہی لڑکیاں۔ ویسے عابص بھائی یونیورسٹی میں کہیں کوئی پسند ہے تو بھی آپ بتا سکتے ہیں۔" گلاب جامن منہ میں ڈالے عائشہ سنبل بیگم اور پھر عابص سے مخاطب ہوئی تھی۔

"فضول گوئی مت کیا کرو عائش، یہ کیسا گھٹیا سوال ہے۔" سخت لہجے میں کہتے عابص نے ایک گھوری سے اُسے نوازا تھا۔

"میں مزاق کر رہی تھی بھائی آپ بھی پتہ نہیں کس پر چلے گئے ہیں۔" عائشہ نے فوراً بات گھمائی تھی۔ اپنے بھائی کے غصے سے اچھی طرح واقف جو تھی۔

"شوکت چچا پر چلا گیا ہے۔ آخر شہد جو انھوں نے چٹایا ہے۔" سنبل چاچی کو تو نئے سرے سے اپنا غم یاد آ گیا تھا۔

شوکت مراد علی دراصل داداجان کے بڑے بھائی تھے۔ عابص کی پیدائش پر انھوں نے داداجان سے کہا۔ "بھئی قاسم میاں تمہارے اس پوتے کو تو ہم ہی شہد چٹائے گے۔" اور داداجان کی اپنے بڑے بھائی کے آگے ایک نا چلی یو عابص کو انھوں نے زور زبردستی شہد چٹا ہی ڈالا۔ اور سنبل چاچی کی ایک نا چلی جس کا

دکھ آج تک انھیں ہے۔ اور بقول اُن کے عابص کی اس سخت مزاجی کے پیچھے بھی شوکت مراد علی ہی ہیں ۔عابص کو انھی کے شہد کا اثر آیا ہے۔ کیونکہ وہ بھی انتہا کے سخت مزاج تھے کے بچے تو انھیں سلام کرنے میں بھی گھبراتے تھے۔

"کیوں میرے مرے ہوئے چچا کے پیچھے پڑی رہتی ہو۔ اگر تم بھی شہد چٹاتی تو اس نے ایسا ہی ہونا تھا۔ تم خود بھی تو غصے کی اتنی تیز ہو۔" اخبار پلٹتے نعمان چاچو نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

جسے سُن کر سب منہ پر ہاتھ رکھے ہنسنے لگ گئے۔ سنبل بیگم کے تو گویا زخموں پر کسی نے نمک چھڑک دیا تھا ۔شوہر کی اس قدر دیدہ دلیری پر ان کا غصہ ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا۔ اوپر سے سب تو سب اُن کے اپنے بچے بھی خوب دل لگا کر ہنس رہے تھے۔

"ہاں ہاں میں تو ہو ہی بُری۔ مجھ میں کہا کچھ اچھا ہے۔ آپ کے اور آپ کے بچوں کے پیچھے ایڑیاں بھی رگڑ لو تو آپ نے کبھی تعریف کے دو بول نہیں بولنے۔ اور مجال ہے جو کبھی میری اولاد میری طرف سے کچھ بولی ہو۔ یہ تو سب کے ساتھ مل کر مزاق اُڑوانا جانتے ہیں ماں کا۔" سنبل چاچی تو ابھی اور بھی کہتی کہ روبی چاچی بیچ میں بول پڑی جو انہیں ہی مہنگا پڑ گیا۔

"سنبل بھابھی میرے خیال میں نعمان بھائی نے مزاق کیا ہے۔ آپ بھی چل کریں اتنا ہائیپر ہو کر ماحول کو ٹینس نہ کریں۔" مسکراتے ہوئے روبی بیگم نے کہا تھا۔ اور اس وقت میگزین پڑھتی روبی چاچی کی یہ مسکراہٹ سنبل بیگم کو زہر لگی تھی۔ اور ساتھ ہی میں اُن کی قسمت پر رشک بھی آیا تھا۔

"ہاں بھئی تم تو کہو گی چِل رہنے کا۔ آخر کو تمہارا شوہر تو دیوانہ ہے نا تمہارے پیچھے۔ اور ہو گا بھی نہ آخر کو پسند سے جو شادی کی ہے۔ ہماری طرح ارینج میرج ہوئی ہوتی تو پوچھتی تم سے۔ ہم نہیں جانتے زبیر اس عمر

میں بھی کیسے آگے پیچھے پھرتا ہے تمہارے۔ جو کہتی ہو منٹوں میں پورا کرتا ہے۔ پھر خیر سے اللہ نے رزق میں بھی کشادگی رکھی ہے۔ بچے اپنے باپ کی طرح تم پر جان چھڑکتے ہیں۔ ہادی کو ہی دیکھ لو ہر طرح سے تمہارا اور نور کا خیال رکھتا ہے۔ ایک میری اولاد ہے۔ ماں سے تو پیار ہی نہیں انہیں کوئی۔" ڈوپٹے سے آنسوں پوچھتی وہ اب کھڑی ہو گئی تھی۔

"میری پیاری امّی جان آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے میں آپ سے پیار نہیں کرتا۔" عابص نے ماں کے گلے میں ہاتھ ڈال کر پیار سے ان سے پوچھا تھا۔ وہ غصہ کا جتنا بھی تیز سہی۔ پر تھا وہ اپنی ماں کا چمچہ۔ پورے خاندان میں ایک ہی لڑکا تھا جو ماں کے بغیر کوئی کام نا کرتا اور اُسی کی ماں کو شکایت تھی کہ وہ اُن سے پیار نہیں کرتا
۔

"چل ہٹ دور تیرا نہیں کہہ رہی، باقی تینوں کا کہہ رہی ہوں۔" سنبل چاچی کے آنسوں فوراً خشک ہوئے تھے۔ اور اب اپنی مسکان چھپا رہی تھی۔

"ہاں بھئی باقی تینوں کو تو کچرے کے ڈبے سے اُٹھا کر لائی ہیں نا۔ ہائے کیا اس گھر میں کوئی نہیں جو مجھے بھی پیار دے۔ روبی چاچی اگر کچرے سے ہی اُٹھانا تھا تو آپ ہی اُٹھا لیتی کم سے کم ہادی کی طرح میری تعریف میں بھی کوئی کچھ کہہ دیتا۔" عدیم کے تو اپنے ہی ڈرامے شروع ہو چکے تھے۔

"غم مت کریں عدیم بھائی ہم آپ کے ساتھ ہیں۔" اُس کے ایک طرف عائشہ اور دوسی طرف عبیر آکر بیٹھ گئی تھی۔ اور اُن کا مصنوعی ماتم شروع ہو چکا تھا۔ جسے دادا جان اور دادی جان کے علاوہ پورے گھر نے اگنور کیا تھا۔

"آجاؤ میرے بچوں ابھی دادادادی سلامت ہیں تمہارے۔ لو جی یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ ایسی مائیں ہیں آج کی بس جو بچہ محبت دے اُسی کو گلے لگائی پھرتی ہیں۔" دادی جان کو تو گویا کلیجہ حلق کو آگیا تھا اپنے پوتا پوتی کی اس قدر ناقدری پر۔ آخر کو سب ٹھیک ہی کہتے ہیں محبت اندھی ہوتی ہے۔ انھیں بھی اپنے پوتے کے یہ ڈرامے سمجھ نہیں آتے تھے۔ جبکہ باقی سب عدیم کے ان ڈراموں سے واقف تھے۔

اور روبی چاچی تو ہونق بنے اُنھیں دیکھ رہ تھی۔ آخر کو پسند کی شادی اور زبیر صاحب کی اُن سے محبت کے تانے ملنا نا جانے کب بند ہونے تھے۔

****

آج تین دن بعد اُسے زید کی آواز آئی تھی۔ وہ نیچے احمد کے ساتھ شاید باتیں کر رہا تھا۔ یا جان بوجھ کر زور سے کہہ رہا تھا کہ پلوشے اُس کی آواز سُن لے۔ مسئلہ یہ تھا کہ کسی بھی وقت عادل گھر آسکتا تھا۔ اور اگر وہ پلوشے کو زید سے بات کرتے ہوئے دیکھ لیتا تو نا جانے کیا کر گزرتا۔ پر پلوشے کے پاس یہ آخری موقع تھا نا جانے خط اُس کے گھر پہنچا تھا یا نہیں۔ لاؤنج میں آتے ہی وہ کچھ پُر سکون ہوئی وہاں سوائے احمد اور زید کے اور کوئی نہیں تھا۔ اُسے دیکھتے ہی زید کھڑا ہوا تھا۔

"پلوشے باجی آپ کا کام ہو گیا ہے۔ اکچوئیلی مجھے موقع ہی نہیں ملا یہاں آنے کا۔ آج آنٹی کو کچھ کام تھا تو بلوایا انھوں نے۔ آپ کا خط تو تین دن پہلے ہی پہنچ گیا تھا۔"

"شکریہ احمد۔ میں تمہارے لیے دعا کرونگی کے اللہ تمہیں ایک اچھا انسان بنائے۔ پلوشے کے چہرے پر ایک انجانی خوشی تھی۔ یعنی اُس کے ماں باپ یہاں جلد آجائیں گے۔ پر وہ نہیں جانتی تھی۔ اُسکی اس مسکراہٹ کو دروازے کے پار کھڑا اُس کا شوہر کیا رنگ دے رہا تھا۔

"کیا کرنے آئے ہو تم یہاں؟" عادل کی گرج دار آواز پورے گھر میں گونجی تھی۔ اس کی بھاری آواز پر زید سمیت پلوشے نے دروازے کی سمت دیکھا تھا۔ وہاں عادل کو دیکھ پلوشے کی سانس اٹکی تھی۔ جبکہ زید نے گھبرائی ہوئی پلوشہ کو دیکھتے جواب دیا تھا۔

"آنٹی نے بلوایا تھا۔ کچھ سامان دینا تھا انھیں۔" عادل کو کہتے اس نے پلوشے کو ایک نظر دیکھا۔ ناجانے اب عادل بھائی پلوشے باجی کے ساتھ کیا کرینگے۔ دل ہی دل میں سوچتا وہ جانے کے لیے مُڑا تھا کہ عادل نے ایک زوردار تھپڑ پلوشے کے چہرے پر مارا تھا۔

ابھی عادل واس اٹھا کر پلوشے پر پھینکنے ہی والا تھا کہ زید نے اُسے روک دیا۔

"عادل۔۔ بھائی۔۔ کیا کر رہے۔۔ آپ؟ انھیں لگ جائے گا۔" عادل کے تاثرات دیکھ کر زید حد درجہ گھبرا گیا تھا۔ اس پہلے وہ اور کچھ کرتا عادل نے اسے شرٹ سے پکڑ کر دھکے دے کر گھر سے نکالا تھا۔ اور گہری سرد نظروں سے دیکھتے پلوشے کی طرف مُڑا تھا۔

اُس نے ڈرتے ہوئے ایک قدم پیچھے کی طرف اُٹھایا تھا۔ دھیرے دھیرے پیچھے کی طرف قدم اُٹھاتے اس کا دل سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

****

"تائی امّی تایا جان کہہ رہے ہیں جلدی آئیں، آپ لوگوں نے پہلے صباح باجی کو بھی پک کرنا ہے لیٹ ہو جائینگے۔" عائشہ نے انھیں اوپر بلانے آئی تھی جو پلوشہ کے گھر جانے کی تیاریوں میں تھے۔ اور یہ طے پایا تھا کہ صباح اور زارون بھی اُن کے ساتھ جائینگے۔

"صباح باجی جلدی کریں۔ مامو ممانی اور زارون بھائی لینے آئے ہیں آپ کو۔" ملّی نے اُسے چھیڑتے کہا تھا۔ شیشے کے سامنے کھڑے ایک آخری نظر اپنی تیاری پر ڈالی تھی۔ گرین کلر کی شارٹ فراک اور کیپری میں گرین ہی ڈوپٹا گلے میں ڈالے، بالوں کی فرنچ چوٹی بنائی وہ بڑی پیاری لگ رہی تھی۔

"ملّی میرا بیگ لے کر نیچے آجاؤ میں جب تک جوتی پہن لو۔" ہمیشہ کی طرح ملّی کو آرڈر دیتی وہ نیچے بھاگی تھی۔

"یار صباح باجی لیتی جائے نا۔۔۔" پر صباح میڈم تو جب تک نیچے بھاگ چکی تھی۔ ملّی صحیح معنوں میں چڑ گئی تھی۔

گاڑی کے میں بیٹھے اُن تینوں کو تقریباً پندرہ منٹ ہونے والے تھے۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ زارون کا غصہ بڑھتا جارہا تھا۔

"آپ کو کہا تھا میں نے پورے محلّے کو نہیں لے کر جائیں۔ اب دیکھ لیں کتنی دیر ہوگئی ان محترمہ کی وجہ سے۔ فلائیٹ کا ٹائم ہونے والا ہے۔" انتہائی غصہ میں وہ اور کچھ کہتا زور سے دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تھی۔ اور وہ سلام کرتے خفا چہرہ لیے فیروزہ بیگم کے پہلو میں بیٹھی تھی۔

"لگتا ہے سُن لیا، جبھی منہ بنا کر بیٹھی ہے۔ ویسے لگ پیاری رہی ہے کیا ہی بات ہوتی اگر کچھ ڈھنگ بھی ہوتے اس چُلبلی چڑیل کو۔" آہستہ آواز میں بڑبڑاتا اب وہ ڈرائیور سے مخاطب ہوا تھا۔ "گاڑی چلاؤ شکور اور کسی نے نہیں آنا اب۔" زارون کے کہتے ہی وہ چونکا تھا۔

"کیوں صاحب آپ کا محلّہ بس اتنا ہی ہے؟" بھولی بھالی شکل والا شکور اس وقت زارون کو زہر لگا تھا۔ اوپر سے شہزاد تایا کی تنبیہہ کرتی آنکھیں۔

"گاڑی چلاؤ شکور ان موصوف کا دماغ کبھی کبھی ٹھیک سے کام نہیں کرتا۔" شہزاد تایا کی طنز میں ڈوبی آواز آئی تھی۔ جسے سُن کر صباح کا غصہ فوراً غائب ہوا تھا۔ اور اب وہ سر جھکائے ہنسنے میں مصروف تھی۔ جبکہ زارون کو نئے سرے سے تپ چڑھی تھی۔

****

عادل میں احمد کو لینے یہاں پر... اس سے پہلے وہ کچھ اور کہتی عادل نے وہی واس اٹھا کر اُس کے سر پر دے مارا۔ اس کی چیخ پورے گھر میں گونجی تھی۔ دل چیر دینے والی کراہ۔۔۔ درد۔۔۔ تکلیف۔۔۔ اس کا سر سے خون کا فوارہ نکلا تھا۔ چکراتے سر سے اس نے کچھ تھامنے کی کوشش کی پر کچھ نا ملنے پر زمین پر ڈھے گئی۔

"مجھ سے جھوٹ بولو گی بدکردار عورت۔۔۔ آج تمہیں جان سے مار دونگا میں۔۔۔" اُسے بالوں سے پکڑ کر بے رحمی سے زمین سے اُٹھایا تھا۔ پلوشے کی آنکھوں میں دھندسی چھائی تھی۔ وہ پھر اس کا سر دیوار پر مارنے ہی لگا تھا کہ کسی نے زور سے اُس کا ہاتھ پکڑ کے جھڑکا تھا۔

"تیری ہمت کیسے ہوئی میری بہن کو ہاتھ لگانے کی بے غیرت۔" وہ چنگھاڑتی ہوئی آواز زارون کی تھی۔

وہ لوگ جب پلوشے کے گھر پہنچے تو گھر کے اندر سے شور شرابے کی آواز آرہی تھی"۔ ناجانے اس معصوم کے ماں باپ کو کیا دکھا اس شخص میں جو اپنی بیٹی اس جہنم میں جھونک دی۔" ایک پڑوسن نے سرگوشی کی تھی۔ "کونسا پہلی بار مار رہا ہے بہن روز کا ہی معمول ہے اس کا تو پورے محلّے کا ماحول خراب کر دیا ہے۔" کہنے

والی اب دوسری عورت تھی۔ "بیچاری معصوم سی بچی ہے، ناجانے کیسے لوگ ہیں ان کا دل ہی نہیں کانپتا ،میں نے توزید سے بھی کہہ دیا ہے کوئی ضرورت نہیں اس شخص کے گھر والوں کے کام کرنے کی۔ "ایک اور عورت کی آواز آئی تھی۔ "ماں باپ بھی گھر بار دیکھتے نہیں ہیں اور چھوٹی چھوٹی بیٹیاں بیاہ دیتے ہیں۔۔ پھر ایسے ہی اپنے سُسرالوں میں پٹ پٹ کر یا تو قبر میں پہنچ جاتی ہیں یا زندہ درگور ہو جاتی ہیں۔۔" اس سے زیادہ سننے کی ان لوگوں میں سکت نہیں تھی۔

پلوشے کا سسرال اس کے لیے برا ثابت ہوا تھا یہ بات گھر کی خواتین جانتی تھیں۔۔ پر اس کا سُسرال اس کی موت کا سامان کر رہا ہے یہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ سب تو محض اس لیے چپ ہو جاتے تھے کہ بیٹی کا گھر بسا رہے۔

اُن سب نے اندر پہنچ کر جو منظر دیکھا وہ ناقابلِ یقین تھا۔ زارون فوراً آگے بڑھا تھا اور ایک زوردار تھپڑ عادل کے منہ پر مارا تھا۔ عادل نے بھی جوابی کاروائی کی تھی۔ اُس کی ساس اور نند بھی آواز سُن کر باہر آ گئے تھے۔ جو عادل اور زارون سے چھڑوانے میں لگ گئے تھے۔

فیروزہ تائی زاروقطار رو رہی تھی۔ یہ یہاں کیا ہو رہا تھا اُن کی بیٹی کے ساتھ۔ اور کب سے ہو رہا تھا۔ صباح نے ڈرے ہوئے احمد کو گود میں اٹھایا تھا۔۔ زارون پر ایک الگ جنونی کیفیت تھی۔ شہزاد صاحب کے تو پیروں سے زمین نکل گئی تھی۔ خون سے بھری وہ لڑکی اُن کی پلوشہ تو نہیں تھی۔

بند ہوتی آنکھوں سے اُس نے اپنے ماں باپ کو دیکھا تھا۔ اپنے بھائی کو دیکھا تھا۔ جو اُس کے لیے لڑ رہا تھا۔ نظر دوسری طرف گئی تو فیروزہ بیگم کے ساتھ صباح اُسے آنکھیں کھولے رکھنے کا کہہ رہی تھی۔ وہ دونوں

شاید رو بھی رہی تھی۔ صباح نے اپنے ساتھ احمد کو بھی لگایا ہوا تھا۔ ایک آخری نظر اُس نے اپنے بچے کو دیکھا تھا۔ سر سے خون بہتا ہی جا رہا تھا۔ جسے روکنے کی ناکام کوشش فیروزہ بیگم کر رہی تھی۔

"خدا کی قسم میری بیٹی کو کچھ ہوا تو میں کسی ایک کو بھی نہیں بخشونگا۔" شہزاد صاحب نے زارون اور عادل کو الگ کرتے ہی کہا تھا۔ "زارون تم پلوشے کو اُٹھاؤ۔۔۔ ہم ہسپتال جا رہے ہیں۔۔ اس زلیل شخص سے تو آ کر نپٹتے ہیں۔"

"میں زلیل ہوں تو آپ کی بیٹی کیا ہے۔ آپ کو تو شکر کرنا چاہیئے آپ کی بد کردار بیٹی کا گھر اب تک بسا ہوا ہے۔" عادل نے خود کو چھوٹتے دیکھ غصے میں کہا تھا۔

زارون ایک بار پھر اس کی طرف بڑھا تھا کہ صباح نے اُسے روک لیا۔

"پہلے پلوشے۔" ڈرتے ڈرتے اُس نے کہا تھا۔ کہ سارا غصہ اُسی پر نہ نکال دے۔

"امّی مم میں بد کردار نہہ نہیں ہوں۔۔" بند ہوتی آنکھوں سے وہ بامشکل اپنے جملے پورے کر رہی تھی۔ آنکھوں میں ایک انجانا خوف تھا۔ اگر اُس کے ماں باپ نے بھی اُسے غلط سمجھا تو۔ وہ اتنے سال بے اعتباری میں رہی تھی کہ اب کچھ بھی اچھا سوچنا اُس کے لیے مشکل تھا۔

"میں جانتی ہوں میری بیٹی کو کسی صفائی کی ضرورت نہیں۔ بس آنکھیں کھلی رکھوں پلوشے۔ ہم ابھی ہاسپٹل جا رہے ہیں۔" زارون اور شہزاد صاحب پلوشے کی طرف آئے تھے۔

بابا احمد کا خیال رکھیئے گا۔ انھ۔۔ اسے اپنے ساتھ لے جائیگا۔" بند ہوتی آنکھوں سے شہزاد صاحب کا ہاتھ تھامے وہ سرگوشی کر رہی تھی۔

"فضول گوئی مت کرو وشہ ورنہ میں بہت لڑونگا تم سے۔" اُسے گود میں اُٹھاتے ہوئے زارون نے روتے ہوئے کہا تھا۔

صباح نے ایک نظر روتے ہوئے زارون پر ڈالی تھی۔ اور زندگی میں پہلی بار اُسے لگا تھا۔ اُس شخص کے پاس بھی دل ہے۔ جو اپنوں کے لیے غمگین ہوتا ہے روتا ہے۔

"ہم سب تمہارے ساتھ گھر جائیں گے وشہ۔۔۔ گھر جا کر بہت لڑنا ہے مجھے تم سے"۔ زارون نے اُسے اُٹھاتے ہوئے کہا تھا۔ وہ لوگ اُسے لے کر فوری طور پر ہاسپٹل بھاگے تھے۔

"آپ کی وشہ تھ تھک گئی ہے۔۔۔۔" ایک آخری سرگوشی ہوئی تھی اور وہ زارون کی گود میں ہی آنکھیں موند گئی تھی۔

".A Divorce Daughter is Better Then A Dead Daughter"

فیروزہ بیگم کو کل ہی فیس بک والا ایک پوسٹ یاد آیا تھا۔ اور اُن کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔ اُن کی ذرا سی غفلت نے یہ کیا کر دیا تھا۔

حصہ دوئم

روایت

"میں پلوشے شہزاد۔ اپنے خاندان کی سب سے پہلی اولاد۔ محبتوں کے بیچ رہنے والی پھولوں سانازک دل رکھنے والی وشہ۔ میں اپنے گھر کی سب زیادہ چاہے جانے والی لڑکی۔ بچپن ہی سے بڑوں کے آگے سر خم کر دینے والی۔ میں شہزاد قاسم اور فیروزہ شہزاد کی آنکھوں کا نور۔ زیتون محل کی سب سے سمجھدار اور دھیمے مزاج والی بیٹی۔ میں تو ہمیشہ محبتوں میں رہنے والی تھی پھر نا جانے زندگی نے اتنا سخت امتحان کیوں لے لیا۔ میں جینا نہیں چاہتی پر میں مرنا بھی نہیں چاہتی۔ مجھے اپنے جسم پر خون بہتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ میں اپنی آنکھیں کھولنے سے قاصر ہوں۔ مجھے اپنے پیچھے سب چھوٹتا ہوا دکھ رہا ہے۔ ہمارے گھر کے آنگن میں بیتا میرا بچپن۔ اپنی بہنوں سے لڑائیاں۔ اپنے بھائیوں کو داداجان کے غیض و غضب سے بچانا۔ سب کچھ دھندلا گیا ہے۔ پر کچھ ہے جو مجھے واضح دکھ رہا ہے۔ میرا روتا ہوا بیٹا۔ وہ کیوں رو رہا ہے۔ کوئی اُسے چُپ کیوں نہیں کرواتا۔ مجھے اپنا آپ مشینوں میں جکڑا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ یہ سب اپنے غم میں میرا بچہ کیوں بھول رہے ہیں۔ میں تو نہیں بھولتی۔ مجھے نیند آرہی ہے۔ میرا ذہن اب سونا چاہتا ہے۔ پر میرا بیٹا رو رہا ہے ۔ میں اپنا فیصلہ تقدیر پر چھوڑنا چاہتی ہوں۔ ایسا نہیں ہے کہ کوئی مجھ سے محبت نہیں کرتا۔ میں نے کہا نا میں محبتوں میں رہنے والی لڑکی تھی۔ بس یہ تھی مجھ سے زندگی کی رمق چھین نہ لے۔ میرا ذہن اب سو رہا ہے ۔ منظر اندھیر ہو رہا ہے۔

****

"تمہارے چہرے پر کیوں صبح ہی صبح بارہ بج رہے ہیں؟"

اذبان جو ابھی جوگنگ کر کے آیا تھا۔ علیشبہ کا پھولا ہوا منہ دیکھ کر بولا۔ ٹریک سوٹ پہنے۔ پاؤں جوتوں سے آزاد کرتے وہ وہی اُس کے پاس ہی صوفے پر بیٹھا تھا۔

"دو دن سے میں برتن دھو رہی ہوں۔ اوپر سے آج بھی آنٹی نہیں آئی۔ اب آپ خود بتائیں بھلا یہ کوئی بات ہوئی۔ پیسے بھی ہم دیں اور کام بھی ہم ہی کریں۔ اوپر سے میں نے فون کر کے کہا کہ دو دن سے آپ چھٹی کر رہی ہیں، آج آجائے تو میری پوری بات سنے بغیر ہی فون کاٹ دیا۔ جانتی ہیں نا میں نے تو کچھ کہنا نہیں۔ اگر ابھی میری جگہ ہادیہ یا امّی ہوتی نا فون پر تو کبھی نا کاٹتی ایسے فون۔"

علیشبہ کو برتن سے زیادہ غم ان کے اس طرح فون کاٹنے پر ہوا تھا۔ وہ تو ہمیشہ سب ہی ملازموں سے اچھے سے بات کرتی تھی۔ یہاں تک اپنے کام بھی خود کرتی تھی۔ کبھی کسی ملازم کو نا کہتی۔ البتہ ہادیہ کے سب کام ملازموں کے سپرد ہی ہوتے۔ پھر بھی ان کی ملازمہ رُقیہ کو علیشبہ کچھ پسند نہیں تھی۔ اور علیشبہ کی نرم طبیعت کا وہ اکثر ہی فائدہ اُٹھاتی رہتی تھی۔

"کیونکہ وہ جانتی ہیں علیشبہ یک بہت ہی نرم دل، معصوم اور سب کا خیال رکھنے والی لڑکی ہے۔ وہ انہیں کچھ کہہ ہی نہیں سکتی۔" اذبان نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ وہ بہت کم مسکراتا تھا۔ پر جب بھی مسکراتا اُس کے ساتھ اُس کی کالی گہری آنکھیں بھی مسکراتی۔

"جی نہیں وہ یہ جانتی ہیں کے علیشبہ ایک بونگی لڑکی ہے۔ اُسی وقت کھڑی کھڑی سنائی ہوتی تو ان کی ہمت نا ہوتی ایسے فون کٹ کرنے کی۔ اوپر سے منہ تو ایسے بنا کر بیٹھی ہے، جیسے دیوداس لائٹ پر و میکس یہی ہو۔" ہادیہ سے آخر رہا نہ گیا اور وہ بھی اذبان کو ہمیشہ کی طرح اپنی بات سُنا گئی۔ ویسے بھی اُسے علیشبہ کا کبھی کسی کو کچھ نا کہنا ہمیشہ سے بُرا لگتا تھا۔ اس لیے اُس کے حصّے کی لڑائی بھی وہی کر کے آجاتی تھی۔

چلو ایک کام کرتے ہیں آج ہم دونوں مل کر برتن دھوتے ہیں۔ اذبان نے مسکراتے ہوئے اُس کے کندھے پر تھپکی دی تھی۔

"سچ بھائی آپ دھولینگے برتن؟"علیشبہ نے سادگی اور معصومیت سے کہا۔

"ہاں اگر تم اپنی سڑی ہوئی شکل پہلے جیسی کرلو تو برتن دھونا کوئی مشکل کام نہیں۔"اذبان نے آنکھیں چھوٹی کرتے کہا۔

"یو آر دا بیسٹ برادران داورلڈ اذبان بھائی۔ آپ بہت اچھے ہیں!"

اذبان کی بات سُن اس کا مرجھایا ہوا چہرہ ایک بار پھر کھل اُٹھا تھا۔

جب کے چپس کے پیکٹ سے انصاف کرتے ہادیہ نے ایک حیران نظر اپنے بھائی پر ڈالی تھی۔

"اذبان بھائی میں نے سُنا ہے یہ برتن ورتن دھونا لڑکوں کے کام نہیں ہیں۔" چپس منہ میں ڈالے ہادیہ نے اذبان کو جیسے اطلاع دی تھی۔

"اچھا کس سے سنا ہے یہ آپ نے؟ اور ذرا مجھے لوجک فراہم کریں کہ یہ لڑکوں کے کام کیوں نہیں ہیں؟" ہاتھ سے گھڑی اُتارتے اُس نے ہادیہ سے پوچھا۔

روایت ہے بھئی۔ اب آپ خود بتائیں آپ نے خاندان میں کبھی کسی لڑکے کو برتن دھوتے ہوئے دیکھا ہے؟ اور پھر سب آپ کا مزاق اُڑائینگے اور۔۔۔ اور ہاں پھر آپ کی اتنی اچھی پرسنیلیٹی ہے۔ اُس پر بھی تو اثر پڑے گا نا۔"

شروع کی بات روانی میں کہتے آخر میں سوچ سوچ کر کہتی اذبان کو وہ معصوم بچی لگی تھی۔ جسے در حقیقت اپنے بھائی کی پرسنیلیٹی خراب ہو جانے کا ڈر تھا۔

"کیا تمہیں پتہ ہے ہادیہ کے یہ روایت کس نے قائم کی ہے؟" اذبان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں تو مجھے کیسے پتہ ہو گا۔ میں تو شاید جب پیدا ابھی نا ہوئی ہو۔" ہادیہ جان چھڑانے کے انداز میں کہا ۔اپنی طرف سے اُس نے بڑی سمجھداری کا جواب دیا تھا۔ جبکہ علیشبہ اور اذبان بے اختیار ہنس دیے تھے۔

"میری جان جب تم یہ ہی نہیں جانتی کہ یہ روایت کس نے قائم کی ہے، تو اس کو برقرار رکھنا ہی کیوں ہے ۔یہ کوئی اچھی روایت تو نہیں۔ جس کو ہم برقرار رکھنے کے لیے ایک دوسرے کو ٹوکیں۔ اور دوسری بات سب کا مزاق اُڑانے اور پرسنیلیٹی کی تو، ہمارے پیارے نبی ﷺ تو اپنا ہر کام خود کرتے گھر کی صفائی ستھرائی سے لے کر سب کام وہ خود کرتے پر ان کی پرسنیلیٹی جیسا تو آج تک کوئی نہ آیا اور نہ ہی کبھی آ سکے گا۔ اور پوری دنیا آج تک ان کی مثالیں دیتی ہے۔ تو اگر میں بھی اپنے نبی ﷺ کی کسی سنت پر عمل کرونگا تو میری پرسنیلیٹی پر بھی کوئی حرف نہیں آئے گا۔ اس دس کلئیر؟"

"یس باس!" اُسے سلیوٹ مارتے دونوں بہنیں کُھل کر ہنسی تھی۔

دور بیٹھی خدیجہ بیگم نے فخریہ انداز میں اُسے دیکھا تھا۔ اُن کی پرورش جیت گئی تھی۔ وہ ان کا بیٹا تھا ۔ہاں بس وہ اُنہی کا بیٹا تھا۔

****

"یار ایک تو مجھے لگتا ہے ہماری آدھی زندگی یونی میں اور آدھی زیتون محل کے کچن میں گزر جائیگی۔"

نور نے پیاز کاٹتے ہوئے عائشہ سے کہا جو آلو چھیلنے کی کوشش میں لگی تھی۔

"دوسرا کٹر بھی نہیں مل رہا۔ اتنا موٹا چھلکا اتر رہا ہے چھری سے۔ اگر فیروزہ تائی نے دیکھ لیا تو انہیں آلو ضائع ہو جانے کا غم لاحق ہو جائے گا۔"

عائشہ نے اُس کی بات کو اگنور کرتے اپنا غم سُنایا تھا۔

"تیسرا آج ہی امّی نے میرے چوتھے ناول پر حملہ کر لیا۔ اتنی محنت سے پیسے اکھٹے کر کہ لیا تھا میں نے۔ اوپر سے اتنی زور سے ڈانٹ لگائی ہے۔"

چاول چُنتی فلک نے چشمہ اُتار کر اپنے آنسوں صاف کیے تھے۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی فیروزہ تائی کے ڈانٹنے پر روئی تھی۔ اب اُس کا غم پھر تازہ ہونے لگا تھا۔

"چوتھا ڈیر دو مہینے میں میری شادی ہے اور یہاں مجھے آرڈر ملتا ہے۔ زارا پتر کھانا بنانا سیکھ لے ورنہ سُسرال میں نام ڈبوئے گی۔ یہ بھی بھلا کوئی زندگی ہوئی۔ اصل زندگی تو بندہ شادی کے بعد انجوائے کرتا ہے۔ اور تم دونوں ذرا جلدی جلدی سبزی کاٹو۔"

غصے سے لال ہوتی زارا نے بھی اپنی کہانی سنانا فرض سمجھا تھا۔

یار زارا باجی اپنے جہیز میں ہمیں بھی ساتھ لے جائیں، میں نے نہیں رہنا اب اور اس چڑیا گھر میں۔ جب دیکھو کام ہی کھڑے پڑے ہوتے ہیں۔ آپ خود بتائیں ظلم نہیں ہے یہ ہم معصوموں پر۔"

عائشہ آلو کاٹتی کچھ زیادہ ہی رنجیدہ ہو گئی تھی۔

"میں تو کہتی ہوں۔ ہم سب بھی پلو شے بجو کے گھر چلے چلتے۔ اور پھر کچھ نا کچھ کر کے وہی ڈیرہ جما لیتے۔"

فلک نے اپنا چشمہ ناک پر ٹکاتے ایک نیا مشورہ دیا تھا۔

"ہاں ان کے ہٹلر میاں کی موجودگی میں دو سیکنڈ میں ہی سب نے واپسی کا ٹکٹ بُک کروالینا تھا۔" نور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اُف کمر ٹوٹ گئی میری۔ ایک تو مجھے سمجھ نہیں آتا ہماری مائیں اتنی ظالم کیوں ہیں۔" عبیر جو ابھی چھت کی صفائی کر کے آئی تھی۔ چیئر گھسیٹتے وہی بیٹھ گئی تھی۔

"ویسے سچ کہو تو مجھے بھی وشہ آپی بہت یاد آرہی ہیں۔ وہ ہمیں سب سے بچا لیتی تھیں۔" فلک نے رونی صورت بناتے کہا۔ اُس کی بات پر وہ سب ہی لمحے بھر کے لیے رنجیدہ ہوئی تھیں، پر سنبل چاچی کی آواز سُنتے ہی فوراالرٹ ہو کر بیٹھی۔

"وہی تو جو کام تم پانچ نکمیاں نہیں کر پارہی ہو۔ بیچاری وشہ اکیلے سنبھال لیتی تھی۔" سنبل چاچی نے ہمیشہ کی طرح چلتی ہوئی ٹرین میں اینٹری ماری تھی۔

"ایک تو مجھے سمجھ نہیں آتی آخر سنبل چاچی ایسے موقعوں پر آ کیسے جاتیں ہیں۔۔؟" نور نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"پتہ نہیں کونسے ظلم ڈھادیے گئے ہیں ان مہارانیوں پر جس کا رونا روتی رہتی ہیں۔" فریج سے سامان نکالتے وہ ان سب برس رہی تھی۔

"اچھاہاں ابھی زبیر آیا ہے۔بتارہا ہے پلوشے آرہی ہے بھائی جان اور بھابھی کے ساتھ۔اللہ خیر کرے مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا۔صباح کی آواز بھی بھیگی بھیگی لگی۔"خود سے بڑبڑاتے اب انھوں نے ایک نظر اپنی نکمیوں کو دیکھا تھا۔

"تم لوگ بھی ذرا کمرے دیکھ لو۔ خیر سے اب بچہ بھی ہے اس کے ساتھ،اُس کے سونے میں مسئلہ نہ ہو پھر لڑتی رہو گی رات بھر۔ میٹرس چاہیئے ہو تو عابص باہر بیٹھا ہے،اُس سے کہو اُتار دیگا۔ آخری موقع پر نا کہنا۔ پھر غصہ ہو گا وہ۔"

سنبل چاچی روانی میں اپنا کام کرتے کرتے کہہ رہی تھیں۔ جبکہ اُن سب کی مارے خوشی کے چیخ و پکار شروع ہو گئی تھی۔ انہیں دیکھتے سر پر ہاتھ رکھتے وہ سامان لیے باہر نکلی تھیں۔

"اللہ زیتون محل کی ان نمونیوں کو عقل دے۔"آخر میں طنز کرنا وہ قطعاً نہیں بھولی تھیں۔

"دادی جان۔۔۔۔"وہ سب چیختی شور مچاتی اپنے دادا دادی کے کمرے کی طرف بھاگی تھیں۔ آخر کو پلوشے شادی کے اتنے عرصے کے بعد رہنے کے لیے پہلی بار آرہی تھی۔ پر اندر کا منظر دیکھ وہی رُک گئی۔ دادی جان فون پر شاید خدیجہ پھپھو سے بات کر رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ بے تحاشا رو رہی تھیں۔

تم لوگ کچھ دیر خاموش نہیں رہ سکتی۔ داداجان کا بلڈ پریشر چیک کرتے عابص نے انہیں ڈانٹا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے بھائی۔ ہم تو بجو کا بتانے آئے تھے۔

عائشہ نے منمناتے ہوئے بتایا تھا۔ وہ سب ابھی تک ماحول کی سنجیدگی بھانپ چکی تھیں۔ اس لیے خاموش کا لبادہ اوڑھے چپ چاپ کھڑی رہیں۔

دادی جان ان سب کو دیکھ ایک بار پھر رونا شروع ہو گئی تھی۔

"اللہ! میری بچیوں کے نصیب اچھے لکھ دے۔ دادی جان نے روتے ہوئے دعا کی تھیں۔"

"حوصلہ رکھیں امّی جی۔ ابھی فیروزہ بھابھی کو بھی آپ نے ہی سنبھالنا ہے۔ وہاں اکیلے نا جانے کیا حالت ہو گی اُن کی۔" زبیر چاچو نے دادی جان کو گلے لگاتے کہا تھا۔

"باہر آؤ تم سب۔" روبی چاچی اُن سب کو لیے باہر آ گئی تھیں۔ اور پھر جو انھوں نے بتایا تھا۔ اُس نے اُن سب کے پیروں کے نیچے سے زمین نکال دی تھی۔ تمام لڑکیوں کے ساتھ سنبل بیگم کو بھی ساری بات ابھی ہی پتہ چلی تھی کیونکہ وہ پوری بات سُنے بغیر ہی کچھ کام ست کچن میں چلی گئی تھیں۔ بقول زبیر چاچو کے وہ لوگ فجر تک پہنچیں گے، پلوشہ جب تک غنودگی میں تھی وہ لوگ نہیں نکل سکتے تھے۔

"زارا باجی آئیں آپ کا کمرہ سیٹ کریں، بجو وہی رہیں گی ناں؟" بھیگی آواز میں کہتے نور فاطمہ اُٹھی تھی۔ اُس کے ساتھ ہی زارا بھی چل دی تھی جبکہ وہ سب ابھی تک اسی حالت میں سر جھکائے بیٹھی رہی تھیں۔

****

پلوشے کو ہوش تو آ گیا تھا۔ پر سر پر گہری چوٹ کی وجہ سے وہ پراپر ہوش میں نہیں تھی۔ صد شکر وہ لوگ بروقت پہنچ گئے تھے۔ سب کچھ کرتے کراتے انہیں کراچی پہنچتے فجر ہو گئی تھی۔ نیم اندھیرہ ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔

زارون نے ائیر پورٹ سے اترتے ہی نعمان چاچو کو کال کی تھی۔ زبیر صاحب گھر پر تھے جبکہ نعمان صاحب گاڑی لیے ائیر پورٹ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ اتنے میں حمیرا بیگم اور خدیجہ بیگم بھی آگئی تھی

۔

گھر آکر پلوشے کو داداجان کے کمرے میں لے جایا گیا تھا۔ اُس کے جسم پر جگہ جگہ نیل اور زخم کسی سوال جواب کی گنجائش نہیں چھوڑتے تھے۔

داداجان کے پلنگ پر سوئی لڑکی ان کی بیٹی تو نا تھی۔ اُنھیں لگا تھا وہ کوئی مردہ ہے۔ اُن کی بیٹی تو جیسے منو مٹی تلے جا سوئی ہے۔ انھیں اس کا وہ روپ آج بھی حفظ تھا۔ جب وہ دلہن بنی آنکھوں میں خواب اور دل میں ڈر لیے، اس آنگن سے وداع ہوئی تھی۔ پر اس گھر کی سب سے بڑی بیٹی کے نصیب میں خوشیاں نہیں تھی ۔اس کی چہرے پر پڑے نیل جسم پر موجود ہر زخم جیسے اُن سے شکایت کر رہا تھا۔ "میں تو آپ کی لاڈلی تھی نا پھر مجھ سے اتنے بے خبر کیوں رہے آپ۔"

پلوشے شہزاد کے خوابوں کی کرچیاں، اُس کے باپ کی آنکھوں میں کسی کیل کی طرح کھب گئی تھی۔ انھیں لگ رہا تھا اگر انھوں نے یہ منظر تھوڑی دیر اور دیکھا تو وہ حوش کھو دینگے۔ وہ بینائی سے محروم ہونا چاہتے تھے۔ تاکہ بیٹی کے زخم نا دیکھ سکیں۔ سننے کی سماعت سے محروم ہونا چاہتے تھے تاکہ اُس کے سسکیاں نا سُن سکیں۔ پر کیا وہ اُس احساس سے محروم ہو سکتے تھے؟ وہ احساس جو انھیں زندہ زمیں میں گاڑ رہا تھا۔ شاید نہیں احساس ندامت کا بوجھ بہت بھاری ہو تا ہے۔ اتنی آسانی سے کہاں پیچھا چھوڑ تا ہے۔

زندگی میں موت کی خواہش لوگ کیوں کرتے ہیں۔ فیروزہ بیگم کو اب سمجھ آیا تھا۔ پلوشہ کی ساس تو اُن کی دوست تھی۔ اُنھوں نے اس کی ساس کی ہر بات پر بغیر چھان بین کیے یقین کیوں کیا؟ انھوں نے خود سے ہی یہ کیوں سوچ لیا کہ، پلوشہ خوش ہے۔

دادی جان نے انھیں اتنا گم صم دیکھا تو قریب آکر انھیں خود سے لگا یا۔ "صبر کر فیروزہ صبر کرنے کا بڑا ثواب ہے پتر۔" دادی جان نے انھیں گلے لگاتے کہا تھا۔ جب کہ وہ خود بھی اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ پا رہی تھیں۔

"امّی جی میری بیٹی میرا مان رکھتے رکھتے مجھے بے مان کر گئی۔ کیسے نظریں ملاؤں گی اب میں اُس سے۔ امّی جی ایسا دکھ کیوں لکھ دیا اللہ نے میری بیٹی کے نصیب میں۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔

دادی جان انھیں سنبھالتے سنبھالتے اب خود نڈھال ہو رہی تھیں۔ سنبل چاچی نے قریب آکر انھیں سنبھالا تھا۔ نور جلدی سے پانی لائی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

پلوشہ کے پاس اس وقت روبی چاچی موجود تھیں۔ ان کی ڈاکٹر دوست پلوشے کا مکمل چیک اپ کر رہی تھی، صبح ہوتے ہی روبی بیگم نے بغیر کسی کے اجازت لیے اپنی دوست کو ڈیوٹی پر جانے سے پہلے بلوا لیا تھا تاکہ وہ اچھی طرح پلوشہ کا معائینہ کر سکے۔

دادا کے کمرے کے دروازے سے ٹیک لگائے زارا ساکت کھڑی تھی۔ بلکل ساکت۔ اُس کی آنکھوں میں ایک انجانا خوف تھا۔ جو لڑکی پچھلے ایک سال سے شادی کے خواب دیکھ رہی تھی۔ آج اپنی بہن کی حالت

دیکھ کر اُسے خوف آیا تھا۔ اُس نے تو شادی کو ہمیشہ فینٹیسی سمجھا تھا۔ اُس کے لیے شادی ایک خوابوں کی دنیا تھی۔ پر اب وہ خواب جو وہ دیکھتی تھی عجیب طریقے سے ٹوٹے تھے۔ اتنے عجیب طریقے سے کہ اس کا دل کیا تھا وہ کہی چھپ جائے سب کی نظروں سے دور چلی جائے اور پوچھے اللہ سے اُس کی بہن کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ اور وہ بھی اُس وقت جب وہ خود دلہن بننے والی تھی۔

"زارا پلیز! ایسے مت کرو۔ حوصلہ رکھو۔" صباح نے اُسے دیکھتے کہا تھا۔

جبکہ زارا بغیر کچھ کہے اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔

صباح باجی آپ بھی تھک گئی ہونگی میرے کمرے میں جا کر تھوڑی دیر سو جائیں۔ احمد بھی وہی ہے۔ عبیر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔ وہ سب ساری رات کی جاگی ہوئی تھی۔

"اوکے! پر جب پلوشے اُٹھے تو مجھے بلا لینا۔" صباح کی خود رو رو کر آنکھیں سوجھ گئی تھی۔ ایک نظر زارون پر ڈالتی وہ اُٹھ گئی تھی۔ زارون جب سے آیا تھا لاؤنج میں اُسی حالت میں بیٹھا تھا۔ یہاں تک اپنے خون آلود کپڑے بھی نہیں بدلے تھے۔ صباح کا دل کیا وہ اُسے کوئی دلاسہ دے کہے کہ وہ ایسے اچھا نہیں لگتا۔ پر ہمت ہی نا ہوئی۔ البتہ نعمان چاچو ضرور وہاں آ گئے تھے۔

اپنے کندھے پر دباؤ محسوس کیا تو اُس کی نظر برابر بیٹھے نعمان چاچو پر گئی۔

"ایسے بیٹھنے سے ہماری وشہ کے کسی غم کا ازالہ نہیں ہو گا برخودار۔ تمہیں کمزور نہیں پڑنا ہے بچے۔ اُٹھو اپنے ماں باپ کی حالت دیکھو۔ زارا کو گلے سے لگاؤ۔ اس وقت سب سے زیادہ بُرا اثر اُس کے ذہن پر پڑا ہو گا۔ فلک کو چُپ کراؤ اس وقت تمہارے ماں باپ اور بہنوں کو تمہاری ضرورت ہے۔ ان کا سہارا بن جاؤ

۔اور رہی بات اُس بے غیرت عادل کی تو خدا کی قسم اُس کا وہ حال کرونگا دنیا یاد رکھے گی۔اب چلو اُٹھو مرد ہو مرد بنو۔"

Behave like a gentelman zaroon shehzad!

نعمان چاچو نے جیسے اُسے ہوش دلایا تھا۔وہ اُٹھا تھا۔دادا دادی کے کمرے میں تمام بڑے موجود تھے پر گہری خاموشی تھی۔ہر آنکھ اشک بار تھی۔اندر جاتے ہی پلنگ پر بیٹھی فیروزہ تائی کو اُس نے گلے لگایا تھا۔ وہ ایک بار پھر رو پڑی تھیں، پھر شہزاد صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھے اُنہیں دلاسہ دیا تھا۔

"اب آپ کا بیٹا بڑا ہو گیا ہے بابا۔آپ پریشان نہ ہوں۔"

شہزاد صاحب کے جھکے ہوئے کندھے کچھ اُٹھے تھے۔آج پہلی بار انہیں محسوس ہوا تھا کہ وہ تین جوان بیٹیوں کے باپ ہیں۔

"زارون بیٹے زارا کے پاس جاؤ کب سے دروازہ بند کیے کمرے میں بیٹھی ہے۔"

خدیجہ بیگم نے اُسے زارا کے پاس جانے کا کہا تھا۔پر زارا کے کمرے کے باہر تو پوری فوج ہی کھڑی تھی۔

"تم سب یہاں کیوں کھڑے ہو؟"سیڑھیاں چڑتے ہی اُس نے زارا کے کمرے کے باہر عدیم،عابص،ہادی ،آزان،علی اور اذبان کو کھڑا پایا۔

"کیوں صرف تمہاری اکیلی کی بہن ہے کیا جسے چُپ کرانے کا حق بھی صرف تمہارے پاس ہے؟" عابص نے تنک کر کہا تھا۔

"اللہ اللہ زارون بھائی مطلب اب ہم آپ کے کچھ نہیں لگتے۔ دیکھ لیں زارا آپی اتنی بے عزتی کے بعد بھی ڈھیٹ بن کر کھڑا ہو یہاں۔ یہ میری محبت ہی ہے۔" عدیم نے اپنے ڈرامائی انداز میں کہا تھا۔

"بس کر جا اتنے ڈرامے تو سٹار پلس کی ہیروئنیں بھی نہیں کرتی۔" علی نے کہا تھا۔

"تجھے بڑا پتہ ہے۔ لگتا ہے وہی سے ہیئر سٹائل سیکھے ہیں تو نے۔" عدیم بھی کہا اُدھار رکھتا تھا۔

"بس کر جاؤ! ہر وقت بحث کروالو بس تم لوگوں سے۔" اذبان نے کہا تھا۔

"جی اب ہمارے استاد جی نے کہہ دیا ہے، بس کر جاؤ تو بس کر جاؤ پھر۔" آزان نے چڑانے کے انداز میں کہا تھا۔

وہ سب ہی دلبرداشتہ تھے۔ پر ماحول کو لائٹ رکھنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔

"استاد جی سب بس کر گئے ہیں۔ اب آپ کوئی راستہ بھی دکھائیں بہن تک پہنچنے کا۔" اب کی بار زارون بولا تھا۔ نا جانے کیوں اتنے سخت ماحول میں بھی اُس کا موڈ بہتر ہو گیا تھا۔

اذبان اُن سب کو اگنور کرتا آگے بڑھا تھا اور چابی ہوا میں اُچھال کر انہیں دکھائی تھی۔ "میں نے روبی مامی سے لی تھی۔" اذبان نے اُن کی نظروں کا مفہوم سمجھتے کہا تھا۔

کمرے میں اندھیرا کیے وہ منہ تکیے میں دیے رو رو کر شاید سو گئی تھی۔ آنکھیں رونے سے سوجھ گئی تھی۔ چہرہ بھی سُرخ ہو رہا تھا۔

زارون نے آگے بڑھ کر اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ "زارا اُٹھو۔"

بھاری ہوتے سر کے ساتھ اُس نے آنکھیں کھولی تھی اور اپنے کمرے میں اُن جنوں کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟ سب ٹھیک ہے نا؟" گھبراتے ہوئے پوچھا تھا۔

"سب ٹھیک ہے۔" زارون نے جواب دیا تھا۔

"سب ٹھیک نہیں ہے بھائی۔ بجو کو دیکھا ہے آپ نے۔" زارون کی طرف چہرہ کیے ایک بار پھر آنکھیں پُر نم ہوئی تھی۔ عادل بھائی ایسے تو نہیں تھے۔ پھر انھوں نے ایسا کیوں کیا۔

"تمہیں لگتا ہے صرف عادل کا قصور ہے؟ اُس عادل کو تو میں دیکھ لونگا۔" زارون کی بات کو بیچ میں عدیم نے کاٹا تھا۔

"آپ نہیں ہم سب دیکھ لینگے کیوں بجو صرف آپ کی بہن ہیں کیا۔ اور زارا آپی میں سب سے پہلے آپ کے پاس آیا تھا۔ اور انہیں دیکھیں کیسے آگے بڑھ کر بیٹھ گئے ہیں۔" اٹینشن سیکر ناہو تو۔

"تیرا ہو گیا اب میں بول لو۔" زارون نے اُسے ایک گھوری سے نوازا تھا۔

"زارا اوشہ کی غلطی بھی ہے۔ دو سال کم نہیں ہوتے وہ ہمیں بتا سکتی تھی۔ اُس نے نہیں بتایا سب کچھ اکیلے برداشت کرتی رہی۔ اُس نے ہمارے بارے میں نہیں سوچا۔ اُسے سوچنا چاہیئے تھا۔ اعتبار کرنا چاہیئے تھا۔ اُس نے نہیں کیا اُس نے ہمیں ٹیپیکل فیملی سمجھا جو اُسے گھر بسانے کے مشورے دیتے۔ میں نہیں جانتا باقی سب کیا سوچتے ہیں۔ پر تم میری بات کان کھول کر سُن لو زارا۔ ہم تمہاری شادی کر رہے ہیں۔ تمہیں بیچ نہیں رہے۔ میاں بیوی میں لڑائی جھگڑے ہونا عام بات ہے۔ پر اگر کبھی تمہیں لگے احمر کے ساتھ تمہارا

گزارا ممکن نہیں یا وہ تم پر ہاتھ اُٹھانے جیسے سنگین غلطی کرے تو تمہیں پلو شے نہیں بننا۔ تمہیں اپنے باپ اور بھائی پر بھروسہ رکھنا ہے۔"

"بھائی نہیں بھائیوں۔۔!" اب کی بار سب ہی نے زارون کی بات کاٹ ڈالی تھی۔ اور اس بار وہ سب ہی بے اختیار ہنس دیے تھے۔

زارا آپی بس ایک فون کریئے گا، زارون بھائی اگر صباح باجی کے ساتھ مصروف بھی ہوئے تو میری سروسس فاسٹ ہوں گی۔" عدیم نے اب کی بار غلط بات بول دی تھی۔

"کمینے رُک تو۔۔۔ بہت شوق ہے نا تجھے بیچ میں بولنے کا۔"

اب زارون عدیم کے پیچھے تھا اور عدیم ہمیشہ کی طرح نور کے کمرے میں بھاگا تھا۔ محبت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ لوگ آپس میں لڑ بھڑ نہیں سکتے۔ ایک آدھ گھونسا اور تین چار لات تو عام سے بات تھی۔

زارا نے خدا کا شکر ادا کیا تھا۔ وہ اتنے محبت کرنے والوں کے بیچ رہتی تھی۔ کیا ہوا جو صبح کام کا بوجھ ہونے کی وجہ سے اس گھر سے بھاگنے کا کہہ دیا ہو۔ پر در حقیقت وہ جانتی تھی، کہ وہ زیتون محل کو بہت مس کرنے والی ہے۔

****

"یار اب احمد کا پیپمر کون چینج کریگا؟" ناک پر کپڑا رکھے فلک نے بیڈ پر لیٹی ماہا کو دیکھا اور پھر وہاں موجود عائشہ اور عبیر سے مخاطب ہوئی۔

"تم دونوں میں سے جو بھی کرو پر، مجھ سے کوئی اُمید مت رکھنا۔عائشہ نے کمرے کی کھڑکی کھول کر تازہ ہوا کو اندر آنے کی اجازت دی تھی۔

"نور آپی کو بُلا لیتے ہیں۔"عبیر نے مشورہ دیا تھا۔

"نہیں یار وہ احمد کے لیے کچھ بنا رہی ہیں۔ویسے بھی وہ تھک گئی ہے۔صبح سے وہ سارے کام دیکھ رہی ہیں۔"فلک نے کہا تھا۔

"پھر صباح باجی۔۔۔ارے ہاں وہ تو سو رہی ہیں۔ملّی کو بُلا لو وہ کہاں ہے؟"عبیر نے ایک نیا مشورہ دیا تھا۔صاف ظاہر تھا وہ پیمپر چینج کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"ملّی اپنی کسی فرینڈ سے کال پر بات کر رہی ہے۔اور ویسے بھی حسن پھپھا کی بیٹی ہے وہ۔اُس سے پیمپر چینج کرنے کی اُمید تو نہ ہی رکھو۔"عائشہ نے ملّی کو بھی دیوار سے لگا دیا تھا۔

اب بیچاری عبیر اور فلک رونی صورت بناتی اُسے گھور رہی تھی۔اور بیڈ پر لیٹا احمد اب باقاعدہ رونے کی تیاری میں تھا۔اُس کے لیے وہ سب نئے چہرے تھے،سوائے ایک دو بار کہ اُس معصوم نے تو کبھی اپنے ننھیال والے دیکھے ہی نہیں تھے۔

"اُف اللہ کیا مصیبت ہے۔چلو بھئی مل کر کرتے ہیں چینج کروا دیتے ہیں۔"آخر عائشہ کو ہار ماننی پڑی۔

اب منہ پر کپڑا رکھے وہ تینوں عجیب غریب طریقے سے احمد کا پیمپر تبدیل کر چکی تھیں۔آخر کو خالہ بننا اتنا آسان ٹاسک بھی نہیں تھا۔خیر وہ سب جی توڑ کوشش کر تو رہی تھی پر احمد کو سنبھالنا کافی مشکل ثابت ہو رہا تھا۔

٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭

"میرے گھر والے کبھی نہیں مانے گے زوبیہ۔ تم ضرار سے کہہ دو دوبارہ اس بارے میں کوئی بات نہیں ہوگی۔ تم کیا چاہتی ممّی نے تم سب کے بارے میں جو رائے قائم کی ہوئی ہے، وہ سب انہیں سچ لگنے لگے۔ میں نہیں جانتی تمہارے گھر والوں نے یہ سب کب اور کیسے سوچا پر میں نے ضرار کو ہمیشہ تمہارے حوالے سے ہی جانا ہے۔ وہ تمہارا کزن ہے اور بس۔ آئندہ کوئی ایسی بات نہ کرنا۔"

"ماریہ ضرار اتنا اچھا تو ہے۔ آئی ایم پریٹی شیور تمہارے پیرینٹس کو کوئی ایشو نہیں ہوگا۔ ایک بار ہمیں رشتہ لے کر تو آنے دو۔ ضرار تمہیں پسند کرتا ہے۔ اور وہ ہر طرح سے پرفیکٹ ہے یار۔ آخر ایشو کیا ہے؟"

"ہمارے وہاں انجانے لوگوں میں شادی نہیں کرتے۔ اور خاندان اور کاسٹ سے باہر تو بلکل نہیں۔ ویسے بھی پلوشے بجو کے بعد سے تو انکار ہی سمجھو، پہلے شاید پھر کوئی چانس ہو جاتا۔"

"پر ملّی یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ تمہارے گھر والے اتنے دقیانوسی لگتے تو نہیں ہیں۔ تمہاری مامی بھی تو آؤٹ آف کاسٹ ہیں۔ اور جب وہ ضرار کو دیکھ لینگے تو منع کر ہی نہیں سکیں گے۔ اگلے مہینے وہ پاس آؤٹ ہو جائیگا اور وہ چاہتا ہے کہ اُس کے پاس آؤٹ ہوتے ہی، آغول چچی تمہارے گھر رشتہ لے کر جائیں۔

"وہ کیا چاہتا ہے۔ کیا نہیں مجھے پرواہ نہیں۔ جہاں تک روبینہ مامی کی بات ہے زبیر ماموں مرد تھے پھر بھی ان کے لیے یہ شادی آسان ثابت نہیں ہوئی تھی۔ آج بھی اس بات کو کوئی نہیں بھولا۔ میں تمہیں صاف الفاظوں میں منع کر رہی ہوں تم کوئی رشتہ نہیں لے کر آؤ گی ورنہ میں زندگی میں کبھی تم سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گی۔ اچھا میں بعد میں بات کرتی ہوں۔ خضر بھائی فون کرینگے کچھ دیر میں۔"

اپنی بات مکمل کرتے ہی اُس نے لائن کاٹ دی تھی۔ دو سال پہلے کا منظر آنکھوں کے سامنے آیا تھا۔ جب وہ ضرار فیصل سے پہلی بار ملی تھی۔ بے شک ضرار ایک بہت اچھا انسان تھا۔ ہینڈسم اور انٹیلیجینٹ رہی سہی کسر فوج میں بھرتی ہونے کے بعد پوری ہو گئی تھی۔ فوج نے تو جیسے اُس کی پرسینیلٹی کو چار چاند لگا دیئے تھے۔

"میں تمہیں کیسے سمجھاؤں زوبی میرے گھر والے دقیانوسی نہیں ہیں۔ پر بقول اُن کے تمہارے گھر والے خراب ہیں۔ میری ماں کو میری تم سے دوستی نہیں پسند تمہارے گھر کے کسی لڑکے سے شادی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر لوگ کیا کہیں گے، میں دوستی کی آڑ میں افیئر چلا رہی تھی۔ کیسے سمجھاؤں تمہیں کہ میرے اور تمہارے ماحول اور خاندان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پر میں تمہیں سمجھا بھی دو تو اپنے دل کو کیسے سمجھاؤ جو ضرار فیصل کی بھیجے ہوئے ہر پیغام پر دھڑکتا ہے۔ میں چاہے اُس کے کسی میسیج کسی میل کا جواب نہ دو۔ چاہے اپنے دل کو کتنا بھی سمجھالو یہ سمجھتا ہی نہیں۔ ہر بار اُس کی طرف سے آنے والے پیغام کو میں نا جانے کتنی بار پڑھتی ہوں۔ اپنی محبت خود سے بھی چُھپا چُھپا کر اب میں تھکنی لگی ہوں۔ ڈرنے لگی ہوں کہی روایت کی وہ ڈور جو میرے خاندان میں سب نے سینچ سینچ کر رکھی میرے پیروں میں اُلجھ کر ٹوٹ نہ جائے۔"

"خیر تو ہے یہاں ایسے کیوں بیٹھی ہو؟" نور تھک ہار کر اپنے کمرے میں آئی تو ایک طرف صباح کو سوتا پایا وہی دوسری طرف ماریہ کو افسردہ۔ پلوشے کی وجہ سے گھر میں سب ہی اُداس تھے البتہ ماریہ سے اس ردِ عمل کی اُمید اُسے ذرا کم ہی تھی۔ وجہ ماریہ کا بچپن سے اُن سب سے دور رہنا تھا۔

"ہاں بس ویسے ہی۔ تم سناؤ کیسی ہو؟ ماریہ نے فوراًا اپنے تاثرات چھپائے تھے، ویسے بھی وہ اس میں ماہر تھی
۔

"ویسی ہی ہوں جیسے فلحال سب ہے۔ شاک، افسردہ، نااُمید، غمگین اور پتہ نہیں کیا۔" بیڈ پر اُس کے برابر میں بیٹھتے نور نے کہا۔

"زندگی بہت عجیب ہوتی ہے نور۔ ہمیں وہ کبھی نہیں ملتا جس کی ہم خواہش کرتے ہیں۔ پلوشے باجی اپنے ماں باپ کی عزت اور خوشی کے لیے خود کو قربان کر گئی۔ یہ کرنے کے لیے بڑا حوصلہ درکار ہوتا ہے۔ اپنوں کے لیے خود کو قربان کرنا بہت مشکل ہے۔ آج سمجھ رہی ہوں۔ پر ہم لڑکیوں کو یہ قربانی اکثر دینا پڑتی ہے۔ بڑی اور بھاری قربانی جس کا بوجھ سنبھالتے سنبھالتے ہم لڑکھڑانے لگتے ہیں۔ بس ڈر لگتا ہے کہیں ہماری یہ لڑکھڑاہٹ ہمیں گرا نہ دے۔ میں اور تم چاہے بھی تو اُن کا غم نہیں بانٹ سکتے۔" اپنے ہاتھوں کے ناخنوں کے ساتھ کھیلتے اُس نے کہا۔

نور نے بڑے غور سے اُس کے تاثرات دیکھے تھے۔ ملّی آج ملّی لگ ہی نہیں رہی تھی۔ وہ ماریہ لگ رہی تھی ۔ بچپن والی ماریہ۔ پر نور کو لگا جیسے وہ یہ سب اپنے لیے کہہ رہی ہو پلوشے تو بس ایک بہانہ ہو۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو۔ لوگ غلط کہتے ہیں کہ غم بانٹا جا سکتا ہے۔ غم چاہے چھوٹا ہو یا بڑا کبھی بانٹا نہیں جا سکتا۔ یہ ناممکن سی بات ہے۔ پر ماریہ ہم اُس انسان کو اُس فیز سے تو نکال سکتے ہیں نا جس میں وہ تکلیف میں ہے۔ اپنے دل کی بات کہہ دینے سے کسی کے دل کی بات سُن لینے سے۔ جانتی ہو غم بوجھ کب لگنے لگتا ہے۔ جب ہمارے آس پاس کے لوگ ہمارے گرد وہی باتیں دُہراتے رہتے ہیں۔ ہمیں کچھ بھولنے نہیں دیتے۔ ہمیں قصوروار بنا دیتے ہیں۔ کم سے کم ہم بجو کو اُن کی زندگی کے بدترین فیز سے نکلنے میں مدد تو دے سکتے

ہیں نا۔ اور ساتھ ہی یہ دُعا بھی کہ اللہ ہم میں سے کسی کو بھی اس طرح کی کسی آزمائش میں نہ ڈالے۔ نہ ہم لڑکھڑائیں اور نہ ہم گریں۔"

نور نے اُسے دیکھتے مُسکرائی تھی۔ جیسے تسلی دی ہو۔ اور ماریہ کو واقعی اُس کی بات سے سکون ملا تھا۔

"آمین۔۔! کاش اللہ ہمیں ایسی کوئی قربانی نا دینی پڑے۔" زور سے آمین کہتے باقی بات اُس نے دل میں کہی تھی۔

"تم دونوں تھوڑی دیر چُپ ہو جاؤ میرے سر میں درد ہے۔" پیچھے سے صباح کی آواز آئی تھی۔

جسے سُن وہ دونوں ہی چُپ ہوئی تھی۔

****

"پلوشے فیزیکلی ٹھیک ہے۔ ابھی کچھ زخم اور نشان ہیں۔ جس میں سے کچھ نئے اور کچھ پرانے ہیں۔ جو وقت کے ساتھ ساتھ heal ہو جائینگے۔ پر فلحال اُس کی مینٹیلی کنڈیشن کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اُس کے ساتھ نارمل رہیں۔ اُسے اپنا وقت دیں۔ ہنسی مذاق کریں۔ اور اُس کے بیٹے کا خیال رکھیں۔ وہ اس وقت مینٹیلی ڈسٹرب ہیں۔ انہیں کچھ وقت دیں۔"

ڈاکٹر نے باہر لاؤنج میں آتے کہا تھا۔ جس پر سب نے اتفاق کیا تھا۔ وہ سب ہی پلوشے کو ذہنی سکون دینا چاہتے تھے۔ پلوشے کے ہوش میں آتے ہی سب داداجان کے کمرے میں جمع تھے۔

"کیسا فیل کر رہی ہو میری جان۔۔۔؟" روبی چاچی نے پوچھا۔

Urdu Novels Ghar

"ٹھیک ہو چچی۔۔!بستر سے ٹیک لگائے اپنے ہاتھوں کو گھورتی، وہ لیٹنے کے انداز میں بیٹھی تھی۔

"پلوشے !فکر مت کر، ابھی تیرا دادا زندہ ہے۔ تو آرام کر بس۔" دادا جان نے جزباتی ہوتے جلدی جلدی کہا تھا۔

جس پر پلوشے نے صرف سر ہی ہلایا تھا۔

"کچھ سوچنے کی، کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے بچے۔ ہم سب اپنی پلوشے کو جانتے ہیں۔ ہمیں تجھ پر بھروسہ ہے وشہ۔" شہزاد صاحب نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھتے کہا تھا۔

پلوشے اپنے باپ کا سہارا پاتے ہی ٹوٹ گئی۔ کتنے درد کتنی تکلیفیں سہی تھی اُس نے۔ یہ سب اُس ذرا سی چوٹ پر اتنے دلبرادشتہ ہو گئے تھے۔ اُسے لگا اُس نے واپسی کرنے میں دیر کر دی۔ کاش وہ یہ فیصلہ جلدی لے لیتی۔

"بابا! میں نے آپ کو بہت یاد کیا۔ بہت زیادہ بابا۔" پلوشے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں نے بھی اپنے بیٹے کو بہت یاد کیا۔ بس اب نہیں رونا۔" انھوں نے اُس کے آنسوں پونچھتے کہا تھا۔

"تایا جان! اب بس بھی کریں ہم کب سے لائن میں ہیں۔" عدیم جو سب کے بیچ پھنسا ہوا کھڑا تھا بول پڑا۔

"کیوں تیری ٹرین چھوٹ رہی ہے؟ بڑوں کو مل لینے دے پہلے۔" سنبل چاچی نے اُسے جھڑکا تھا۔ جس پر سب دبی دبی ہنسی ہنسنے لگے۔ اور عدیم بیچارہ خاموش ہی ہو گیا۔

فیروزہ تائی نے پلوشے کو اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا تھا۔ اور اپنے نواسے کو دیکھ دیکھ نہال ہو رہی تھیں۔ جبکہ سارے بڑے اب پلوشے سے مل کر باہر لاؤنج میں بیٹھ چکے تھے۔ جبکہ ینگ جنریشن ابھی وہی موجود تھی۔

اسلام علیکم! کیسے ہیں سب۔۔؟" ہادیہ اور علیشبہ جو ابھی ابھی گھر سے آئی تھیں۔ سیدھا وہی پلوشے کے پاس پہنچی تھی۔

"وعلیکم سلام!" سب کے ساتھ پلوشے نے بھی دھیمے لہجے میں جواب دیا تھا۔

اب منظر کچھ یوں تھا کہ پلوشے کے ساتھ بیڈ پر عدیم، ہادی، ہادیہ، نور، زارا، علی، عائشہ اور آزان بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک کرسی پر عابص اور ایک پر زارون بیٹھا تھا۔ جبکہ صباح، علیشبہ، فلک، عبیر اور ملّی صوفے پر بیٹھی تھیں۔ اور اذہان اکیلا زمین پر صوفے سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا تھا۔

بجو! احمد کتنا پیارا ہے بھئی، ہمیں تو کبھی موقع ہی نہیں ملا اُس سے لاڈ کرنے کا اب آپ دیکھیئے گا آپ سے زیادہ یہ میرے پاس ہوا کرے گا۔" فلک احمد کو گود میں دباتی ہوئی بولی۔

"پڈّو اگر ایسے لاڈیاں کرنے کے ارادے ہیں تو بس پھر خیر ہی ہے احمد کی۔" ہادیہ نے کہا۔

"میں نے کبھی آپ کا نام بیگاڑہ ہے جو مجھے پڈو کہہ رہی ہیں۔" فلک نے ہمیشہ کی طرح ناک پر چشمہ درست کرتے آنکھیں چھوٹی کرتے کہا۔

"اب پڈّو کو تو پڈّو ہی کہے گی ناوہ۔" معاملہ فلک کا ہو اور عدیم اُس میں اپنی ٹانگ نہ آڑائے ناممکن سی بات تھی۔ عدیم کی بات پر سب ہی ہنسنے لگے۔

"میں نے آپ سے بات نہیں کری تو بیچ میں ناہی بولیں۔" فلک نے غصے میں کہا۔

جس پر عدیم نے اُسے منہ چڑایا اور پھر ہونٹوں کے اشارے سے پڈّو کہا۔

"فلک نام ہے اس کا۔ کسی کا نام نہیں بگاڑتے بہت بُری بات ہوتی ہے۔" پلوشے نے ان سب کو بحث کرتے دیکھا تو بول پڑی۔ آج برسوں بعد اس نے کسی کو کچھ بغیر سوچے سمجھے کہا تھا۔ کیونکہ وہ اپنوں میں تھی۔ چہرے پر پڑے نیل ہلکے تھے۔ ماتھے پر بینڈیج۔ اور آنکھیں کسی بھی احساس سے خالی پر نا جانے کیوں ہونٹوں پر ہلکی سی مسکان تھی۔

"آپ ان کے پیچھے انرجی ویسٹ مت کریں بجو۔ یہاں تو کچھ لوگوں کو سب کے نام بگاڑنے کی عادت ہی ہے۔ یہ سب ایسے ہی ہیں۔ نور نے کہا۔

"اور تم بڑی دودھ کی دھلی۔۔؟" ہادیہ نے آنکھیں گُھما کر کہا۔

"ہاں ہوں۔۔! تم کیوں جیلیس ہو رہی ہو بھئی۔" نور نے بھی دوبدو جواب دیا۔

"یہ اتنی دودھ کی دھلی ہے کہ ہر وقت سب سے ٹکراتی اور چیزیں توڑتی رہتی ہے۔ کیوں اذبان؟" ہادی نے پہلے نور اور پھر اذبان کو دیکھتے کہا۔

اذبان جو اپنی دُھن میں بیٹھا تھا اپنا نام آنے پر سٹپٹا گیا، اور یکدم نظر نور پر گئی جو خونخوار نظروں سے ہادی کو گھور رہی تھی۔ وہ بے اختیار مُسکرایا تھا۔

"آپ کی ہادیہ کو ذرا سا کچھ کیا کہہ دو بڑی مرچیں لگ جاتی ہیں۔" نور نے آہستہ آواز میں کہا۔

"ہاں کیونکہ صرف میں ہی اُسے تنگ کر سکتا۔سب کرنے لگے تو وہ مجھے سوچے گی کیسے۔ سمجھا کرو نا یار۔" ہادی نے مسکراتی ہوئی نظروں سے ہادیہ کو دیکھتے کہا تھا،جو پلوشے کو کچھ بتا رہی تھی۔

"ویسے بلکل ٹھیک کہہ رہی ہے نور۔یہاں لوگوں کو عجیب و غریب نام سے پُکارنے اور اپنے مطابق جج کرنے کی عادت ہے۔"زارون نے صباح کو دیکھتے کہا۔

"ویسے یہ اچھا ہے۔بجو کا نام لے لے کر اپنی اپنی خُنس نکالنے کا۔" آزان نے منہ پر ہاتھ رکھے ہنستے ہوئے کہا۔

"اب ہم ایک اکیلے پورے محلّے کے برابر ہوں۔تو لوگوں کا گھبرانا اور خُنس نکالنا تو بنتا ہے۔"صباح نے آزان کو دیکھتے کہا۔جبکہ صاف اشارہ زارون کی طرف تھا۔

"چلو بھئی کھڑے ہو جاؤ سب امّی نے کچھ سامان منگوایا ہے،ساتھ ہی باہر کا چکّر لگا آتے ہیں۔"زارون صباح کی بات کو اگنور کرتے کھڑا ہوا اور لڑکوں سے کہا۔

"بس! مٹر گشتیاں کروا لو ان سب سے۔"عائشہ بڑبڑائی تھی۔

"ویسے بہت لمبی زبان نہیں ہے آپ کی؟" علی نے اُس کی بڑبڑاہٹ سن لی تھی۔

"اور آپ کے کان ہماری پڑوسن فریدہ جیسے لمبے اور کھڑے۔"عائشہ نے دوبدو جواب دیا تھا۔آخر سنبل چاچی کی بیٹی تھی۔جبکہ علی نفی میں سر ہلاتا اُٹھ گیا تھا۔

"وشہ! احمد کے بھی کپڑے چینج کروادو۔ اُسے بھی گُھما کر لے آئیں گے۔" زارون جو سب لڑکوں کو باہر جانے کا کہہ رہا تھا۔ اب پلوشے کو احمد کے لیے بھی کہہ رہا تھا۔

"زارون احمد ایسے کبھی باہر گیا نہیں۔ وہ نہیں جائیگا۔ پلوشے نے احمد کو دیکھتے کہا جع اب اذبان کی گود میں موجود تھا۔

"اب تک نہیں گیا۔ پر اب جائیگا۔ اگر تم بھی ایسے ہی کروگی تو اُس کی پرسنیلیٹی تباہ ہو کر رہ جائیگی۔ کبھی دیکھے ہیں اُس کی عمر کے بچے۔ اُسے بچہ بنے رہنے دو وشہ۔ اور تم فکر مت کرو احمد ماموں کے ساتھ باہر جائیگا نا تو مزے ہی کرے گا۔" زارون نے پلوشے کو کہنے کے بعد آخر میں احمد کو گود میں اُٹھاتے کہا۔

"باتیں تو اچھی کر لیتے ہیں۔ اگر عمل بھی کر لیں تو کیا ہی بات ہو"۔ صباح نے زارون کو دیکھتے سوچا۔ جبکہ اُس کے برابر بیٹھی فلک نے اُس کے کندھے پر سر ٹکاتے کہا۔

"میرے بھائی کو نظر لگائیں گی کیا؟"

"تم بھائی بہنوں کو اتنی خوش فہمی پتہ نہیں کیوں ہے۔۔؟" صباح نے کندھے اُچکاتے پلوشے کی طرف دیکھا۔ جو اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"اچھا تم لوگ لے جاؤ۔ پر خیال رکھنا پلیز۔ پلوشے نے ان سب سے کہا۔ نور تم ڈریس چینج کروادو گی احمد کا۔" آخر میں نور سے کہا۔

"اوکے! پر میری جگہ پر کوئی نا بیٹھے۔ میں واپس یہیں آکر بیٹھوں گی۔" نور کہتے ہی اُٹھی اور احمد کو اپنے ساتھ لے گئی۔ کسی کی نظروں نے دور تک اُس کا پیچھا کیا تھا۔

زیتون محل میں ایک ساتھ بہت سی کہانیاں جنم لینے لگی تھیں۔ ناجانے کس کا اختتام کیسے ہونا تھا۔

علیشبہ صوفے سے اُٹھ کر بیڈ پر آئی تھی۔ اور اچانک اُسے موبائل کا خیال آیا جو وہ صوفے پر ہی بھول آئی تھی۔ جس پر اب عابس شاید بیٹھ چکا تھا۔ وہ موبائل میں مصروف تھا کہ علیشبہ کو سامنے کھڑا پایا جو ہمیشہ کی طرح کنفیوز تھی۔

"کون سی پریشانی در پیش آگئی ہے۔۔؟ جو میرے سر پر آن کھڑی ہوئی ہو"۔ آئیبرو اُٹھا کر سرد مہری سے پوچھا گیا۔

وہ غصے کا تیز تھا پر روڈ نہیں، لیکن اُس کے ساتھ ناجانے کیوں، وہ روڈ ہو جاتا تھا۔ اُس کے اس انداز پر اُس کا دل کسی نے مٹھی میں لیا تھا۔ آخر وہ شخص کبھی نارمل بات کیوں نہیں کر سکتا تھا۔

"میرا موبائل شاید آپ۔۔۔۔ صوفے پر موبائل رکھا تھا میں نے وہ آپ کے نیچے شاید۔" عجیب بے ربط جملے بولے تھے اُس نے۔ اور دل میں خود پر ہی طیش آیا تھا۔ آخر وہ اتنی نروس کیوں ہو جاتی تھی۔

"واہ بڑی اچھی جگہ ڈھونڈی ہے آپ نے اپنا موبائل سجانے کے لیے۔" طنزاً کہتا وہ اُٹھ ہی گیا تھا۔ کیونکہ نور احمد کو تیار کر کے لے آئی تھی۔

"بجو! اب آپ ٹھیک ہو جائیں۔ پھر ہم سب چلیں گے آئسکریم کھانے۔ جاتے جاتے علی نے کہا تھا۔

پلوشے محض سر ہلا کر رہ گئی۔ ناجانے زندگی کس موڑ پر لے آئی تھی۔ جانے کون سا موڑ ابھی مُڑنا باقی تھا۔ یہاں اس گھر میں وہ کب تک رہ سکتی تھی۔ قسمت کیا کھیل کھیلنے والی تھی۔ وہ یہ سب سوچ ہی رہی تھی کہ عبیر کی آواز آئی۔

"بجو۔۔!تائی اماں کہہ رہی ہیں، اگر آپ کی ہمت ہے تو اوپر روم میں چلی چلیں زارا باجی کے ساتھ آپ کا سامان بھی سیٹ کر دیا ہے۔" عبیر نے کمرے میں جھانکتے کہا اور چل دی۔

"پلوشے! میں نے تمہیں بہت مس کیا۔ بہت زیادہ۔" صباح اُس کے کندھے پر سر ٹکاتی بولی۔

"میں نے بھی۔۔" آنکھیں بند کرتے اُس نے کہا۔ ناجانے کیا کیا یاد آیا تھا اُسے۔ جو زخم اُسے پہلے تکلیف نہیں دیتے تھے۔ یہاں آکر وہ بھی دُکھنے لگے تھے۔ پلوشے نے صباح کے سر پر سر ٹکاتے کہا۔ چند آنسوں موتی کی صورت میں اُس کی آنکھوں سے بہے۔

نور اُن دونوں کو یوں ہی چھوڑ کر اُٹھی اور لائٹ بند کر کے باہر آگئی۔ کچھ وقت دو دوستوں کو تنہائی میں دینا تھا۔ کچھ وقت جس میں وہ رو سکتی۔ کچھ کہہ سکتی۔ کچھ بہا سکتی۔ کچھ سنبھال سکتی۔

****

گرمی کا زور آج کچھ زیادہ ہی تھا۔ پلوشے کو زیتون محل میں آئے چند دن گزر چکے تھے۔ جسم کے زخم مندمل ہو رہے تھے۔ سہہ پہر کا وقت تھا۔ گھر میں اس وقت خاموشی ہی تھی چونکہ ینگ جنریشن یونیورسٹی سے اب تک واپس نہیں آئی تھی اور گھر کے بڑے اس وقت آرام کر رہے تھے۔

احمد اس وقت فیروزہ بیگم کے کمرے میں تھا، جبکہ پلوشہ لاؤنج میں دادی جان کے تخت پر گُم صُم بیٹھی تھی

۔

"تیرے آجانے سے گھر میں رونق لگنے لگی ہے۔ورنہ تو مجھ بُڈھے کو کوئی پوچھتا ہی کہاں ہے۔۔!" دادا جان شاید گرمی سے سو نہیں پارہے تھے تو اُٹھ کر باہر چلے آئے۔انھوں نے سفید شلوار پر گرمی کی وجہ سے ہالف آستینوں کا بنیان چڑھایا ہوا تھا۔

"دادا آپ بھی نا۔سب اتنا تو خیال رکھتے ہیں آپ کا۔" پلوشے نے قاسم مراد علی کی بات سے ذرا اختلاف ہی برتا تھا۔یہ جانے بغیر کے وہ تو صرف اُسے خوش کرنا چاہ رہے ہیں۔

"ہنہ خاک خیال رکھتے ہیں۔یہ سارے کی سارے ہر وقت وہ کیا کہتے ہے اُس ٹیلوفون کو موبیل (موبائل) اُس میں لگے رہتے ہیں۔بوڑھے دادا دادی کے لیے وکھت" (وقت) ہی کہاں ہے۔تو آئی ہے تو دو گھڑی ہمارے ساتھ بیٹھ جاتی۔"

"میرے پاس کرنے کے لیے کچھ ہے بھی تو نہیں نہ دادا۔وہ چھوٹے ہیں ابھی پھر یونیورسٹی بھی تو ہوتی ہے ۔ان سب کو فلحال پڑھنے دیں۔" پلوشے نے کہا۔

"ہاں پڑھنے لکھنے سے کب روکا ہے بھلا ہم نے۔پڑھیں خوب پڑھیں دادا کا نام روشن کریں۔" ہاتھ ہوا میں اُچھالتے انھوں نے کہا تھا۔اسی دوران دروازے کی ڈور بیل بجی تھی۔چونکہ سب کے پاس اپنی چابی تھی تو ڈور بیل بجنے کا مطلب تھا باہر کا کوئی فرد آیا ہے۔

"میں دیکھتا ہوں۔" قاسم مراد علی اُٹھے تھے۔جبکہ پلوشے اندر چلی گئی تھی۔وہ اس چہرے کے ساتھ کسی کے سامنے نہیں آنا چاہتی تھی۔لوگوں کو سوال کرنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔گھنٹی کی آواز سُن روبی چاچی بھی نیند سے بھری آنکھیں لیے دروازے کی جانب بڑھی تھی۔یہ جانے بغیر دادا جان دروازہ کھول

رہے ہیں۔ کیونکہ گھر سے آنگن عبور کر کے پھر دروازہ تھا۔ اور بھری دوپہر میں باہر نکلنے سے سب کی ہی جان جاتی تھی۔

"کون ہے ابّو جی۔۔۔؟

لان کے گیٹ پر پہنچ کر انھوں نے باہر آنگن میں کھڑے قاسم مراد علی سے پوچھا تھا۔ وہ جو سمجھ رہی تھی اُن کا چہرہ دھوپ سے لال ہوا ہے۔ سامنے موجود ہستی کو دیکھ وہ جان گئی تھی کہ وہ دھوپ سے نہیں طیش سے لال ہوئے کھڑے ہیں۔

"کیسے ہیں انکل جی۔ اندر آنے کو نہیں کہیں گے؟" وہ پلوشے کی ساس روزینہ تھی۔ قاسم مراد علی بغیر کوئی جواب دیے اندر کی طرف بڑھے تھے۔ جبکہ وہ ان کے پیچھے ہی اندر چلی آئی تھیں۔

لاؤنج میں ایک طرف تخت پر دادی جان براجمان تھی۔ دوسری طرف فیروزہ تائی بیٹھی تھیں۔ جبکہ روزینہ بیگم تخت کے ساتھ پڑے صوفے نما کرسی پر براجمان تھی۔ سنبل چاچی اور روبی چاچی البتہ کھڑی ہی تھیں۔

"دیکھوں فیروزہ میں مانتی ہوں مجھ سے غلطی ہوئی۔ پر میں مجھے لگتا تھا شادی کے بعد عادل بدل جائیگا ۔۔۔ پھر کچھ غلطی پلوشے کی بھی ہے شادی کے بعد تو مرد عورت کی مٹھی میں ہوتا۔ پر پلوشے نے اُس کے اور اپنے بیچ دیوار کھڑی کر دی۔ اب وہ مرد ہے۔ غصے میں اُٹھ گیا ہاتھ۔ تم بھی جانتی ہو تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔۔ پھر بھی میں معافی مانگتی ہوں۔ کہو تو ہاتھ بھی جوڑتی ہوں۔۔۔ پلوشے سے کہو گھر چلے۔" فیروزہ بیگم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے انھوں نے کہا تھا۔

"آپ کو ذرا سے بھی شرم آ رہی ہے یہاں آتے اور یہ سب کہتے ہوئے۔ آپ کے بیٹے کے خلاف سیدھا سیدھا پولیس کیس ہو سکتا ہے۔ اور آپ یہاں آ کر یہ کہہ رہی ہے کہ غلطی پلوشے کی بھی ہے۔۔؟ مرد ہے تو کیا ہاں۔۔۔ وہ مارے گا اُسے۔ معاف کیجیئے گا آپ کے بیٹے کو آپ ہی مرد کہہ سکتی ہوں گی۔ ہماری نظر میں وہ وحشی جانور سے بھی بدتر ہے۔" روبی چاچی شدید اشتعال میں بولی تھیں۔

"دیکھو بہن میں اپنی دوست سے بات کر رہی ہوں۔ تم بیچ میں نا ہی بولو تو بہتر ہے۔ روزینہ بیگم نے نخوت سے روبی چاچی کو دیکھتے کہا اور پھر فیروزہ بیگم کی طرف رُخ پھیر لیا۔ فیروزہ بیگم سمجھ نہیں پا رہی تھیں کیا کہیں کیا نہیں۔ وہ بس خاموش گُم صُم بیٹھی ہوئی تھیں۔

"پُتر تو اس وقت زیتون محل میں بیٹھی ہے۔ یہ میری زیتون بانو کی بہو ہے۔ اور غلط بات پر چُپ نہیں رہے گی۔ کوئی روکے تو سہی، ابھی زندہ ہوں میں۔ اس گھر کی بڑی میں ہوں مجھ سے بات کر۔" زیتون بانو نے سینے پر ہاتھ دھرتے کہا تھا۔

روبینہ بیگم تو ساس کی اس طرح طرف داری کرنے پر کِھل اُٹھی تھیں۔ زیتون بانو اس قسم کی مہربانی اُن پر کم ہی کیا کرتی تھی۔

جبکہ دوسرے کمرے میں موجود قاسم مُراد علی غصے میں ادھر سے اُدھر ٹہل رہے تھے۔

"آنٹی جی اب آپ ہی بتائیں اس طرح کوئی اپنا گھر چھوڑتا ہے۔ دیکھیں میں مانتی ہوں مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھے آپ لوگوں کو آگاہ کر دینا چاہیئے تھا عادل کی عادتوں کے بارے میں۔ پر میں بتاتی بھی کیا بس ذرا زیادہ پوسیسو ہے۔ آپ میرا یقین مانے وہ یہ سب پلوشے کی محبت میں کرتا ہے۔" اپنی میٹھی بولی بولے وہ اب دادی جان کو متاثر کرنے میں مگن تھی۔

ہاہ۔۔!پوسیسو اچھاخاصہ پاگل ہے وہ۔ اور خوب محبت ہے بھئی۔ اس محبت میں وہ خود جل سڑ کیوں نہیں جاتا ہیں؟ میں تو کہتی ہوں روزینہ بہن اُسے ساتھ لے کر آنا تھا۔ میرا عابص بڑا محبت والا ہے ایسی محبت دکھانی تھی نا اُس نے واہ واہ کرتے رہ جاتے سب۔" سنبل بیگم بھی اب کی بار میدان میں کودی تھی اور خوب بولی تھی۔

کچن میں کھڑی پلوشے کے اعصاب شل ہو رہے تھے۔ سر بھاری ہو رہا تھا۔ وہ مضبوط لڑکی تھی۔ سمجھدار بھی تھی۔ پر وہ اب واپس نہیں جانا چاہتی تھی۔ یا اللہ پلیز! پلیز میرے گھر والے مجھے ان لوگوں سے بچا لیں۔ اللہ مجھے بچا لیں۔ میں اب اور نہیں سہہ سکتی۔ مجھے بچا لیں پلیز۔ پلوشے نے پہلی بار اللہ سے کوئی ایسی دعا کی تھی۔

"دیکھیں آنٹی جی میں بڑی ہو کر خود آئی ہوں پلوشے کو لینے۔ اور سنبل بہن وہ صرف بیٹا ہی نہیں داماد بھی ہے اس گھر کا بولنے سے پہلے سوچو۔" بہت مشکل سے خود پر ضبط کیئے وہ کہہ رہی تھیں۔ مقصد صرف پلوشے کو واپس لے جانا تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی عادل پلوشے کی وجہ سے ان سب کو بھول گیا تھا۔ اگر پلوشے نہ آئی تو عادل کا سارا غبار اُن سب پر نکلے گا۔ جیسے پلوشے کی شادی سے پہلے نکالا کرتا تھا۔ وہ بس خود کو اپنے پاگل بیٹے سے بچا رہی تھیں۔ یہ جانے بغیر کے وہ دو اور معصوم زندگیوں کو ایک دلدل میں دھنسا رہی تھیں یا شاید دھنسا چکی تھیں۔

"بس ایک بار پلوشے اور احمد کو بُلا دیں۔ میں اُن سے مل تو لوں۔ میری آنکھیں ترس گئی ہیں اپنے پوتے کو دیکھنے کے لیے۔ میں ضمانت دیتی ہوں انھیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں پہنچنے دونگی۔" تڑپ سے کہتے بہترین اداکاری کی گئی تھی۔

پلوشے احمد کا نام سُن کر دہل گئی تھی اچھی طرح واقف تھی ان لوگوں کی احمد سے محبت کس طرح کی ہے۔ وہ اُن لوگوں کے پاس واپس نہیں جانا چاہتی تھی اور نہ اپنے بچے پر اُن کا سایہ پڑنے دینا چاہتی تھی۔ سلب سے ٹیک لگائے، وہ جو کھڑی تھی اب زمین پر ہی آنکھیں میچ کر بیٹھ گئی تھی۔

آخر قاسم مُراد علی کا پارہ آسمان کو پہنچا تھا۔ اور وہ باہر آئے تھے۔

"میری پوتی آپ کے ساتھ جانا تو دور۔۔ آپ کے سامنے بھی نہیں آئی گی۔ اور نا ہی میری پلوشے کے بچے کسی سے ملیں گے۔۔۔ میں کہتا ہوں مجھے چند منٹوں بعد یہ عورت یہاں نظر نہ آئے۔۔ زیتون بانو بہو سے کہو مہمان کو دروازے پر چھوڑ آئے۔" غصے سے کانپتے وہ گہری سانس لے رہے تھے۔

ففیروزہ بیگم البتہ اس سارے معاملے میں خاموش تھی۔ معلوم نہیں وہ نا جانے کیا سوچ رہی تھیں۔ نہ وہ کچھ بولی نہ انھوں نے کسی کو کچھ کہنے سے روکا۔ البتہ اُن کی یہ خاموشی روبی بیگم کو کسی نئے طوفان کا اندیشہ دے رہی تھی۔ پلوشے کو لگا جیسے سر پر لٹکتی تلوار کسی نے کھینچ کر ذرا اوپر کر دی ہو۔ اب وہ سانس لے سکتی تھی۔ کب تک وہ نہیں جانتی تھی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ ابھی زخم مندمل ہونا شروع ہوئے ہی تھے کہ ایک بار پھر وہ بھیانک خواب اُسے ڈرانے آن پہنچا تھا۔

ساری لڑکیاں یونیورسٹی سے ابھی گھر میں گھُسی تھیں۔ لڑکے یونیورسٹی سے فلحال سیدھا فیکٹری جایا کرتے تھے۔ اور ہر شام میں شہزاد تایا اور نعمان چاچو کے ساتھ ہی واپس آتے۔

پلوشے کی ساس اور دادا جان کو غصے میں دیکھتے وہ ماجرہ سمجھ ہی رہی تھی کہ سنبل چاچی کی گھوری دکھ گئی۔ جو انھیں صاف اندر جانے کا کہہ رہی تھیں۔ عائشہ اور عبیر سب کے بیگ رکھنے کمرے میں گئی جبکہ فلک اندر

احمد کے پاس بھاگی تھی، اور نور پلوشے کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے کچن میں آئی تھی۔ جہاں وہ رورو کر نڈھال ہو رہی تھی۔

"وشہ باجی پلیز۔۔! ایسے مت روئیں، کم سے کم اُن لوگوں کے لیے نہیں۔" نور نے اُسے گلے لگاتے کہا۔

"میں اُن کے لیے نہیں رو رہی نور میں اپنے لیے رو رہی ہوں۔ اپنے بیٹے کے لیے رو رہی ہوں۔ سوچ رہی ہوں اگر میرے خاندان کے بڑے میرے آگے ڈھال نہ بنتے تو میں کیا کرتی۔ میں ڈر بھی رہی ہوں اگر ان لوگوں نے مجھے واپس جانے کا کہہ دیا تو میرا اور میرے بیٹے کا کیا مستقبل ہو گا۔۔؟"

"آپ کو کوئی کہیں نہیں جانے کا کہے گا بجو۔! حتٰی کہ اگر آپ خود بھی جانا چاہے تو ہم نہیں جانے دیں گے۔" پلوشے کو گلے لگائے کہا تھا۔ اُسے یقین دلایا تھا۔ یہ جانتے ہوئے کہ اُن کے خاندان میں طلاقیں نہیں ہوتی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ فیروزہ تائی روایتوں کی کتنی پکّی ہیں۔ پر فلحال وہ دونوں ہی سچ کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

شام میں جب سب کو اس معاملے کا پتہ چلا تو سب ہی تذبذب کا شکار ہو گئے۔ جو حل سب کو نظر آ رہا تھا وہ روایتوں کے خلاف تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا زیتون محل اپنی برسوں پُرانی روایتیں برقرار رکھ پاتا ہے یا نہیں۔

* * * * * * * * * * * * *

اذبان مال میں ہر دوسری دکان پر آزان کے پیچھے پیچھے چلتے اب تھکنے لگا تھا۔ ویسے تو ہادیہ اور علیشبہ کی برتھ ڈے آنے والی تھی۔ پر آزان کی برتھڈے پر اُسے کوئی گفٹ نہیں دیا گیا تھا، تو اذبان نے اُسے ہادیہ اور

علیشبہ کے ساتھ اس کی مرضی کا تحفہ دلانے کا وعدہ کیا تھا۔ جسے نبھانے کے غرض سے وہ ساتھ چلا آیا تھا۔ اور اب شدید پچھتا رہا تھا۔

"بس بہت لگا لیے تم نے یہ تماشے اب میں تمہارے ساتھ کسی اور دکان نہیں جاؤنگا جو لینا ہے یہی سے لو اور چلو گھر۔" آخر کار تنگ آکر اذبان نے کہا۔

"یہ ایٹیٹیوڈ صرف میرے لیے ہے یا سب کے لیے۔؟" آزان نے چڑتے ہوئے کہا تھا۔

"سب کے لیے ہے۔ پاگل ہوتے ہیں وہ لوگ جو دو دو گھنٹے مالز میں گھوم کر وقت ضائع کرتے ہیں اور خاص کر لڑکے۔" گھڑی میں وقت دیکھتے اُس نے کہا تھا اور ساتھ ہی آس پاس لگے پینڈنٹس دیکھ رہا تھا۔

وہ ایک پینڈنٹ شوپ تھی۔ جہاں ہر قسم کے خوبصورت سے خوبصورت پینڈنٹ تھے۔ اذبان شیور تھا کہ آزان یہاں سے کچھ نہ کچھ تو پسند کر ہی لے گا۔ یکدم پینڈنٹس کو دیکھتے اُسے کوئی یاد آیا تھا۔ ابھی کچھ وقت پہلے ہی تو ہادیہ سے اُسے پتہ چلا تھا کہ اُسے پینڈنٹ کتنے پسند ہیں اور وہ کب سے ایک پینڈنٹ کی تلاش میں ہیں۔ جسے ڈھونڈنے کی ذمہ داری اُس نے ہادیہ اور علیشبہ کو بھی دی تھی۔ تتلی کی شیپ میں بنا وہ پینڈنٹ انتہائی حسین تھا۔ بیس پر پنک کلر تھا۔ جبکہ پنکھ اور اُبھار ملٹی شیڈز میں تھے۔

"یہ کیسا پینڈینٹ دیکھ رہے ہیں۔ میں کوئی لڑکی تھوڑی ہوں۔ مردوالی کوئی چیز دیکھتے ہیں۔ پتہ نہیں کیوں یہاں لے آئے ہیں، یہاں تو نور کو ہونا چاہیئے۔" آزان نے جب اذبان کو وہ پینڈینٹ تکتے ہوئے پایا تو بے اختیار بول دیا۔ اور اچانک ہی اپنی کہی بات سمجھ آنے پر معنی خیز مسکراہٹ سے اُس کی طرف دیکھا۔

اذبان نے اُسے ایک گھوری سے نوازا۔ "ایک کام کرو تم آن لائن کچھ پسند کر لو۔ میں اب گھر جاؤنگا بہت تھک گیا ہو۔" اذبان نے اُس کی کہی بات اگنور کی حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اُس کے بھائی بہن اُس کے دل کی بات سے انجان نہیں۔ اب وہ اس تذبذب کا شکار تھا کہ آزان کی موجودگی میں پینڈینٹ لے کیسے۔

"بھائی آپ یہی کھڑے رہیں، میں جب تک آئسکریم لے آتا ہو۔ پھر گھر چلتے ہی۔" ں آزان کو اچانک ہی آئسکریم کا خیال آیا تھا۔ یا وہ جان بوجھ کر اذبان کو موقع دینا چاہتا تھا۔

"اذبان نے وہ پینڈینٹ خرید کر اُن سب چیزوں کے ساتھ رکھا تھا جو وہ ہمیشہ سے اُس کے لیے جمع کرتا آیا تھا۔ جو اُسے کبھی نہیں دی گئی تھیں۔ یا شاید وہ دینا نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے اس کہانی میں کبھی خود کو ہیرو نہیں بنانا چاہا تھا۔ پر وہ بننے لگا تھا۔ اختتام سے انجان کہانی کا نرم دل ہیرو۔ جو یہ نہیں جانتا تھا کہ تکلیفیں اُس کا مقدر بھی بن سکتی ہیں۔

****

"تحفے میں مجھے گھڑیاں پسند ہیں

بے شک وہ چند گھڑیاں ہی کیوں نہ ہو

آنے والے وقت میں تمہارے ساتھ گزارنے کو چند گھڑیاں مُیسر آ جائیں

شاید وہی زندگی گزارنے کے لیے کافی ہیں"

(تمہارا طلب گار ضرار فیصل)

صوفے پر دونوں پاؤں اوپر کئے ماریہ اُس کی طرف سے بھیجی گئی ای میل پڑھنے میں مصروف تھی کہ اچانک اُس کو تنگ کرنے کی غرض سے دھپ کر کہ صباح اُس کے برابر میں کچھ اُچھل کر بیٹھی۔ چونکہ ماریہ مگن تھی اس لیے موبائل اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زور سے اُس کے پیر پر لگا۔

"کیا مصیبت ہے۔ کہیں تو سکون سے بیٹھنے دیا کریں۔ ہر جگہ نازل ہو جاتی ہیں۔"

غصہ ضبط کرتے کہا تھا پر وہ تلخ ہو گئی تھی۔ اور اُس کی یہی تلخی صباح کے کارنامے چُھپا جاتی تھی۔ پیر پر لگنے سے اُسے رونا بھی آنے لگا تھا۔ یا شاید رونا اُسے اپنی قسمت پر آنے لگا تھا۔ وہ ضرار کی محبت پر رشک کرتی یا بچپن سے اپنے ساتھ ہونے والی بے قدری پر غمگین ہوتی۔

"آئی ایم سوری۔ زور سے تو نہیں لگا۔۔؟" صباح اُسے چوٹ نہیں پہچانا چاہتی تھی۔ اُس کا مقصد صرف اُسے ڈرانا تھا۔

"آپ اپنی یہ چنچل مزاجی زیتون محل کے لیے بچا کر رکھیں۔ میرا پیچھا چھوڑ دے پلیز۔ میں تنگ آ گئی ہوں آپ کے ان بے وجہ کیئے جانے والے مزاقوں سے۔" اب کی بار آواز ذرا اونچی ہوئی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے ملّی بڑی بہن ہے۔ تمیز سے بات کرو یہ کس لہجے میں بات کر رہی ہو"۔ حمیرا بیگم نے اُسے ڈانٹا تھا۔

"جی جانتی ہوں وہ بڑی ہیں اور اُن کی کیا ویلیو ہے۔" تنک کر جواب دیا تھا اور اپنا موبائل اُٹھائے کمرے میں جا گھسی تھی۔

"کس قدر بد تمیز ہو گئی ہے یہ لڑکی۔" حمیرا بیگم نے چاول چُنتے غصے سے کہا تھا۔

"چھوڑیں امّی ہم دونوں کا معاملہ ہے میں بھی تو اُسے اتنا تنگ کرتی ہوں۔" صباح جانتی تھی کہ اُس کی ماں کبھی کبھی ملّی کے ساتھ ناانصافی کر جاتی تھی۔

کمرے میں آ کر وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ جانتی تھی صباح سے وہ نہیں جیت سکتی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ صباح اُسے ہرانا بھی نہیں چاہتی۔ وہ بس اُسے تنگ کرتی ہے بعد میں سوری کر کہ معافی بھی مانگ لیتی۔ پر بچپن سے ہی وہ یہ سُن سُن کر تھک گئی تھی کہ صباح بڑی ہے وہ ایسی ہے وہ ویسی ہے۔ ہر گھر میں ایک ایسا بچہ ہوتا ہے جسے بے حد اہمیت دی جاتی ہے۔ اور صباح حسن وہی ایک بچہ تھی۔ جبکہ دوسری طرف ہر گھر میں ایک بچہ ہوتا ہے جو اُس کے گھر والوں کے لیے اوڈ نری سا ہوتا ہے اُس کی بڑی باتیں بھی انہیں متاثر نہیں کر پاتی۔ اور ماریہ حسن اُنہی میں سے ایک تھی۔ چونکہ بچپن سے اُس نے اپنے باپ کو کاروبار میں مصروف دیکھا تھا تو وہ اُن سے دور دور ہی رہی تھی۔ حمیرا بیگم کا سارا دیہان گھر پر ہوتا۔ علی سے بھی اُس کی کبھی اتنی نہیں بنی اور صباح کی چنچل مزاجی نے کہیں نا کہیں ماریہ کو پس منظر کر دیا تھا۔ وہ دونوں کہیں بھی جاتی صباح اپنی باتوں سے سب کا دل جیت لیتی جبکہ وہ اپنی خاموش طبیعت کی وجہ سے چُپ رہتی۔ البتہ خضر سے اُس کی بہت بنتی تھی۔ پورے گھر بلکہ پورے خاندان میں ایک خضر ہی تھا جسے ماریہ کی ہر چیز یاد رہتی۔ وہ اپنی اس چھوٹی بہن کے ناز نخرے اُٹھاتا۔ اُس کے چلے جانے کے بعد سے وہ بہت تنہا ہو گئی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ سب سے دور رہنے لگی۔ چڑچڑی سی ہو گئی۔ اور پھر سب کے منہ سے یہ سُنا کہ وہ اُسے پسند نہیں کرتے اُسے اُن لوگوں سے اور دور کر گیا۔

وہ سخت خول میں بند اندر سے ایک نازک لڑکی تھی۔ جو ہر چھوٹی چھوٹی بات دل پر لگا لیا کرتی تھی۔ پر اُسے سمجھنے والا کوئی نہیں تھا۔ اور نا ہی کوئی سمجھنا چاہتا تھا اور جو سمجھنا چاہتا تھا، اُس تک رسائی ناممکن تھی۔ وہ دل اور دماغ کی اس جنگ میں نیم پاگل ہو رہی تھی۔ ضرار فیصل ایک خواب تھا۔ جو ماریہ حسن کو نا چاہتے

ہوئے بھی دیوانہ کر رہا تھا۔وہ رشتوں اور محبت کے بیچ فاصلہ قائم کرتے کرتے ادھ موئی ہوئے جارہی تھی ۔سب کے لیے وہ چڑچڑی اور بدتمیز تھی۔کوئی یہ نہیں جاننا چاہتا تھا کہ وہ ایسی کیوں ہوگئی ہے۔

****

کچن میں موجود نور فلک سے دلیہ بنوا رہی تھی۔جبکہ پلوشے احمد کو کھانا کھلانے میں مصروف تھی۔اور گاہے بگاہے اُن دونوں پر بھی نظر ڈال لیتی جو آپس میں بحث کرنے میں لگی تھی۔

"یار تم نے اتنا پانی پانی کر دیا ایسا تھوڑی ناہوتا ہے۔۔"نور نے کہا تھا۔

"تم اتنے ڈائیرکشن دے رہی ہو۔خود ہی بنالونا۔"فلک نے چشمہ ناک پر چڑھاتے کہا۔

اگر تم باقی کام کرلیتی تو اس وقت میں ہی بنا رہی ہوتی۔نور نے گہری سانس بھرتے کہا ساتھ ہی ہادی کا لاؤڈ اسپیکر سنتے ضبط سے ہونٹ بھینچے۔

نور۔۔۔۔!ہادی چیخ چیخ کر اُسے پکار رہا تھا۔

"بجو نور کو دیکھا ہے۔ہادی نے کچن میں آتے ہی کہا۔"اور ساتھ ہی نور کو وہاں کھڑا دیکھ کر بولا۔"کب سے بُلا رہا ہوں، بہری ہوگئی ہو۔۔؟"سفید رنگت باہر کی گرمی سے کچھ لال ہورہی تھی۔

"آپ بُلا نہیں رہے گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے ہیں، کیا کام ہے؟نور نے منہ بناتے کہا۔

"کچھ دکھانا ہے، تم چلو۔"ہادی اُس کا ہاتھ کھینچتا اوپر لے گیا۔

"کیا ہوا ہے۔ کیوں گھوڑے پر سوار ہیں۔" نور نے چوٹی آگے کرتے کہا۔

"گھوڑے پر سوار نہیں ہوں۔ پر ارادہ ضرور ہے۔ یہ دیکھو۔" ایک خوبصورت سی گھوڑا گاڑی لا کر اُس کے سامنے رکھی گئی۔

"واہ! حسین ترین۔۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ایسی ہی بگھی پر میری بارات لے کر جانے کا ارادہ ہے نا میری بہن کا۔۔؟" ہادی نے مسکراتے ہوئے کہا ۔نور نے بے دل ہی دل میں اُسے دیکھتے ماشاءاللہ کہا۔ وہ مسکرا رہا تھا تو ساتھ اُس کی براؤن آنکھیں بھی مُسکرا رہی تھی۔

"ہاں بس تھوڑی ڈیکوریٹیٹ ہونی چاہیئے۔ ویسے آپ یہ لائے کیوں ہیں؟" نور نے کہا۔

"نور! میں یہ ہادیہ کو تحفے میں دینا چاہتا ہوں۔ تم اسے ویسے ہی سجاؤ جیسے تم چاہتی ہو۔ میں چاہتا ہوں وہ اسے دیکھے اور مجھے کبھی نا بھولے۔" ہادی نے سنجیدگی سے کہا۔

"رانجھا بننے کا ارادہ ہے یا مجنوں؟"

کہتے ہی نور نے مسکراتے ہوئے اُسے دیکھا۔ وہ دونوں بچپن ہی سے بہت کلوز تھے۔ ہادی کی سب سے اچھی دوست اُس کی اپنی بہن تھی۔ نور زبیر جس وہ اپنے دل کی ہر بات کر لیتا تھا اور وہ سمجھ جاتی تھی۔

"رانجھا اور مجنوں کا تو پتہ نہیں پر عاشق ضرور ہو گیا ہوں۔ اور ہر عاشق کی طرح محبوب کے بدل جانے سے ڈر رہا ہوں۔" ہادی نے ہاتھ فولڈ کرتے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"میں یہ ڈیکوریٹ کر کے رات کو آپ کو دے جاؤ نگی۔ابھی کمرے میں فلک بھی ہو گی وہ سوال کرے گی ۔"نور وہ گھوڑا گاڑی اُٹھائے اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔

****

"عابص۔۔!بات سُن یار۔۔۔ایک منٹ اوپر آئیگا؟"

زارون نے لاؤنج میں کھڑے عابص کو اوپر سیڑھیوں سے لٹکتے آواز دی تھی۔

"ہاں بول کیا ہوا۔۔؟"عابص نے سیڑھی پر پہلا قدم رکھتے کہا تھا۔

"یہ زہرہ کون ہے؟اب یہ مت کہنا کہ تو نہیں جانتا؟"زارون کھینچ کر اُسے اپنے کمرے میں لے گیا اور پھر ہاتھ باندھے تفتیشی آفسر بنے پوچھا۔

"کیا بکواس کر رہا ہے کون زہرہ؟"عابص نے تنک کر کہا۔

"اچھا پھر دعا،انجم،آئمہ کوئی تو ہو گی؟"زارون نے پوچھا۔

"تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"عابص نے غصے سے کہا۔غصے سے ماتھے کی نسیں واضح ہو رہی تھی۔

"اچھا کوئی نہیں ہے نا یہاں؟"اس کے دل پر تھپکتے زارون نے کہا تھا۔

"تو پاگل ہو گیا ہے۔"اُس کا ہاتھ جھٹکتے عابص کمرے سے نکلنے لگا۔

"اور علیشبہ؟ وہ بھی کوئی نہیں ہے نا؟" اب کی بار زارون نے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں طنزاً کہا۔ عابص کے باہر جاتے قدم رُکے تھے۔ چہرہ پر ہوائیاں اُڑی تھی۔

"کیا مطلب علیشبہ۔۔؟" عابص نے لب بھینچتے پوچھا تھا۔

"علیشبہ کی آنکھیں دیکھی ہیں تو نے؟ وہ تجھے پسند کرتی ہے شاید، پر تو کیا سوچتا ہے اُس کے بارے میں؟" زارون نے جانچتی نظروں سے کہا۔

"میں کچھ نہیں سوچتا۔ اگر کچھ ہے بھی تو مجھے اس میں شامل مت کر۔ دوبارہ یہ نام بھی میرے سامنے مت لینا۔" ایک ایک لفظ چبا کر کہا تھا۔

"پھر تجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا نا اگر وہ کسی اور کی ہو جائے؟ اگر علیشبہ کے نام کے آگے کسی اور کا نام لگ جڑ جائے؟" زارون نے ریلیکس سے انداز میں کہا تھا۔

"زارون پلیز! وہ تیری بہن نہیں ہے، اُس کے گھر والے ہیں۔ جب وہ اُس کے نام کے آگے کسی کا نام لگانا چاہیں گے لگا دیں گے۔ ابھی وہ پڑھ رہی ہے اور ایسا کچھ نہیں ہو رہا۔"

"ظاہر ہے اُس کے گھر والے ہی آخری فیصلہ لینگے۔ اور میرے لیے وہ میری بہنوں جیسی ہی ہے۔ مجھے جو کلئیر کرنا تھا کر چکا۔ تجھے علیشبہ نہیں پسند، اب تشریف کا ٹوکرا لے جا۔ زارون نے فوراً موڈ بدلا تھا۔ عابص نے بھی جان چھڑائی تھی۔ "ایک تو اس کے اندازے بھی بڑے صحیح ہوتے ہیں۔" بڑبڑاتے ہوئے وہ کمرے سے نکلا تھا۔

"تجھے کہی پچھتانہ نہیں پڑے عابس۔وہ بہت معصوم ہے۔اُف علیشبہ تمہیں بھی پوری دنیا میں یہی ایک ملا تھا۔کیا پتہ میرا اندازہ غلط ہو۔زارون نے اُس کی پیٹھ کو دیکھتے سوچا۔

****

"یہ گھوڑا گاڑی کس خوشی میں تحفے میں دی ہے مجھے؟"ہادیہ نے ناک چڑھا کر کہا۔

بس ایسے ہی میرا دل کیا کہ تمہیں کچھ یونیک گفٹ دو۔ہادی نے قہقہہ لگا کر کر کہا اور ساتھ ہی فون ایک کان سے ہٹا کر دوسرے پر رکھا۔

"کیا کھچڑی پکا رہے ہو ہاں؟ویسے روبی ممانی کو اگر پتہ چل جائے نا تمہارے اور میرے بارے میں دونوں کو کچا چبا جائے وہ۔"اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم سب ایسے ہی ممّی کے پیچھے پڑے رہتے ہو،اب ایسی بھی بات نہیں۔"ہادی ذرا ناراض ہوا تھا۔

"اچھا اب بتاؤ یہ گھوڑا گاڑی دی کیوں ہے؟"ہادیہ نے سامنے پڑی گھوڑا گاڑی کو دیکھا جس پر لال اور گولڈن کلر کی ڈیکوریشن تھی۔

"تمہیں پتہ ہے نور کہتی ہے۔وہ میری بارات گھوڑا گاڑی میں لے کر جائے گی۔بس اس لیے تمہیں دی ہے۔ایک دن سفید گھوڑے پر آونگا تمہیں لینے۔"قہقہا لگاتے وہ اپنی کہی بات پر ہی ہنسا تھا۔

"سفید گھوڑے پر شہزادے آتے اچھے لگتے ہیں کملش نہیں۔"اُسے چڑاتے کہا تھا۔

"ہاں تو شہزادے بھی شہزادیوں کے لیے آتے ہیں۔ تم جیسی بلبتوڑیوں کے لیے نہیں۔" ہادی نے بھی خفا سے لہجے میں کہا تھا۔

"اچھا نور کہا ہے۔ اُسے بھی تو بتاؤ اُس کے بھائی نے مجھے تحفے میں اُس کا شاہکار دیا ہے۔" گھوڑا گاڑی پر ہاتھ پھیرتے کہا۔

"سب سے پہلے اُسے بتایا تھا۔ یہ ڈیکوریشن بھی اُسی سے کروائی ہے۔" ہادی نے ہنستے کہا۔

"اوہ آئی سی۔ اچھا چلو بائے میں نے ابھی اسائمنٹ بنانا ہے۔" ہادیہ نے علیشبہ کو کمرے میں آتے دیکھ کہا۔

بائے ٹیک کیئر۔ ہادی نے جلدی سے کہا اور فون کٹ کیا۔

"ہادیہ کتنی پیاری ہے، کہاں سے آئی؟" علیشبہ نے گھوڑا گاڑی دیکھتے کہا۔

"ہادی نے دی ہے، ایڈوانس برتھ ڈے گفٹ۔" ہادیہ نے ہلکی آواز میں کہا۔

ماشاءاللہ بہت حسین ہے۔ ویسے ہر بار کچھ الگ ہی گفٹ ہوتا ہے ان کا سب سے اچھا سب خوبصورت۔ "علیشبہ نے ہنستے ہوئے کہا علیشبہ ور نور ان دونوں کے بارے میں سب ہی کچھ جانتے تھے۔

"شش! آرام سے بولو لڑکی پوراڈھول ہو۔" ہادیہ نے اُس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھتے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ ویسے شکر کیا کرو اللہ کا ہر لڑکا ہادی نہیں ہوتا جو کسی لڑکی کو اتنا چاہے۔" علیشبہ نے اُسے ایک نظر دیکھتے کہا۔

"ہاں تو ہر لڑکی ہادیہ بھی تو نہیں ہوتی جسے اتنا چاہا جائے۔ ویسے شکر تو میں ادا کرتی ہی ہوں۔" ہادیہ نے اپنے بُک ریک میں جگہ بنا کر اُسے وہاں سجایا تھا۔ یہ جانے بغیر کے وہ وقت سے پہلے شکر ادا کر رہی تھی۔ سُرخ رنگ کی گھوڑا گاڑی اُن دونوں کی محبت کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ وہ لڑکپن میں کی جانی والی سنگین غلطی تھی۔ جس کے انجام سے دونوں ہی انجان تھے۔

"واقع میں ہر لڑکی ہادیہ نہیں ہوتی۔ جسے کوئی بے تحاشا چاہے۔ کچھ علیشبہ بھی ہوتی ہیں۔ جن کی محبتیں ادھوری ہی رہ جانے کے لیے ہوتی ہیں۔"

****

"آج صبح سے لائٹ نہیں ہے روبی۔ پانی ذرا کم استعمال کر نل کھول کر بھول ہی گئی ہے۔" فیروزہ بیگم نے روبی چاچی کو کہا تھا جو کچن میں کھڑی برتن دھو رہی تھی۔

روبی چاچی نے کچھ بڑبڑاتے ہوئے نل بند کیا تھا اور آنگن میں گئی تھیں۔ جہاں گھر کے باقی فرد گرمی کی وجہ سے بیٹھے تھے۔

"داداجان زارا باجی کی شادی سے پہلے گھر رینویٹ کروا لیتے ہیں۔ اب تو کلر بھی اترنے لگا ہے۔" عدیم نے چائے کا گھونٹ بھرتے کہا تھا۔

"لو جی اچھا بھلا تو گھر ہے۔ کیا ضرورت ہے اس موئی ریوریسن (رینویشن) کی۔" دادی جان جو آنگن میں لگے تخت پر لیٹی تھیں بول پڑی۔

"دادی جان رینوویشن ہوتا ہے۔" عبیر نے ان کے پیر دباتے تصیح کی اور منہ بناتے سارے لڑکیوں کو دیکھا جو مین اینٹرینس پر بنی سیڑھیوں پر بیٹھی زارا کی شادی کے کپڑے سوچ رہی تھی۔

"اُستانی نہ بن تو پیر دبا پیر، خوب سمجھتی ہوں میں۔" دادی جان نے کروٹ بدل کر کہا۔

"پوچھ لو کسی کلر والے سے پھر دیکھتے ہیں۔" دادا جان نے بسکٹ منہ میں ڈالتے کہا جو ابھی ابھی فیروزہ تائی لائی تھی۔

"ابو جی وہ ایک بات میں نے بھی کہنی تھی۔" روبی بیگم میگزین پرے رکھ کر قریب آئی۔

"ہاں پتر کہہ لے۔" قاسم مراد علی نے بے نیازی سے کہا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی ساری لڑکیوں کے کان بھی کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ روبی چاچی سے وہ فرمائش انھوں نے ہی کی تھی۔ گرمی کی شدت قاسم مراد علی سے برداشت نہ ہو پا رہی تھی، جبھی اب پلوشے ہاتھ والا پنکھا لے آئی تھی اور انھیں کرنے لگی تھی۔

"دراصل کچن کے سارے کیبنیٹ بھی سڑنے لگے ہیں۔ بلکہ اتنے تو ٹوٹ بھی گئے ہیں۔ کیوں نا کلر کے ساتھ کچن بھی بنوا لیا جائے۔ میں نے بات کی تھی زبیر سے کہنے لگے امّی جی اور ابو جی نے بڑی محبت سے اس گھر کو بنایا ہے۔ آج تک کوئی تبدیلی نہیں کی اگر وہ اب اجازت دے دیتے ہیں تو بنوا لو۔" روبی چاچی انہیں قائل کرنے کے موڈ میں لگتی تھی۔

"روبی بھابھی دراصل گھر میں ابھی شادی ہے۔ اور پھر زارون کی منگنی کا بھی سوچا ہے ہم نے کچن بنوائیں گے تو آؤٹ اوف بجٹ ہو جائیگا۔ عدیم میرا رجسٹر لے کر آنا۔ میں ذرا حساب کرو۔" شہزاد تایا کو ہمیشہ کی طرح خرچے کی فکر لگ گئی تھی۔

روبی بیگم نے فوراً اپنی بڑی بڑی آنکھیں زبیر صاحب کو دیکھائی تھیں۔ ساتھ ہی لڑکیوں کی نظریں بھی انہیں کی طرف گئی تھیں۔ آخری سہارا تو وہی ہوتے تھے۔ وہ فوراً سیدھے ہو کر بیٹھے تھے۔

"آپ خرچے کی فکر کیوں کرتے ہیں بھائی جان۔ میں ہو نا یکھ لو نگا۔ بس آپ سب ہامی بھریے۔" آخر میں زیتون بانو کو دیکھتے کہا تھا۔

"دور بدلے ہے زیتون بانو تو چیزیں بھی بدلنی پڑے ہیں۔ چل منہ نا بنا۔ دے اجازت دے بچوں کو تاک میں بیٹھے ہیں سارے۔" دادا جان نے ہمیشہ کی طرح بات سمجھ لی تھی۔ ایسے ہی تو بچے انھیں کیوٹ نہیں کہتے تھے۔

"دادی دے دیں نا اجازت۔" نور نے کہا تھا۔

"لو جی وہی میں کہوں اس روبی کو کہاں میرے کچن سے محبت ہو گئی۔ اصل وجہ تو میری پوتی ہے۔" دادی جان نے نور کے دیکھتے میٹھا طنز کیا تھا۔

"جی میں آپ کے گھر کے لیے اپنا خون بھی بہا دونا تو کسی نے خوش نہیں ہونا۔" روبی بیگم زبیر صاحب کو تنگ کر کہتی گئی تھیں۔ نور اور ہادی اپنی امّی کو ایسے جاتا دیکھ اُٹھنے ہی لگے تھے کہ دادی جان کی آواز آئی۔

"اے رکو ذرا ماں کے دُم چھلوں۔ بتا دینا اپنی ماں کو بنوا لے کچن، میں نے کہاں روکا ہے۔ لو بھلا آج تک روک نہ پائی جس کو اب گلتی ہڈیوں کے ساتھ کیا خاک روکوں گی"۔ دادی جان نے اپنے زخم گنوائے تھے

۔

"زیتون بانو یہی بات اگر پیار سے کہہ دیتی تو کون سی قیامت آجانی تھی۔ بس موقع چاہیئے ہوتا ہے یہاں سب کو، میں بتا دیتا ہوں زبیر سمجھا لے اپنی بیوی کو بھی مجھے گھر میں کوئی فساد نہیں چاہیئے ہاں۔۔۔!دادا جان نے ہاتھ ہوا میں اُچھال کر کہا تھا۔

"جی!"

اب روبی چاچی نے تو دو دن تک کمرے سے نکلنا نہیں تھا۔ ساتھ ہادی اور نور بھی ماں کے پلو کے ساتھ ہی لگے رہنے تھے۔ دادی جان ٹھیک ہی کہتی تھی۔ "روبی نے اپنے شوہر اور بچوں پر دم درود کیا ہوا ہے۔"

"چلیں پھر میں کل لے آتا ہوں کلر والے کو۔ امّی ہم کچھ دیر باہر جا رہے ہیں۔" عابص نے پہلے دادا اور پھر آخر میں سنبل چچی کو مخاطب کر کہ کہا۔

زارون، عابص اور عدیم باہر نکل گئے۔ جبکہ ہادی اور نور اپنی امی کے آنسوں جو ان کی اولاد کے سامنے زیادہ ہی بہتے تھے۔ انھیں صاف کرنے میں مصروف تھے۔ زیتون محل میں بھلا سب نارمل کہاں ہو سکتا تھا بھئی۔

****

رات کے کھانے کے بعد شہزاد صاحب۔ نعمان اور زبیر صاحب کو لے کر دادا جان کے کمرے میں گئے تھے۔ جہاں فیروزہ تائی پہلے سے ہی موجود تھی۔

"پلوشہ کے معاملے کا کیا حل سوچا ہے آپ نے ابّو جی۔" شہزاد صاحب نے پیشانی مسل کر کہا۔ وہ سب زارا کی شادی سے پہلے یہ معاملہ نپٹانا چاہ رہے تھے۔

"تو بتا تو نے کیا سُوچا ہے؟ مجھ بوڑھی ہڈیوں میں اب اتنا زور نہیں کہ یہ سب سوچ سکوں۔" دادا جان نے کچھ نڈھال ہوتے کہا۔

وہ زیتون بانو اور فیروزہ بیگم دادا جان کے لوہے کے پلنگ پر بیٹھے تھے۔ جبکہ باقی سب کمرے میں رکھے لکڑی کے صوفوں پر۔

"ابّو جی میرا کہنا ہے کہ جلد بازی نہیں کرتے کیا پتہ عادل کو عقل آجائے اور وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہو جائے۔ جب تک پلوشہ یہاں اسی گھر میں رہے، پھر حالات ٹھیک ہوں گے تو اسے واپس بھیج دیں گے۔" فیروزہ بیگم جھجھکتے ہوئے بولی تھیں۔

"تو آپ کیا چاہ رہی ہیں بھابھی، ہم وشہ کو اُس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔ جس کو اب تک عقل نہ آئی اب کیا خاک آئی گی۔" نعمان صاحب نے بھاری اونچی آواز میں کہا تھا۔

"تو اپنی بیٹی کے ماتھے پر طلاق کا دھبا لگوا دیں۔ طلاق یافتہ لڑکی کو یہ معاشرہ نہیں قبول کرتا میرے بھائی۔ جینا دو بھر کر دیں لوگ میری بچی کا۔" فیروزہ بیگم آنسوؤں کے ساتھ بولی تھیں۔ جبکہ کاجل بہہ کر پورے چہرے پر پھیل چُکا تھا۔

"کچھ تو ہوش سے کام لو فیروزہ۔ لوگوں کی باتوں کے ڈر سے اب تم پھر کہیں پلوشے کو وہاں بھیجنے کے لیے تیار تو نہیں کر رہی؟"

"آئی تھی ناروزینہ مانگ تو رہی تھی معافی۔ ضمانت دی ہے اُس نے کہ اب عادل ایسا کچھ نہیں کریگا۔ شرمندہ ہے وہ بہت۔ پھر پلوشے بچے والی ہے۔ اُس کے لیے طلاق کوئی مزاق کی بات نہیں ہے شہزاد صاحب۔"

"ایک بار پھر وہ عورت ہم سب کو بے وقوف بنا رہی ہے بھابھی، اور حیرت ہے کہ آپ بن رہی ہیں۔ جس نے اپنے نفسیاتی بیٹے کو جانتے بوجھتے ہماری بیٹی کے ساتھ باندھ دیا۔ آپ کو لگتا ہے وہ اب بھی سچ بول رہی ہے۔ مجھے حیرت اُس عورت پر نہیں آپ پر ہے۔ پلوشے اُس کی نہیں آپ کی بیٹی ہے۔ کم سے کم آپ تو اُس کا اچھا سوچیں۔" اب کی بار زبیر صاحب بولے تھے اور شدید غصے میں بولے تھے۔

"تو تم سب کو کیا لگتا ہے ہاں۔۔۔ میں دُشمن ہوں اُس کی؟ بس چاہتی ہوں بیٹی کا گھر بسا رہے اُس کا گھر نہ ٹوٹے۔" ڈوپٹے سے آنسوں پونچھتے انھوں نے کہا تھا۔

"دشمن ہو نہیں پر دشمنی نبھا ضرور رہی ہو بے وقوف عورت۔" شہزاد صاحب غرائے تھے۔

"خاموش ہو جاؤ۔ مت کرو لڑائی۔" زیتون بانو نے کانپتے ہوئے کہا تھا۔ بیٹوں کی گرج دار آواز۔ بہو کے خیالات۔ پوتی کے ساتھ ہونے والی ناانصافی۔ اُن کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

"کبھی خاندان میں کسی کی طلاق نہیں ہوئی ہمارے۔" خلا میں دیکھتے نا جانے کیا سوچتے وہ کہہ رہی تھی۔" سترہ سال کی تھی، جب میرا بیاہ تیرے ابو جی سے ہوا۔ میری ماں نہیں تھی اور ابو جی پردیس میں ہوتے تھے۔ چاچا چاچی نے پال پوس کر جوان کیا۔ احسان مند تھی اُن کی۔ رخصتی کے وقت میری چاچی آئی میرے پاس۔ کہنے لگی "زیتون بانو ذرا غور سے سُن اور ذہن نشین کر لے۔ بیٹی جب رخصت ہوتی ہے تو اُس کے بعد شوہر کے گھر کی ہو جاتی ہے۔ تو اب واپس پلٹ کر دیکھ سکتی ہے واپس آ نہیں سکتی۔ تیری

سانسیں آج سے تیرے شوہر کی ہوئی۔ اب اُس گھر سے تیرا جنازہ ہی آ سکتا ہے۔ ہمارے وہاں بیٹیاں رخصت ہو کر جاتی ہیں تو واپس میکے نہیں آ بیٹھتی روایتوں کے خلاف ہے۔"

"اُس وقت بڑی غمگین ہوئی تھی میں، سوچتی تھی ماں ہوتی تو یہ سب نا کہتی گلے سے لگاتی اور کہتی زیتون بانو جب شادی بیڑی بننے لگے تو واپس آ جایو۔ آج ایک عمر گزر گئی بال سفید ہیں اور چہرے پر جُھریاں۔ اللہ کا کرم تھا تیرے ابّا کے ساتھ بڑے سُکھ میں رہی میں۔ پھر بچے بھی گھر میں خوش باش تھے۔ آج بڑے عرصے بعد چاچی یاد آئی ہے۔ وہ اچھی تھی بس سوچ ذرا الگ تھی چاچی کی۔ آج تجھے دیکھ رہی ہوں تو چاچی یاد آ رہی ہے۔" فیروزہ بیگم کو دیکھتے کہا۔ "لگ رہا ہے جیسے نئے دور کی چاچی کھڑی ہو اور وہی سب دُہرا رہی ہو۔ روایتیں بر قرار رکھنے کی جی توڑ کوشش میں ہو۔" لوگ انسان توڑ دیتے ہیں پُتر روایتیں نا توڑے ہیں۔ "نا جانے ان کمبخت روایتوں میں ایسا کیا رکھا ہے؟"

دادی جان نے اب فیروزہ بیگم سے نظریں ہٹائیں تھی اور شہزاد صاحب کی طرف کی تھی۔ وہ سمجھا گئی تھی جو سمجھانا چاہتی تھیں۔

"امّی جی یہ تو طے ہے میری وشہ دوبارہ وہاں نہیں جائے گی اُس شخص کے ساتھ نہیں رہے گی۔ اور سوائے طلاق کے اب کوئی راستہ نہیں بچتا۔۔ میں ڈھونڈتا ہوں کوئی اچھا وکیل۔۔ طلاق کا کیس دائر کرواتے ہیں۔ پھر خیر سے اپنا ہادی بھی ہے نا اُس سے لینگے مدد، ہمارے بچے اب بڑے ہو گئے ہیں امّی جی۔" شہزاد صاحب آخر میں کچھ بڑبڑاتے کچھ سوچتے افسردہ سے جھکے کندھوں کے ساتھ کمرے سے نکلے تھے۔

تو یہ طے ہوا۔ روایتوں کی وہ پہلی اور مضبوط زنجیر ایک باپ نے اپنی بیٹی کے لیے توڑ دی تھی۔

حصہ سوئم

رنگریز

زیتون محل میں ایک روشن صبح کا آغاز ہو چکا تھا۔ عجیب افرا تفری کا ماحول تھا۔ کوئی یونیورسٹی کے لیے لیٹ ہو رہا تھا، تو کسی کو اُس کی شرٹ نہیں مل رہی تھی۔ اور کچھ تو ابھی تک نیند میں مست تھے۔

پلوشے دو بار سب کو اُٹھانے اوپر جا چکی تھی پر مجال تھی جو کوئی اُٹھے۔ اب کی بار وہ سب کے کمروں کے پنکھے ہی بند کر آئی تھی۔

"کیا ہوا اُٹھی وہ مہارانیاں؟" سنبل چاچی سیب کو دانت سے کترتے ہوئے بولی تھیں، وہ خود بھی نیند میں ہی لگتی تھیں۔

"جی چچی بس اُٹھ گئی ہیں۔ آپ کو چائے دو؟" پلوشے نے انڈہ فرائے کرتے پوچھا۔

"ہاں میری بچی ایک کپ دے ہی دے۔ ساری رات سر میں درد کی وجہ سے سو نہیں سکی، چائے پیوں تو شاید کچھ افاقہ آئے۔" ان کے لہجے کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی تھکی تھکی لگ رہی تھیں۔

"فیروزہ بیگم !میرا حساب کار جسٹر کہاں ہے بھئی۔۔؟ ہزار دفعہ کہہ چکاہوں نہ چھیڑا کرو میری چیزیں۔ آج بجلی کا بل نہیں بھرا تو فائن لگ جائے گا۔" شہزاد تایا پریشانی میں سر کھجاتے اپنار جسٹر ڈھونڈنے میں لگے تھے۔

"کیاہوا تایاجان؟ کیا نہیں مل رہا؟"

نور جو ابھی نیچے آئی تھی، اُنہیں پریشان دیکھ پوچھ بیٹھی۔

"حساب کار جسٹر نہیں مل رہا۔ اُس کے اندر بجلی کا بل رکھا تھا میں نے۔ اور یہ تمہاری تائی کہاں غائب ہیں صبح ہی صبح؟" ادھر اُدھر نظر دوڑاتے، ماتھے پر سے پسینہ پونچھتے انھوں نے کہا تھا۔

"وہ رجسٹر۔۔ وہ نیلے رنگ والا؟ وہ تو عدیم لے کر آیا تھا، رات کو ہم چار پرچی کھیل رہے تھے تو اُس میں نمبر ز لکھے تھے ہم نے یہیں ہو گا میں دیکھتی ہوں۔ اور وہ فیروزہ تائی شاید داداجان کو انڈہ دینے گئی ہیں۔" نور نے اخباروں کے بیچ میں سے رجسٹر اُٹھایا تھا اور انہیں دیتے ہوئے بولی۔

"اس کو تو بخش دو سارا حساب کتاب لکھا ہوتا ہے اس میں، آئندہ خیال رکھنا۔ حد ہے بھئی حد ہے۔" شہزاد تایار جسٹر بغل میں دباتے ہوئے ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھے تھے۔

****

"ہاں آپا! ارے فکر کیوں کرتی ہیں، آپ کے بھائی کا گھر ہے کیا ہوا اگر بوڑھا ہو گیا ہوں۔ پر شیر تو بوڑھا ہو کر بھی شیر ہی رہتا ہے نا۔"

"ارے نہیں کسی کی مجال جو آپ کو کچھ کہہ دے۔ نہیں نہیں میری بہوئیں کیوں کچھ کہنے لگیں۔ آج بھی قاسم مراد علی اور زیتون بانو کی حکومت ہے۔ زیتون بانو نے کیا کہنا ہے آپا۔ آپ کو بڑا یاد کرتی ہے۔ لو بھلا میں کیوں جھوٹ کہنے لگا۔ رنگ کروایا ہے گھر میں۔۔۔ہاں وہ بچیوں کو شوق تھا تو کچن بھی بنوا ہی ڈالا۔ ارے نہیں فکر کیوں کرینگے........."

دادا جان فون پر بات کرتے کرتے پورے کمرے کے چکر کاٹ رہے تھے۔ اور دادی جان کے پیٹ میں عجیب بل پڑ رہے تھے۔ اتنے میں فیروزہ بیگم اُبلے ہوئے انڈے لیے اندر داخل ہوئیں اور دادی جان سے اشارے میں پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"

"ہم پر عذابِ الٰہی نازل ہونے والا ہے فیروزہ۔ اس عمر میں اب کسی کو بھگتنے کی طاقت نہیں رہی میری، تم لوگوں کو ہی دیکھنا ہے جو ہے۔" دادی جان سر پر ہاتھ مارتی اُٹھی تھیں۔ چہرے پر واضح لکھا تھا کہ وہ آنے والے مہمان سے خوش نہیں۔

****

"زبیر آپ ابّو جی سے کب بات کر رہے ہیں؟ دیکھیں میں نے بھائی بھابی کو بہت اصرار کر کے اپنے بھتیجے کو یہاں آنے پر راضی کیا ہے۔ میں انکار نہیں سنوں گی۔" روبی بیگم زبیر صاحب کو کوٹ پہناتے ہوئے کہہ رہیں تھیں۔

"میری جان تم فکر مت کرو گھر کا بچہ ہے۔ ابّو جی کو بھلا کیا اعتراض ہو گا۔" ہاتھ پکڑتے انھوں نے روبی بیگم کو یقین دلایا تھا۔

"ہاں ہے تو گھر کا بچہ۔ پر میرے بھائی کا بیٹا ہے نا۔ آپ کے گھر والوں کا کوئی بھروسہ بھی نہیں۔" روبی بیگم نے چڑتے ہوئے کہا تھا۔ ویسے ہی وہ اب تک دادی جان کی بات پر منہ بُھلائے پھر رہی تھی۔

" کبھی کبھی آپ بڑی ناانصافی کر جاتی ہیں روبی۔" ہاتھ میں گھڑی پہنتے زبیر صاحب ذرہ خفا سے لہجے میں بولے تھے۔

"اور جو آپ کے گھر والے کرتے ہیں میرے ساتھ۔ آج تک پسند کی شادی کا طعنہ دینا نہیں چھوڑا۔" انھوں نے بھی منہ بناتے کہا تھا۔

"اچھا چھوڑیں سب کو۔ موڈ ٹھیک کریں ناشتے پر سب انتظار کر رہے ہوں گے۔" ان کو پیار سے کہتے اب وہ انہیں لیے نیچے چل پڑے تھے۔

****

ڈائیننگ ٹیبل پر گہما گہمی کا منظر تھا۔ روبی بیگم نے فوراً زبیر صاحب کو آنکھیں دکھائی تھیں۔ جس پر انھوں نے روبی بیگم کو صبر اور تحمل سے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"وہ ابّو جی ایک بات کرنی تھی آپ سے۔" زبیر صاحب کا اتنا کہنا تھا کہ سب نے آنکھیں گھمائی تھیں۔

"تو ایک کام کر بیوی کی لسٹ ایک بار ہی مجھے پکڑا دے۔ روز روز تجھے پھر کچھ کہنے کی ضرورت نا پڑے گی۔" دادا جان نے پراٹھے کا لقمہ لیتے کہا تھا۔

"ابّو جی اب ایسی بھی بات نہیں۔" زبیر صاحب نے منمناتی آواز میں کہا تھا۔

"ہاں تو ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں تیرے ابّا دن میں دو گھڑی ماں باپ کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ اُس میں دس میں سے نو باتوں میں اس روبی کا ذکر ہوتا ہے۔ امّی جی روبی یہ چاہ رہی تھی۔ ابّا جی روبی وہ چاہ رہی تھی۔" دادی جان نے ہاتھ ہلا ہلا کر طنز کیا تھا۔

"چل کہہ اب کیا چاہ رہی ہے تیری روبی۔" دادا جان نے زبیر صاحب کو گھورتے کہا تھا۔

"ویسے ایسی عورتیں ہوتی ہیں، جو میاں کو ہر وقت اپنے پیچھے لگائے رکھتی ہیں۔ ایک ہم ہیں سو سو منتیں کریں تو ایک کوئی بات منتی ہے۔" سنبل بیگم فیروزہ بیگم کے کان میں بولیں۔

"تو دل نہ جلا میری بہن۔ تیرا میرا ابھلا کیا لینا دینا ہیں۔" فیروزہ بیگم نے سرے سے اگنور کرتے کہا تھا۔

"وہ ابّو جی روبی کے بھائی کا بیٹا۔ کچھ دن کراچی آنا چاہ رہا تھا۔ اب روبی نے بہت اصرار کیا ہے اپنے بھائی سے کہ وہ اپنے تایا کے گھر کے بجائے یہاں ٹھہرے۔" زبیر صاحب نے کچھ گڑبڑاتے ہوئے انہیں دیکھا۔

"لو بھئی۔۔!" دادا جان نے پلیٹ میں نوالا رکھتے سب کو دیکھا۔

روبی بیگم کی نظروں سمیت وہ ہر کسی کی نظروں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔

"بُلا لو بھئی گھر کا بچہ ہے۔ ہوٹل میں ٹھہرتا ہوا اچھا تھوڑی لگے گا۔" دادا جان نے چائے کی چُسکی لیتے کہا۔

روبی بیگم کا اٹکا ہو سانس بحال ہوا تھا۔ اگر اجازت نہ ملتی تو میکے میں خوب بیستی ہونی تھی۔

"اب مہمانوں کا ذکر آ ہی گیا ہے تو یاد آیا ایک اور مہمان بھی آ رہا ہے زیتون محل۔ تمہاری پھپھی شیر بانو۔ زارا کی شادی تک یہیں ٹھہریں گی۔" دادا جان نے سب کو دیکھتے کہا اور ڈائیننگ ٹیبل سے سیدھا اپنے کمرے میں چل دیے۔

ڈائیننگ ٹیبل پر بیٹھا ہر شخص اپنی جگہ جم ہی گیا تھا۔ شیر بانو پھپھی جان صرف نام سے ہی نہیں کام سے بھی شیروں جیسی تھی۔

"یا اللہ خیر! اب تو ہو گئی میری شادی خیر سے۔۔۔" زارا بڑبڑاتے ہوئے اُٹھی تھی۔ باقی سب بھی آہستہ آہستہ کھسک گئے تھے۔

"امّی آپ ہمیں تو بتا تیں، ہمارا کزن آرہا ہے اور ہمیں ہی نہیں پتہ۔" نور اور ہادی نے روبی بیگم کے قریب آتے کہا تھا۔

اب تو بتا دیا نا ویسے ہی میں بہت پریشان تھی، جاؤ یونیورسٹی سے لیٹ ہو رہے ہو تم لوگ۔" روبی بیگم نے دونوں کا ماتھا چومتے کہا تھا۔ انہیں اب شیر بانو پھپھی جان کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ انہیں تو وہ ویسے بھی خاص ناپسند کرتی تھیں۔

****

وہ کب سے وین کا انتظار کر رہی تھی۔ دھوپ اُس کے چہرے پر پڑی تو ہاتھ میں پکڑی فائل سے سر پر سایہ کیا۔ یونیورسٹی روڈ پر ہر طرف ٹریفک تھا۔ اوپر سے نور اور عائشہ بھی اپنی وین میں جا چکی تھی۔ اور ہادیہ

Urdu Novels Ghar

میڈم آج آئی نہیں تھی۔کافی دیر وین کا ویٹ کرنے کے بعد وہ روڈ پر نکل آئی۔چونکہ یونیورسٹی کے ساتھ ہاسپٹل بھی تھا تو رش کافی زیادہ تھا۔وہ آزان اور اذبان کو ڈھونڈنے کے لیے ہاسپٹل کی طرف بڑھی تھی۔ اچانک اُس کی نظر ہاسپٹل کی پارکنگ میں کھڑے عابص پر پڑی۔

"اسلام علیکم! آپ نے بھائی کو دیکھا ہے؟"علیشبہ اُس کی گاڑی کے پاس آتے بولی۔پر ساتھ ہی کسی لڑکی کو دیکھ کر یکدم ٹھٹھک گئی تھی۔دل کچھ عجیب طریقے سے دھڑکا تھا۔

"وعلیکم اسلام!وہ دونوں بھائی تو کب کے نکل چکے۔تمہاری وین نہیں آئی آج؟"گاڑی کو لاک لگاتا وہ اُس کی طرف مُڑا تھا۔ساتھ کھڑی لڑکی اب دونوں کو جانچتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔خلاف معمول آج اس کا لہجہ کافی نرم اور دھیما تھا۔یا پھر ساتھ موجود صنف نازک کی وجہ سے وہ رکھے ہوئے تھا۔

اُسے گہری نظروں سے دیکھتے عابص کو زارون کی کہی باتیں یاد آئی تھیں،جبکہ اس کی نظروں کی تپش محسوس کرتے علیشبہ نے دھوپ سے سُرخ ہوتے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"یہ کون ہے عابص؟"

آواز پر علیشبہ کی نظر عابص کے پیچھے موجود اُس لڑکی پر گئی اونچا لمبا قد سفید رنگت پر ہلکا پھلکا میک اپ اس کی خوبصورتی کو مزید نکھار رہا تھا۔وہ جو کوئی بھی تھی بلا کی حسین تھی،اور اپنی اس خصوصیت سے واقف بھی۔

"شی ازمائی فرسٹ کزن علیشبہ۔اور یہ دعاہیں،شہروز کی سسٹر۔"عابص نے ہلکی مُسکراہٹ کے ساتھ دونوں کاتعارف کروایاتھا،دعاکودیکھتے اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی تھی۔علیشبہ کی آنکھوں میں یہ منظر ناجانے کیوں پرچُبھا تھا۔

"وین کاویٹ کررہی ہو؟"دعاسے نظریں ہٹاتے عابص نے اُس دریافت کیا۔جبکہ اُس کے حلق میں آنسوؤں کاایک گولا پھنساتھا،جسے روکتے بامشکل اُس نے کہاتھا۔

"جی!وہ آج وین نہیں آئی۔گھر میں سب کوسلام دیجیئے گااللہ حافظ۔"بغیر اس کی طرف دیکھے علیشبہ نے کہاتھااور پھر آگے بڑھ گئی تھی۔علیشبہ موسیٰ نے عابص نعمان کواگنور کرناتھا۔اور وہ یہ کرنے کی بھرپور کوشش کررہی تھی۔پر عابص کواُس کااس طرح اگنور کرکے آگے بڑھ جاناکھٹکاتھا۔اُسے علیشبہ کی نا محسوس انداز میں دی جانے والی توجہ کی عادت ہوگئی تھی۔

"رکو۔۔!"ایک نظر دعاپرڈالتے اُس نے بےاختیار اُسے روکاتھا۔"ویٹ کرومیں چھوڑدیتاہوں۔اکیلی کیسے جاؤگی؟"بےاختیار کہے گئے اس جملے نے اُسے بھی ساکت کردیاتھا،پر علیشبہ کے جواب نے اُس کا دماغ پھر گھمادیا۔

"میں اکیلے نہیں جارہی۔اذبان بھائی کومیسج کردیاہے۔میں سمجھی تھی وہ یہیں ہوں گے،پروہ آجائیں گے، یاپھرکسی کوبھیج دیں گے آپ تکلف مت کریں۔"تحمل سے کہتے اُس نے ایک بار پھر موبائل میں جھانکا تھا۔اورنامحسوس انداز میں ہی صحیح وہ کہیں ناکہیں اس انتظار میں تھی کہ عابص اُسے فورس کرتا۔پراُس کا

جواب سُنتے ہی وہ حقیقت میں لوٹ آئی تھی۔ یہ فکر نہیں تھی جس نے عابص نعمان کو وہاں کھڑے رکھا تھا، یہ ذمہ داری کا وہ احساس تھا جو اسے اکیلا دیکھ وہ پوچھ بیٹھا۔

"ٹھیک ہے پھر جیسے تمہاری مرضی، میں ویسے بھی بزی تھا۔ دعا نے ضد کی تو یہاں آ گیا۔ ہاں اگر کوئی نہ آئے تو انفارم کر دینا میں اندر کیبن میں ہی ہوں۔ مصروف سا کہتا وہ ہاسپٹل کی طرف بڑھ گیا تھا۔ جبکہ دعا بھی اس کی تقلید میں چل دی۔ پر ساتھ ہی اس نے علیشبہ کو کاٹتی نظروں سے دیکھا تھا۔ یا کم سے کم علیشبہ نے ایسا ہی محسوس کیا۔

وہ اکثر ہی یہاں ڈاکٹر شہروز سے ملنے آیا کرتا تھا۔ جو اُس کا اور زارون کا مشترکہ دوست تھا۔ شہروز کی فیملی اس کی دو ہی بہنوں پر مشتمل تھی، عنابیہ اور دعا۔ چونکہ ان کے پیرینٹس نہیں تھے۔ تو شہروز نے اپنے سے چھوٹی دونوں بہنوں کو خوب لاڈ پیار سے رکھا تھا۔ آج دعا کافی دنوں بعد ہاسٹل سے چھٹیوں پر آئی تھی تو شہروز نے عابص سے ریکوسٹ کی تھی، کہ وہ اسے پک کر لے۔ پر دعا نے گھر جانے کے بجائے ہاسپٹل جانے کا کہا تو عابص اُسے وہی لے آیا۔ علیشبہ کو باہر اکیلا چھوڑ تو آیا تھا پر نا جانے کیوں اُس کا دل بے چین تھا معلوم نہیں اُسے لینے کوئی آیا ہو گا یا وہ دھوپ میں ہی کھڑی ہو گی۔ کچھ سوچتے ہی اُس نے اذبان کو فون کر کے کہا کے وہ علیشبہ کو لینے مت آئے وہ اُسے چھوڑ دیگا۔

کچھ دیر بعد ہی اُسے اذبان کی طرف سے میسج موصول ہوا کہ: "عابص وہیں ہے، وہ تمہیں گھر چھوڑ دیگا۔" اُس نے ایک نظر میسج کو دیکھتے ہاسپٹل کے گیٹ پر نظریں دوڑائی تھی۔ لوگوں کے رش میں اُسے وہ تیزی سے باہر آتا دکھائی دیا۔ قریب پہنچتے ہی اس نے علیشبہ کو دیکھتے طنز کیا۔

"کیاہوا بھائی آنے والا تھا تمہارا؟" اس کا طنز سمجھتے وہ پہلو بدل کر رہ گئی۔

"وہ بھائی نے کہا کہ آپ۔۔۔" علیشبہ نے جملہ بیچ میں ہی چھوڑ دیا تھا، کیونکہ وہ بغیر اُس کی بات سُنے گاڑی کا گیٹ کھولے اندر بیٹھ چکا تھا۔

"میں مصروف ہوں لڑکی، بعد میں مراقبہ کرنا ابھی جلدی اندر آکر بیٹھو۔" تیزی سے کہتے اُس نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ جبکہ علیشبہ نے چہرہ اُٹھا کر اسے شکایت سے دیکھا تھا، ابھی دعا کو چھوڑنے وہ اپنی مرضی اور خوشی سے آیا تھا۔ اپنی سوچوں کو جھٹکتے وہ گاڑی میں خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔

پورا راستہ وہ عابص کا کھینچا کھینچا انداز نوٹ کرتی رہی اور وہ بھی اُسے جتانا ہرگز نہیں بھولا تھا کہ وہ مجبوری میں اُسے چھوڑنے آیا ہے نا کہ اپنی مرضی سے۔ اُسے گیٹ پر ہی چھوڑتے وہ زن سے گاڑی بھگا لے گیا۔ حالانکہ وہ اُسے اندر آنے کے لیے کہنا چاہتی تھی۔

"تم واقع میں عابص بھائی کے ساتھ آئی ہو؟ دیر سے آنے کی وجہ بتاتے ہوئے اُس نے عابص کا بھی سرسری سا بتایا کہ وہ اُسے چھوڑنے آیا تھا۔ ہادیہ نے جان بوجھ کر دوبارہ پوچھا۔

"علیشبہ بیٹا اندر تو بلاتی بچے کو، دروازے سے ہی چلا گیا۔" خدیجہ بیگم نے ٹیبل پر کھانا لگاتے خفا سے لہجے میں کہا۔

"امّی وہ بزی تھے۔ صرف بھائی کے کہنے پر مجھے چھوڑنے آگئے ورنہ ان کے پاس وقت نہیں کہ لوگوں کی ڈرائیوری کرتے پھرے۔" تیکھے لہجے میں کہتے آخر میں ہادیہ کی معنی خیزی نظروں کو دیکھتے اُس نے اپنا

بیگ صوفے پر رکھا۔ گرمی سے چہرہ ویسے ہی سرخ تھا، کچھ عابس کا طنزیہ انداز اور وہ لڑکی دعا۔ اس کا شدت سے رونے کا دل چاہ رہا تھا۔

"آخر بھائی کو ضرورت کیا تھی انہیں کہنے کی۔ اگر خود نہیں آسکتے تھے تو نہ آتے میں خود آ جاتی۔" بیڈ پر کمفرٹر اوڑھے وہ فون پر نور سے مخاطب تھی۔ ہادیہ بھی ساتھ ہی شامل تھی، پر وہ فلحال چپ تھی۔

"اتنا اُوور ریکٹ کیوں کر رہی ہوں یار۔۔ عابس بھائی تو ہیں ہی ایسے، وہ سنبل چاچی کے بیٹے ہیں بھول کیوں جاتی ہو تم، ان کی باتوں کو دل پر مت لو تم۔ اور وہ دعا وہ شہروز بھائی کی بہن ہے، ایسا ویسا کچھ نہیں ہو گا جیسا تم سوچ رہی ہو۔" نور کہتے ساتھ آس پاس بھی دیکھ رہی تھی کہ اگر کسی نے سن لیا تو پھر تماشے۔

"تم دونوں وہاں نہیں تھی۔ ان کی شعلہ برساتی نظروں میں میرے لیے سرد مہری تھی طنز تھے، آخر کیوں ۔۔؟ جبکہ اس لڑکی سے۔۔ اُسے چھوڑو میرے علاوہ وہ سب سے ہی ٹھیک بات کرتے ہیں نور! کیا وہ جان گئے ہیں میری فیلینگز کے بارے میں؟ میں نے کچھ جان بوجھ کر تو نہیں کیا نا۔ میں دوبارہ ان کی طرف کبھی نہیں دیکھوں گی۔" آج پہلی بار وہ عابس کے ذکر پر ان دونوں کے سامنے چہرے پر ہاتھ رکھے روئے تھی، اور ان دونوں کو ہی شاک لگا تھا۔ وہ دم سادھے بس اسے سن رہی تھیں۔ علیشبہ بچپن سے عابس نعمان کو پسند کرتی تھی پر یہ پسندیدگی اتنی زیادہ ہو گی اُن دونوں کو اندازہ نہیں تھا۔ گہری سانس بھرتے نور نے اُس کا دھیان بٹایا تھا۔

"اچھا چھوڑو کل یونیورسٹی میں دونوں اپنے کپڑے لے کر آنا۔ کل زارا باجی کا بارات کا لہنگا لینے بھی جائیں گے اور شاپنگ بھی کرنی ہے۔ اور خبردار اگر تم نے عابس بھائی کی وجہ سے منع کیا۔ باقی باتیں آمنے سامنے ہی ہوں گی۔"

"مجھے بھی کوئی دھمکی دے دو، میرا ابھی کل آنے کا کوئی موڈ نہیں۔" ہادیہ نے آنکھ مارتے ہوئے کہا تھا۔

"تم تو رہنے ہی دو۔" نور نے وڈیو کال پر دونوں کو دیکھا۔ جس میں سے ایک سُڑ سُڑ ناک صاف کرنے میں مصروف تھی جبکہ دوسری کی آنکھوں میں واضح شرارت تھی ۔

کاش علیشبہ تمہارا نصیب بھی ہادیہ جیسا ہوتا۔ اس نے دل میں کہتے فون کٹ کیا تھا۔

* * * * * * * * * * * * *

"جلدی جلدی کھانا کھاؤ تم سب پھر بازار کے لیے نکلنا ہے اب چند ایک دن ہیں، شادی کی سو چیزیں ہوتی ہیں۔ فیروزہ تائی دستر خوان پر آرام سے بیٹھی ساری لڑکیوں کو دیکھتے ڈپٹ رہی تھیں۔ شادی کی تیاریوں کے لیے ہادیہ، علیشبہ اور صباح بھی آئی ہوئی تھیں، جبکہ ماریہ نے پڑھائی کا بہانہ گھڑا تھا۔

"یار امّی یہ پوری فوج جائی گی میر الہنگا لینے ؟" زارا نے ترچھی نظروں سے ان سب کو دیکھتے ہوئے کہا، جو اس کے ایسے کہنے پر اب اُسے گھور رہی تھیں۔

"نہیں تو بول تو تجھے گھر چھوڑ جاتے ہیں۔ ایسے منہ بھر کے فوج بول دیا ہے۔ چند ایک تو لوگ ہیں۔ ایسی زبان لے کر اگر اس نے سُسرال جانا ہے نا فیروزہ بھابھی تو بس اللہ ہی حافظ ہے۔" سنبل چاچی جو اپنا دھلا ہوا منہ پونچھ رہی تھیں۔ فیروزہ بیگم کو دیکھتے بولی حالانکہ روز کی بانسبت آج پھر اُن کی طبیعت کچھ نڈھال سی لگ رہی تھی لہجہ بھی پس مردہ سے ہی تھا۔

"ہاں چند ایک تو لوگ ہیں ہم۔ زارا! گنتی کرنا چند ایک لوگ کتنے ہیں؟ ایک میں دوسری پلوشے پھر علیشبہ، ہادیہ، عائشہ، عبیر، فلک، فیروزہ ممانی، سنبل ممانی، روبی ممانی اور بس تم، بس اتنے تھوڑے سے تو لوگ ہیں ہم۔" صباح نے انگلیوں پر گنتے آنکھیں پٹپٹا کر اپنی ہنسی روکتے کہا۔

جبکہ اُس کے ساتھ اب وہ سب بھی اپنا چہرہ سنبل بیگم کی طرف سے موڑے بیٹھے تھے۔ تاکہ وہ اُن کی ہنسی نہ دیکھ لیں۔

جبکہ سنبل بیگم صباح کی بات کا مطلب سمجھتے وہاں سے غصے میں اُٹھی تھیں۔ ساتھ ہی ان سب کو ایک ڈانٹ بھی لگائی تھی۔ "کھانا کھاؤ جلدی ورنہ سب کو یہی چھوڑ جائیں گے پھر بیٹھ کر ہنستی رہنا۔"

"تم لوگ تیار نہیں ہوئی ابھی تک؟ جاؤ جلدی سے چینج کرو سب۔ میں نے سب کے کپڑے استری کر دیئے ہیں۔" پرفیوم کی بے تحاشا خوشبوں کے ساتھ روبی بیگم بھی اپنا بیگ کندھے پر ڈالے نیچے اتری تھیں۔

وہ سب بھی جلدی جلدی تیار ہونے اُٹھی تھیں۔

"دادی احمد کو آپ کے روم میں سُلا دیا ہے۔ ہم جلدی آجائیں گے، ویسے تنگ تو نہیں کریگا پر شام میں اٹھ کر تنگ کرے تو زارون کے ساتھ باہر بھیج دیجیئے گا۔" پلوشے ڈوپٹا سر پر باندھتی ساتھ ساتھ انہیں کہہ رہی تھی۔

"یار عائشہ کوئی کمفرٹیبل سلیپرز دے دو تمہارے۔" صباح نے کہا تھا۔

"اچھا میں نکالتی ہوں۔ جب تک آپ نور کے کمرے سے سن بلاک لا دیں۔ عبیر صباح باجی کو وہ بلیک والے سلیپرز نکال دو۔" عائشہ جو اپنے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی صباح کو کہتے ساتھ ہی عبیر کو سلیپرز نکالنے کا بھی کہا۔

"صباح باجی میری لپ اسٹک چیک کریں زیادہ تو نہیں ہو گئی۔ سنبل ممانی اور فیروزہ ممانی نے لتاڑ ڈالنا ہے اگر اُنہیں دکھ گئی تو۔" ہادیہ نے اپنی لپ اسٹک چیک کرتے کہا۔

"مٹاؤ اس کو اتنی عجیب لگ رہی ہے، ٹِنٹ لگا لو یار۔" جواب نور نے دیا تھا۔

"ہاں ہادیہ مٹا دو، علیشبہ اور فلک کی طرح لائٹ سا کچھ لگا لو ان کا اچھا لگ رہا ہے۔ اور نور سنبلاک دو یار اپنا عائشہ منگوا رہی ہے۔" صباح نے کہا۔

شور شرابا مچاتے آخر وہ سب تیار ہو ہی گئی تھیں۔

"امّی ہم دس لوگوں کے لیے صرف دو رکشے۔" عائشہ نے ہلکا سا احتجاج کیا تھا۔

"خدا کا خوف کریں سنبل چاچی صرف دو رکشے۔" نور نے منہ کھولے کہا تھا۔

"منہ بند کرو اور اسی میں آ کر بیٹھو۔" سنبل بیگم نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں دکھائی تھیں۔

آخر وہ سب ہی اندر کسی نہ کسی طرح ایڈجسٹ کر رہی تھیں پر فلک کو کسی بات سے سر کھائی نہیں آ رہی تھی۔

"یار میں کہاں بیٹھوں۔؟ فلک باہر ہی کھڑی تھی۔ جبکہ گلی میں رش ہونے کی وجہ سے سنبل چاچی ان سب کو گھورے ہی جا رہی تھی۔ اوپر سے ان سب کی ہنسی۔

"میرے سر پر بیٹھ جاؤ۔۔!" جواب عائشہ کی طرف سے آیا تھا جبکہ صباح نے فلک کو زبردستی کھینچ کر اپنی گود میں لیا تھا۔ اُنہیں ایک رکشے میں ایڈجسٹ کرواتے سنبل بیگم بھی اپنے رکشے کی طرف گئی تھیں۔

"یار میرا پیر دب رہا ہے اُٹھو۔" ہادیہ زور سے چیخی تھی۔

"میرے ڈریس کی تو پوری استری ہی خراب ہو گئی ہے۔" زارا نے غصے میں کہا تھا۔

"ہمارے مائیں بہت کنجوس ہیں یار۔ روبی چاچی کو دیکھو ذرا وہاں کیسے مزے سے بیٹھی ہیں۔" عائشہ نے دوسرے رکشے میں موجود روبی بیگم کو دیکھتے کہا تھا۔

"ہاتھ ہٹاؤ میرے کندھے سے یار درد کر رہا ہے۔" صباح نے کہا تھا۔ جبکہ دوسرے رکشے کے مناظر بھی کچھ ایسے ہی تھے۔

اللہ اللہ کر کے وہ سب بازار پہنچے تھے۔ زیتون محل کی خواتین کہیں جائیں اور تباہی نہ مچائے۔ نہ نہ ایمپوسیبل سی بات تھی۔ وہ سب ایک بوتیک میں گھسی ہوئی تھیں۔ ہر طرف عجیب تباہی مچائی ہوئی تھی، کوئی کسی کی سُننے میں انٹرسٹڈ نہیں تھا۔ اللہ اللہ کر کے زارا کو مہرون رنگ کا ایک لہنگا پسند آیا تھا۔ ورنہ تو جو لہنگا وہ پسند کرتی وہ پرائز میں بہت زیادہ ہوتا جس پر فیروزہ تائی اعتراض کر دیتی اور جو پرائز میں مناسب ہوتا اُسے زارا ریجیکٹ کر دیتی۔ یہ لہنگا مناسب ریٹ میں تھا اور آج کل کے ٹرینڈ میں بھی تو زارا بھی خوش

تھی اور فیروزہ تائی بھی، جس پر سب نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔شاپنگ کے بعد آرام سے ان سب نے چاٹ، برگر کھائے تھے۔البتہ پلوشے بیچ بیچ میں گھر فون کر کے احمد کا پوچھ رہی تھی۔

"امّی لوگ آ گئے؟"زارون نے کوئی دسویں بار لاؤنج میں بیٹھے عدیم سے پوچھا تھا۔

"ویسے ایک بات بتائیں، اتنی بے صبری سے تائی کا انتظار ہو رہا ہے یا۔۔۔۔۔۔اہمم اہمم۔"عدیم جو احمد کو فرائس کھلانے میں مصروف تھا زارون کو شرارتی نظروں سے دیکھتے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"زارون نے کھار کھاتی نظروں سے اُسے دیکھا تھا۔

"یہی کہ صباح باجی۔۔۔۔"ابھی بات اُس کے منہ میں ہی تھی کہ باہر سے شور شرابے کی آواز آئی اور وہ سب ہاتھ میں ڈھیروں بیگز لئے اندر داخل ہوئی، دادی جان کے تخت اور صوفوں سمیت تمام کرسیاں بھر چکی تھیں۔وہ سب ہی تھکی ہاری نیند میں لگ رہی تھیں۔

"صباح باجی اتنی دیر لگادی، کوئی کب سے آپ کا انتظار کر رہا ہے۔عدیم نے صباح کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا، جبکہ زارون جو احمد کو گود میں لیے بیٹھا تھا اس بیچارے کو تو شاک ہی لگ گیا۔

"دماغ تمہارا کم چلتا ہے پتہ ہے۔پر آج تو عقل سے فارغ ہی ہو گئے ہو، ہٹو پرے۔"وہ جو اُس سے چپک کر بیٹھا تھا فوراً دور ہوا اور در کھجاتا سائیڈ میں خاموشی سے بیٹھ گیا۔جبکہ باقی سب اب دادی جان اور دادا جان کو لہنگا اور شاپنگ دکھانے میں مصروف تھے۔

کبھی کبھی کچھ اچھا بھی کر لیتی ہو، ورنہ تو بے تکی باتوں کے علاوہ تمہیں کچھ نہیں آتا۔زارون جو ماہا کو پلوشے کو دینے اس کے قریب آیا تھا، آنکھ مارتے کہا۔

Urdu Novels Ghar

خود تو اپنے آپ کو البرٹ آئینسٹائن سمجھتے ہیں۔" صباح نے چڑ کر کہا۔

"فیروزہ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد رات کے کھانے کا انتظام کر لینا، خدیجہ اور حمیرا آئیں گی زارا کی شادی کا جوڑا دیکھنے۔" دادی جان اپنے پان دان میں سے پان بناتے کہہ رہی تھیں۔

"دادی مجھے تھوڑی سی سیکی ہوئی چھالیاں دیں نا۔" عائشہ نے ان کے قریب بیٹھتے سرگوشی کری تھی۔

"ہاتھ مت لگا میں خود دوں گی اور ادھر نا کھانا ورنہ سب جان پر آئیں گی۔" دادی جان نے اُس کے ہاتھ پر تھپڑ جڑتے کہا۔ وہ جو پان دان کو چھیڑ رہی تھی فوراً سیدھی ہو کر بیٹھی اور چپ چاپ چھالیہ لیے کھسک گئی۔

****

وہ دادی جان کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی کہ ٹیلی فون بجنے کی آواز آئی۔ عموماً گھر کے نمبر پر دادی جان کی پڑوس میں رہنے والی سہیلیاں ہی کال کرتیں تھیں تو اُس نے جھٹ سے اُٹھا لیا۔

اسلام علیکم! کون بول رہا ہے؟ نور نے فون کان سے لگاتے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"میں بات کر رہا ہوں۔" انتہائی روکھی چڑچڑی مردانہ آواز آئی تھی۔

"کون میں؟ آپ کا کوئی نام نہیں ہے؟" اُسے بات کرنے والا عجیب لگا۔

"اوہ تو پلوشے شہزاد چند مہینوں میں اپنے شوہر کی آواز تک بھول گئی؟" پھنکارتی ہوئی آواز آئی تھی اور نور نے فوراً فون کان سے ہٹایا تھا۔

چونکہ اُس کی اور پلوشے کی آواز تقریباً ایک جیسی تھی، تو عادل نور کو پلوشے سمجھا تھا۔

اُس نے فون پھر کان پر لگایا اور فون کی دوسری طرف سے بولے جانے والے الفاظ سُن کر نور کا چہرہ سفید پڑا تھا۔ سامنے سے غلیظ قسم کی گالیاں دی جا رہی تھیں۔

"ممی میں نور بات کر رہی ہوں۔ پلوشے باجی کی کزن۔" اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتا اُس نے سامنے والے کو مطلع کیا کے وہ کون ہے۔ اُس کی بات سُن کر وہ کچھ لمحے وہ خاموش ہوا تھا اور قہ پھر اُس سے گویا ہوا۔

"اے ے ے! میری بات سنو لڑکی، تم نور ہو یا جو کوئی بھی، کان کھول کر میری بات سنو اور اپنے گھر والے تک پہنچا دو۔ میں پلوشے کو طلاق ہرگز نہیں دوں گا۔ یہ جو تمہارے گھر والے حق مہر کا گیم کھیل رہے ہیں نا۔ خوب اچھی طرح سمجھ رہا ہوں میں۔ اس پلوشے کے بہت پر نکل آئے ہیں ماں باپ سے مل کر سیکنڈز میں اسے اُس کی اوقات یاد نہیں دلا دی تو میرا نام بھی عادل نہیں۔۔۔۔"

ابھی وہ اور بھی کچھ کہتا کہ نور کے ہاتھ سے کسی نے ریسور کھینچا تھا، دوسری طرف سے اب کی بار آنے والی آواز کسی مرد کی تھی بھاری سرد آواز مردانہ آواز۔

"بکواس بند کر اپنی۔ اگر آئندہ اس گھر کی کسی بھی عورت سے مخاطب ہوا تو جان سے مار دوں گا۔ بہت شوق ہے نہ تجھے مار پیٹ کا بہت جلد یہ شوق بھی پورا کرتے ہیں۔ پھر اپنی اوقات کا تو باخوبی اندازہ لگا لے گا۔" مٹھیاں بھینچتے کہنے والا اذان تھا۔

وہ سب گھر میں داخل ہوئے تھے۔ اور لاؤنج میں کھڑی نور کو فون کان سے لگائے دیکھتے رُکے تھے اُس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید ہو رہا تھا اور چہرے پر ہوائیاں اُڑی ہوئیں تھیں۔

اذبان نے نور کے ہاتھ سے فون لے کر کان سے لگایا، اور سامنے موجود شخص کی بیہودہ باتیں سُن کر اُس کا خون خول گیا تھا۔ وہ تو صد شکر زارون نہیں تھا۔ ورنہ اُس نے فون ہی توڑ دینا تھا۔

فون رکھتے اذبان نے ان سب کو عادل کی کہی باتیں بتائی تھیں۔ اُس کے ماتھے کے بل اب بھی موجود تھے اور نور کسی مجرم کی طرح ایک کونے پر لگ کر کھڑی تھی۔

"یہ کمینہ شخص۔۔" زارون نے مٹھیا بھینچی تھیں۔

"تم ایسے موقعوں پر گونگی کیوں بن جاتی ہو؟" عابص نے اپنی عادت کے مطابق اُسے گھر کا کہا تھا۔

نور جو پہلے گھبرائی ہوئی تھی، اب اُن سب کو سامنے دیکھ پھر نارمل ہو گئی تھی۔ عابص کے کہنے پر خطرناک نظروں سے اُسے گھورا تھا۔

"یہ آپ اپنی زبان کی تیزیاں مجھے مت دیکھائیں۔ میری کیا غلطی ہے؟ میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی مجھ سے تو فون چھین لیا گیا۔" ویسی ہی خطرناک نظروں سے اُس نے اذبان کو گھورا تھا۔

"بلکل اذبان بھائی اگر آپ فون لینے کی حماقت نہیں کرتے ناتو نور بی بی نے ایسی سنانی تھی، ایسی سنانی تھی کہ عادل کو اُس کی پر پر پرنانی یاد آ جاتی۔ بہت لڑاکہ ٹائپ عورت ہے یہ لڑکی۔" عدیم نے نور کے کندھے پر ہاتھ رکھے اُسے زچ کرتے ہوئے کہا۔

"بکواس بند کرواپنی۔ ورنہ تمہاری ساری سہیلیوں کے نام سنبل چاچی کو بتاتی ہوں۔" جھٹکے سے اُس کا ہاتھ ہٹاتے تیکھے لہجے میں کہا تھا۔

"ویسے واقع میں بڑی لڑاکا ہو یار۔ مجھے تو اپنے بھائی پر ترس آرہا ہے۔" آزان نے پہلی بات زور سے باقی بڑبڑاتے ہوئے کہی تھی۔ جبکہ اذبان منہ بند کیے ہمیشہ کی طرح بس نور محترمہ کو دیکھ ہی رہا تھا کہ ہادی کی آواز پر سنبھلا۔

"لسن نور اس بارے میں کسی کو کچھ بتانا مت۔ شہزاد تایا نے فلحال منع کیا ہے۔ ہم اس عادل سے خود ڈیل کرلینگے باقی میں دیکھتا ہوں۔ آگے کیا کرنا ہے کہ پروسس تیز ہو۔" ہادی نے سوچتے ہوئے کہا۔

"ہادی ٹھیک کہہ رہا۔ نور آپ اس بارے میں فلحال کسی سے کوئی بات نہیں کریں گی۔ کسی ایک لڑکی کو بھی پتہ نہیں چلنا چاہیئے۔ انڈرسٹینڈ!" اذبان نے اُسے دیکھتے نرمی سے کہا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" لاپرواہ سے انداز میں کہتے نور نے اذبان کو دیکھا تھا جو پھر اُسے مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ "عجیب ہے بھئی ایسے موقعوں پر کون مسکراتا ہے۔" منہ بناتی وہ دادی جان کے کمرے میں گئی تھی۔ جہاں اصل محفل جمی تھی۔

****

"ملّی نہیں آئی حمیرا؟ وہ بھی دیکھ لیتی زارا کی شادی کا جوڑا۔" فیروزہ بیگم نے ملّی کی غیر حاضری کا پوچھا تھا۔

"پیپرز کی تیاریوں میں لگی ہے بھابھی، اس لیے میں نے بھی زور نہیں دیا۔" حمیرا بیگم نے جواب دیا تھا۔

"خضر کی کوئی خیر خبر ہے؟صہیب اور بہو کیسے ہیں؟" دادی جان جو عبیر کے سر میں تیل کی مالش کر رہی تھیں حمیرا بیگم سے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے امّی جی۔ بس اب واپس آئے گا بہت رہ لیا پرائے ملک۔ سویرا بھی اب تنگ آگئی ہے۔ پر میں نے بھی کہا بھئی جب تک خضر وہاں ہے، تم اور صہیب بھی وہی رہو۔ صہیب تو اتنا شرارتی ہو گیا ہے مت پوچھیں۔" حمیرا بیگم کے انداز میں پوتے کی محبت صاف جھلک رہی تھی۔

"آپ کو پتہ ہے پھپھو سویرا بھابھی نے ابھی سے پلیننگز بنائیں ہوئیں ہیں کہ پاکستان آکر انھوں نے کہا کہا گھومنا ہے۔ اتنا دل ہے ان کا زارا باجی کی شادی اٹینڈ کرنے کا بھی، پر خضر بھائی کی طرف سے تو نو لفٹ کا بورڈ لگا ہوا ہے۔" عبیر نے ان کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔ جو سویرا واٹس ایپ گروپ میں انہیں دیتی رہتی تھی۔

"امّی جی مہمانوں کی لسٹ بھی بنانی ہے۔ حمیرا اور خدیجہ آئی ہوئیں ہیں تو وہ بھی لگے ہاتھ بنا لیتے ہیں۔ "فیروزہ بیگم نے کہا تھا۔

"بھئی میں تو کہتی ہوں دو سو کے قریب کارڈ چھپوا لیتے ہیں۔ پلوشے کے وقت تو ہم نے سب کو بلایا تھا۔ اب تھوڑی سب کو بلائیں گے۔ وہ پلوشے کی شادی والا رجسٹر نکلوا لینا جہاں سے جیسی دعوتیں آئی ہیں ویسی ہی دینگے بس اب ہاں۔" دادی جان نے ناک چڑھاتے کہا تھا۔

"اب شادی والا گھر ہے اور یہ سارے لڑکوں کا فارم ہاؤس نہیں ختم ہو رہا۔ بھلا یہ کوئی وقت ہے گھومنے پھرنے کا۔" سنبل بیگم کو فوراً لڑکوں کا خیال آیا تھا جو آج فارم ہاؤس جانے کی تیاری کر رہے تھے۔

"امّی جی ہفتے کو بنالینگے لسٹ۔ آج تو گھر نکلنا ہو گا۔ فارم ہاؤس جانے سے پہلے یہ لوگ ہمیں گھر چھوڑ دیں گے ۔بچیاں بے شک رُکی ہیں۔" خدیجہ بیگم جو احمد کو گود میں لیے بیٹھی تھیں اُس کے گال چومتے کہنے لگیں۔

گھریلوں باتیں کرتے کرتے ہی سب نے کھانا کھایا اور اپنے اپنے گھر نکل گئے ان کے ساتھ سارے لڑکے بھی ہو لیے۔

وہ تینوں ٹیرس پر اپنا اپنا کولڈ ڈرنک کا گلاس اور لیس چپس لیے بیٹھی تھی۔

"تم دونوں نہیں جانتی شہروز بھائی اور ان کی فیملی کو؟" نور علیشبہ اور ہادیہ سے کہا۔

"شہروز بھائی وہی ڈاکٹر نا؟ ان کی بہنیں بھی ہیں؟" ہادیہ نے قدرے دلچسپی سے استفسار کیا جبکہ علیشبہ چُپ ہی رہی۔

"ہاں دو بہنیں ہیں۔ ایک بار زارون بھائی کے ساتھ آئیں بھی تھیں گھر۔ اور علیشبہ تم اتنی سی بات پر ایسے کیسے سوچ سکتی ہو یار؟" نور نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے کہا اُس کی آنکھوں میں اچانک پانی آیا تھا۔ اور وہ چہرہ موڑ گئی تھی۔ وہ تینوں اب ریلینگ پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ وہ تینوں ہی لان کے ڈھیلے ڈھالے سوٹ میں تھی۔ نور اور ہادیہ نے رف سا جوڑا بنایا ہوا تھا، جبکہ علیشبہ کی صبح کی چوٹی اب تک بندھی ہوئی تھی۔

"میں کسی سے بدزن نہیں نور۔ میں صرف خود سے بدزن ہوں۔ آخر میں کیسے کسی سے محبت کر سکتی ہوں۔ آخر میں نے یہ کیوں کیا۔ ہمارا معاشرہ عورت کو محبت کی اجازت نہیں دیتا۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ کاش نہ کی ہوتی۔" منہ موڑے ہی علیشبہ نے کہا تھا۔

"محبت ہمارے اختیار میں نہیں ہوتی علیشبہ۔ خود کو قصوروار مت سمجھو اور فلحال بس تم زارا باجی کی شادی انجوائے کرو۔ عابص بھائی کو میں جانتی ہوں بس اوپر اوپر سے ہی ایسے ہیں، سوچ لیں گے ان کے لیے بھی کچھ۔" نور نے آنکھ مار کر مُسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں مُنڈا سخت ہے۔ پر ہم کونسے کم ہیں وہ ابھی ہمیں جانتے نہیں۔ تم دیکھنا کیسے پیچھے پیچھے آیا کرینگے تمہارے۔" ہادیہ نے بھی اسے چڑاتے کہا۔

"بدتمیزی بند کرو تم دونوں۔" علیشبہ نے دونوں کو گھورتے کہا تھا۔ پر اب وہ جانتی تھی اُسے کیا کرنا ہے۔ مدھم مسکراہٹ لیے وہ اب ان سے ادھر اُدھر کی باتیں کر رہی تھی۔

پلوشے اور زارا کے کمرے میں زارا کمبل میں منہ دیۓ سو چکی تھی۔ اُس کا کہنا تھا کہ دلہن کی نیند پوری ہونی چاہیۓ۔ ورنہ ڈارک سرکلز ہو جاتے ہیں۔ جبکہ پلوشے اور صباح احمد کو سلانے کے بعد اب آرام سے بیٹھی باتیں کرنے میں مصروف تھیں۔ اتنے سالوں بعد ایک بار پھر وہ ایسے بے فکر ہو کر ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔

"تم بہت مضبوط ہو وشہ۔ اور بہادر بھی۔ میں جس وشہ کو جانتی تھی وہ تو بہت ڈرپوک تھی، چڑیا جتنا دل رکھنے والی نازک سی لڑکی۔ پر مجھے یہ وشہ زیادہ پسند ہے۔ اب تم لگ رہی ہو صباح کی بیسٹ فرینڈ۔" صباح اینڈ میں اتراتے ہوئے کھکھلائی تھی۔

"انسان خود تو کچھ بھی نہیں ہوتا صباح، یہ اُس کے آس پاس کے لوگوں پر ڈیپینڈ کرتا ہے۔ وہ اُسے جیسا رکھتے ہیں وہ ویسا ہی بن جاتا ہے۔ تمہیں پتہ ہے میرا سب سے بڑا خوف طلاق یافتہ ہو جانا تھا۔ عادل کے ہر ظلم کے بعد بھی میں طلاق نہیں چاہتی تھی۔ شاید مجھے اپنے گھر والوں پر اعتماد ہی نہیں تھا۔ زارون ٹھیک

کہتا ہے۔میرے ساتھ جو ہوا اُس میں قصور میرا بھی ہے۔مجھے اپنے سے منسلک رشتوں پر اعتماد کرنا چاہیئے تھا۔میں جب یہاں آئی میں بہت خوفزدہ تھی صباح۔پر مجھ سے تو کسی نے کچھ کہا ہی نہیں کچھ بھی تو نہیں پوچھا۔بس جو میں نے بتایا وہ سنا۔کسی نے ایک سوال تک نہیں کیا مجھ سے۔"گہری سانس لیتے اُس نے ایک بار پھر کہنا شروع کیا۔"شادی کے بعد پہلی بار اپنے باپ اور بھائی کے علاوہ کسی مرد سے واسطہ پڑا تھا میرا۔مجھے لگتا تھا سب مرد ایسے ہی ہوتے ہوں گے پر عادل میرے گھر کے مردوں جیسا نہیں تھا۔میں سوچتی تھی میں واپس آجاؤ ایک بار جب امّی سے شکایت کی تو انہوں نے سمجھا اور کہا صبر کرو شروع میں سب مرد ایسے ہی ہوتے ہیں۔اُس کے بعد میں نے کبھی شکایت کی ہی نہیں مجھے لگتا تھا میں اگر واپس آ بھی گئی تو یہاں بھی سب مجھے صبر کی تلقین کرتے واپس عادل کے پاس بھیج دیں گے۔اس لیے میں نے کبھی ہمت ہی نہیں کی کچھ کرنے کی۔کاش میں پہلی بار ہی بابا کو سب بتا دیتی۔پر ان چند مہینوں میں مجھے سمجھ آگیا ہے۔ایک ناکام شادی سے عورت نکل آتی ہے۔عورت کو کمزور طلاق نہیں کرتی یہ معاشرہ کرتا ہے۔اللہ کو طلاق ناپسند ہے۔پر اللہ نے یہ تو نہیں کہا کے کسی جانور کے ہاتھ مر جاؤ پر طلاق نا لو؟ میرا یہ ڈر زارون نے دور کر دیا اُس نے مجھے سمجھا دیا طلاق مشکل نہیں ہے۔اگر ایک لڑکی کے گھر والے اس سیچویشن میں اُسے پروٹیکٹ کریں اُسے سپورٹ کریں اُس کے آگے ڈھال بن جائیں تو طلاق واقع کوئی موزی بیماری نہیں ہے۔"وہ کچھ دیر سانس لینے کو رکی اور پھر آنکھیں بند کر کے کھولتے کہا۔

"مجھے فرق نہیں پڑتا اب کوئی کچھ بھی کہے کیونکہ تم سب میرے ساتھ ہو،ہاں بس مجھے افسوس ہوتا ہے میں نے واپسی میں دیر لگا دی۔میں جان ہی نہیں پائی کے میرے میکے والوں نے کبھی بھی میرے لیے واپسی کے دروازے بند نہیں کیئے تھے۔"دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے اُس کی آنکھیں ایک بار پھر بھیگی تھیں

۔وہ اب بھی رو نہیں پاتی تھی پر اس کے اندر کی برف آہستہ آہستہ پگھل رہی تھی۔پلوشے شہزاد اپنے آنگن کے چھاؤں میں نارمل ہوتی جا رہی تھی۔اب اُس کی آنکھوں میں کسی قسم کا کوئی خوف نہیں تھا۔

"ویسے ایک بات کہوں تو۔۔۔؟اندازہ تو مجھے بھی نہیں تھا کہ زبیر ماموں کے علاوہ بھی ہمارے خاندان کے مردوں کی سوچ اتنی پوسیٹو اور آزاد ہے۔فیروزہ ممانی تمہاری ڈائیورس والی بات پر راضی نہیں تھیں پر انہیں راضی کرنے والے اس گھر کے مرد تھے۔اگر گھر کے مرد مردانگی ثابت کرنا شروع کر دیں نا ت کوئی عورت مشکل میں بے آسرا نہیں ہو۔"صباح نے اُسے کہا جو سوئے ہوئے احمد کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھی۔

"امّی کو زارون نے منایا تھا صباح۔۔۔!میں جانتی ہو تم اور زارون اس رشتے سے خوش نہیں ہو۔پر جیسے مجھے زارون کے لئے تم پرفیکٹ لگتی ہو،ویسے ہی تمہارے لیے زارون لگتا ہے۔زارون بہت اچھا ہے۔ایک پرفیکٹ لائف پارٹنر اور یہ میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ وہ میرا بھائی ہے۔میں اس لیے کہہ رہی ہو کیونکہ مجھے طلاق لینے کا حوصلہ اس نے ہی دلایا ہے۔زارون شادی کی اہمیت اور اس کے معنی بہت اچھی طرح جانتا ہے۔ہاں وہ تم سے محبت نہیں کرتا پر وہ کہتا ہے اب تم اُسے بُری نہیں لگتی۔"پلوشے نے آخری بات ہنستے ہوئے کہی تھی۔

"کیا مطلب میں پہلے انہیں بُری لگتی تھی؟"صباح نے فوراً تیوری چڑھاتے پوچھا۔

"اب یہ تو تمہیں بھی پتہ ہے۔جس طرح تم یہاں آکر اُس کی ہر چیز پر قبضہ کرتی تھی۔ظاہر ہے اچھی تو لگ بھی نہیں سکتی تھی۔پلوشے نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کچھ کھلونے اور سوتے ہوئے ان کا تکیہ ہی تو لیا کرتی تھی میں۔ اور اگر اب اُس کے دادا دادی میرے نانا نانی ہیں اور مجھ سے زیادہ پیار کرتے ہیں تو میں کیا کر سکتی ہوں؟ ویسے کچھ بھی ہو جائے تم کبھی میرے سائیڈ نہیں لینا۔ غلط تھی میں کہ تم بدل گئی ہو۔ تم اب بھی اپنے جل کُکڑے بھائی کی سائڈ پر ہو۔ بلکہ اب تو وہ تمہاری ہم شکل نور بھی آ گئی ہے۔ اور زارون کی تو ویسے ہی چمچی ہے وہ۔ اور وہ بھی ایسے ہنس ہنس کر بات کرتے ہیں نور سے جیسے۔۔" صباح نے جزباتی ہوتے فر فر کہا تھا۔

"تم نور سے جیلس ہو رہی ہو؟" پلوشے نے اُس کا چہرہ اپنے سامنے کیے حیرت سے پوچھا۔

"تم سب بھائی بہن نا بہت خو شفہم ہو بھئی۔" صباح نے زبان دانتوں تلے دباتے کہا تھا۔ "ایک تو میری زبان بھی نا صحیح ذلیل کرواتی ہے۔" بڑبڑاتے ہوئے وہ کمبل میں منہ دیئے سوتی بن گئی تھی۔

****

رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ زیتون محل میں اس وقت سناٹوں کا راج تھا۔ رات کے اس پہر کسی نے چپکے سے اُس کے کمرے کا دروازہ بجایا تھا۔ بستر میں منہ دیے وہ ہینڈ فری کان میں لگائے عاطف اسلم کا نیا گانا سننے میں مصروف تھی۔ باہر جو بھی تھا سمجھ چکا تھا کہ اندر موجود شخص یا تو سو چکا ہے۔ یا ہینڈ فری کان میں گُھسائے بیٹھا ہے۔ اس لیے وہ وہاں سے جا چکا تھا۔ موبائل کی بیل پر وہ ہڑبڑائی تھی۔ اور ہاتھ میں پکڑا موبائل زور سے اس کی منہ پر گرا تھا۔

"یا اللہ میری ناک۔ ہائے فلک میرا منہ ٹوٹ گیا یار۔۔ امّی۔۔۔۔ کس کو رات کے اس پہر موت آ گئی ہے۔ اللہ اتنی زور کی لگی ہے۔" خود کو اور فون کرنے والے کو کوستے وہ چادر پرے کرتے اُٹھی تھی۔

"یہ ساری بہنیں ہی گدھے گھوڑے بیچ کر سوتی ہیں۔ بندہ مر جائے پر فلک کے خراٹوں کو ذرہ برابر فرق نا پڑے۔" غصے میں بڑبڑاتے اُس نے فون چیک کیا تھا۔ زارون کی پانچ مس کالز تھی۔ اُس نے جلدی سے کال بیک کی۔

"ہیلو!" فون کان سے لگاتے اُس نے کہا۔

"کہاں ہو؟ کب سے کال کر رہا ہوں۔" وہ فوراً بولا تھا۔

"یار بھائی رات کے اس پہر سب سو ہی رہے ہوتے۔ خیر کیا ہوا کافی پینی ہے؟" نور نے اپنی ناک مسلتے کہا تھا۔

"سب سو رہے ہوتے ہیں، سوائے تمہارے اور نہیں کافی نہیں پینی۔ مجھے کام ہے بلکہ ہم سب کچن کے پچھلے گیٹ پر کھڑے ہیں میری پیاری بہنا ذرا جلدی آؤ۔" زارون نے فوراً مدعا بیان کیا تھا۔

"یہ جب آپ مطلب پڑنے پر اتنی میٹھی زبان کہتے ہیں نا عدیم کی کاپی لگتے ہیں، آرہی ہوں صبر کریں۔" فون کاٹتے وہ بستر سے اُٹھی تھی۔ اور دونوں ہاتھ پھیلائے انگڑائی لی اور منہ بناتے ایک نظر فلک کع دیکھتے کوفت سے آنکھیں پھیریں۔

"ان نکمّوں کو ایک نور مل گئی ہے۔ جب دل کیا اُٹھا دیتے ہیں۔ بھلا کوئی پوچھے ان سے مجھے سیلری دیتے ہیں کیا؟ یا اللہ ان کی شادیاں کروا اور میری ان سب سے جان چُھڑوا دے۔ ایک تو یہ چشمش کے بھی مزے ہیں۔ بارہ بجتے نہیں ہیں اس کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ جیسے سنڈریلا تو یہی ہو۔"

بالوں کارف ساجوڑا بناتی ڈوپٹہ گلے میں ڈالے۔بڑبڑاتی ہوئی وہ کمرے سے نکلی تھی۔کچن کا جھالی دار دروازہ جو آنگن میں وینٹیلیشن کی وجہ سے کُھلوایا گیا تھا۔وہی وہ سب کھڑے تھے۔

"آپ سب یہاں کیوں کھڑے ہیں فارم ہاؤس جانا تھا آپ سب نے؟"نور کو دال میں کچھ کالا لگا تھا۔

"نور ہم پنڈی جارہے ہیں۔"زارون نے آگے بڑھ کر اُسے کہا تھا۔ایک طرف اذبان گاڑی کی چابی ہاتھ میں گُھماتے اُسے تکنے میں مصروف تھا۔نیند کی وجہ سے اُس کی کالی گہری آنکھیں سرخ ہو رہی تھی ۔دوسری طرف ہادی ہاتھ میں کچھ فائلز پکڑے کھڑا فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔اور علی سینک میں کھڑا اپنا منہ دھونے میں مصروف تھا۔اور آزان اور عدیم دونوں دیوار سے ٹیک لگائے ایک دوسرے کے کندھے پر سر رکھے خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔

"کیا۔۔۔!آخر کیوں۔۔۔؟وہاں بھلا کیا کام ہے اب؟زارون بھائی اگر شہزاد تایا کو پتہ چلا تو بہت خفا ہوں گے آپ۔۔۔آپ ان سب کو بھی اپنے ساتھ لے جارہے ہی؟۔وہ بھی آدھی رات کو۔۔۔سب بہت ڈانٹیں گیں۔۔وشہ باجی کا معاملہ بڑوں کو حل کرنے دیں۔آپ سب کیوں جارہے ہیں آخر؟"نور نے بغیر سانس لیے کہا تھا۔چمکتے چہرے پر پریشانی آئی تھی۔

"عادل نے پلوشے کو طلاق دینے سے منع کر دیا ہے۔اور تایا جان کا کہنا ہے،کہ حق مہر چھوڑ دیا جائے اور خلا کا نوٹس بھجوایا جائے۔"اذبان نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

"تو حق مہر چھوڑ دیں۔بجو کون سا مری جارہی ہیں حق مہر کے لیے۔اُس شخص سے جان چھوٹ رہی ہے یہی بہت ہے۔"نور نے کہا تھا۔

"حق مہر لڑکی کا حق ہوتا ہے۔ وہ شخص ہماری بہن کی پہلے ہی بہت حق تلفی کر چکا ہے۔ پہلے ہم نہیں جانتے تھے۔ اس لیے پلوشے کے لیے کچھ نہ کر سکے۔ پر اب اُس کے ساتھ کوئی حق تلفی نہیں ہو گی۔ اگر وہ عزت کی زبان نہیں سمجھتا تو ہم اُس سے اُسی کی زبان میں سمجھائیں گے۔ وہ حق مہر دے گا۔ اُسے دینا پڑے گا۔ ورنہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے سڑے گا۔" اذبان نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا تھا۔

اُس نے جھر جھری لیتے ایک قدم پیچھے کو لیا۔ اذبان کا یہ روپ اُس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ "آپ۔۔۔ آپ لوگ کیا کرنے جا رہے ہیں؟ اذبان کی طرف دیکھتے اُس نے پوچھا تھا۔ اور اذبان کی آنکھوں کے بدلتے تاثرات نے نور کو ٹھٹھکایا تھا۔ اور اُس نے فوراً ہی اپنی نظروں کا رُخ بدلا تھا۔

"پریشان مت ہو۔ بس ہم اُس سے ان پیپرز پر سائن کروانے جا رہے ہیں۔ جن کے مطابق پلوشے کا تمام زیور جو اُسے شادی پر دیا گیا تھا۔ اُس کا حق مہر اور بچوں کی کسٹڈی سب پلوشے کے پاس رہے گی۔" اذبان نے بھی اُس پر سے نظریں ہٹاتے کہا تھا۔

"میری شفیق انکل سے بات ہو گئی ہے سب کچھ پرفیکٹ ہے۔ بس عادل کی سائن چاہیئے۔" ہادی نے فون کاٹتے ہی کہا تھا۔ اور تم لڑکی کسی کو بتانے نہ بیٹھ جانا ہم کہا گئے ہیں۔ ہادی نے نور کو دیکھتے کہا جو ہونک بنے ان سب کو بڑی عجیب نظروں سے گھور رہی تھی۔

"پتہ نہیں کیا کرنے جا رہے ہیں آپ سب۔ پر پہلے ان سوئی ہوئی آتماؤں کو تو جگائیں۔ فلک کی خراٹیں سُن سُن کر ویسے ہی کان پک گئے ہیں میرے رہی سہی کسر یہ پوری کر رہے ہیں۔" عدیم اور آزان کو دیکھتے کہا تھا۔ "ویسے زارون بھائی صبح سب پریشان ہو جائیں گے پھر کیا ہو گا؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔"

"کوئی پریشان نہ ہو جبھی تو تمہیں اُٹھایا ہے۔ دیکھو ہم نے سب کو کہا تھا کہ ہم رات میں فارم ہاؤس جا رہے ہیں۔ تم صبح اٹھ کر کہنا کہ رات کو ہمارا فون آیا تھا اور ہم نے کہا ہے کہ ہم ایک دن اور ٹھہر کر آئیں گے۔ ویسے بھی میں یا اذبان شہزاد تایا کو کال کر کہہ ہی دیں گے۔ تمہیں بتانے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ تمہیں پلوشے کے فون اور لینڈ لائن پر نظر رکھنی ہے۔ کیونکہ عادل کے پاس ان دو نمبرز کے علاوہ گھر میں کسی اور کا نمبر نہیں ہے۔ کسی طرح پلوشے کے فون سے عادل کا نمبر بلاک کر دینا اور لینڈ لائن سے چپکی رہنا عادل اگر فون کرے تو اُس کا فون اور کوئی نہ اُٹھائے انڈرسٹینڈ۔۔؟" زارون نے اُسے ایک ایک بات سمجھائی تھی۔ جس پر اس نے صرف سر ہلایا تھا۔

"ایک بات اور پوچھنی تھی۔ یہ عابص بھائی کو واقع پلوشے بجو سے کوئی محبت نہیں ہے۔ وہ نہیں جا رہے؟" کمر پر ہاتھ دھرتے اس نے ایک آئیبرو اونچی کرتے کہا تھا۔

"گاڑی لینے گیا ہے میرا بھائی۔ بس فوراً آگ لگانے والی بات کر دینا۔" عدیم نے پٹ سے آنکھیں کھولتے کہا تھا۔

"تم تو ابھی تک خراٹیں لے کر سو رہے تھے؟ اب اُٹھ گئے؟" نور نے آنکھیں گُھماتے کہا اور چیئر گھسیٹ کر اُس پر بیٹھی۔

"ایسے ہی تو میں اس کو سٹار پلس کی ہیروئین نہیں کہتا نا۔" علی جو منہ دھونے کے بعد اب اپنے بال بنا رہا تھا فوراً بولا۔

"جبکہ ہیر وئینز والے کام تیرے ہیں۔" عدیم نے فوراً اُس کے ٹپ ٹاپ حلیے پر چوٹ کرتے کہا تھا۔ وہ سب ہی ٹراؤزر اور ٹی شرٹ میں رف سے حلیے میں تھے۔ جبکہ علی ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی فُل فارم میں تھا۔

عابص آگیا ہے۔ چُپ چاپ باہر نکلو۔ اذبان نے ان سب کو کہا۔ زارون وہاں پڑا ایک بیگ اُٹھاتا باہر نکلا اُس کے پیچھے ہی ہادی، علی اور عدیم بھی نکلے جبکہ اذبان سوئے ہوئے آزان کو اُٹھانے وہی کھڑا رہا۔

"سنو!" اذبان نے چیئر پر بیٹھی نور کو دیکھتے کہا۔

"سنائیں۔۔؟" ایک ہاتھ گال پر رکھے وہ نیند میں آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی اور یقیناً وہ نہیں جانتی تھی اُسے کس نے مخاطب کیا ہے۔ ورنہ اذبان کے سامنے اس کی سٹی گم ہی رہتی تھی۔

"یو لُک سو کیوٹ۔۔" اُس پر پیار بھری ایک آخری نظر ڈالتے وہ مُسکرایا تھا اور باہر نکل گیا۔ اُسے خود اپنی یہ حرکت کچھ عجیب لگی تھی پر ہائے یہ دل۔

وہ جو نیند میں تھی بھک سے اُس کی نیند اُڑی تھی اور اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے جھالی دار دروازے کو گھورا تھا۔ جواب ہلکا ہلکا ہل رہا تھا۔

"کیا مجھے کہہ کر گئے ہیں؟" بڑبڑاتے ہوئے وہ اپنی آپ کو نارمل کرتی اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ اُسے اذبان کا انداز ڈسٹرب کر رہا تھا۔ وہ پہلے تو ایسا نہیں تھا۔ یا شاید پہلے اُس نے کبھی غور نہیں کیا۔

******** ********

کالے رنگ کا شلوار قمیض پہنے آنکھوں پر کالے ہی چشمے لگائے بالوں کو جیل سے سیٹ کئے وہ انتہائی ہینڈسم سالڑکا زیتون محل کے باہر کھڑا تھا۔ بیل بجاتے اُس نے دروازہ کھلنے کا انتظار کیا تھا۔

"کون ہے؟" اندر سے کسی عورت کی آواز آئی تھی۔

"جی میں؟" کنفیوز سے انداز میں اُس نے کہا تھا۔

"کون میں؟ میں میں تو بکری کرتی ہے۔" اندر موجود عورت بڑی ہی کوئی تیز لگتی تھی۔

"گیٹ کھول دیں پلیز۔" عجیب مشکل میں پھنس گیا تھا وہ۔

"ارے میاں! ایسے کیسے کھول دوں۔ نام پتہ کچھ ہے کہ نہیں۔ اندر سے طنز میں ڈوبی آواز آئی تھی۔

"جی میں روبینہ پھپھو کا بھتیجا۔" اب کی بار پورا تعارف کروایا تھا۔ اور فوراً سے گیٹ کھولا گیا تھا۔

"ارے بیٹا پہلے کہہ دیتے۔ آؤ اندر آؤ۔" سنبل چاچی نے فوراً موڈ بدلا تھا۔ انہیں روبی بیگم کا بھتیجا پہلی ہی نظر میں بے حد پسند آیا تھا۔ حالانکہ ایسے خوش قسمت لوگ بہت کم ہوا کرتے تھے۔

"جی شکریہ مجھے لگا میں غلط ایڈریس پر آگیا ہوں۔" اُس نے بھی خوب تڑک کر جواب دیا تھا۔ آخر روبی بیگم کا بھتیجا تھا۔

"ارے ضرار آگئے تم؟ امّی کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔" نور نے آگے بڑھ کر کہا تھا۔ ضرار بھی نور کو دیکھ کر کچھ بہتر محسوس کر رہا تھا۔ ورنہ اتنے لوگوں میں وہ بہت آکورڈ فیل کر رہا تھا۔

"صبح سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں ہم۔ہادی کو بھی صبح تک آ جانا تھا۔پر فون کر کے کہا کے رات دیر ہو جائیگی۔ویسے نور سے بھی تمہاری دوستی ہے۔جب تک ان سب کے ساتھ ٹائم گزارو۔"روبی بیگم تو بھتیجے کو دیکھ پھولے نہیں سما رہی تھی۔

"ارے روبینہ کیا باؤلی ہوئے جا رہی ہے۔بچہ ابھی تو گُھسا ہے۔کمرہ دکھا تا کہ ہاتھ منہ دھوئے پھر کچھ کھلا پلا۔آتے ہی بس شروع ہو گئی ہے۔"دادی جان جو اپنے تخت پر بیٹھے دھنیا چُن رہی تھی بول پڑی۔

ضرار جس نے اپنے گھر میں اپنے ماں، باپ کے علاوہ کسی کو نہ دیکھا تھا۔اتنے لوگوں کو جانچتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔اُسے اپنا آپ آتے ہی بہت اَن فِٹ لگنے لگا تھا۔

* * * * * * * * * * * * * *

"میری مہینوں کی جمع پونجی اس پلین کی ٹکٹ میں لگ گئی ہے۔پر یہاں آ کر پتہ چل رہا ہے۔عادل صاحب تو گھر پر ہی نہیں۔"کالونی سے نکلتے ہی عدیم بولا۔

"ہم ایسے واپس کیوں جا رہے ہیں۔کیا پتہ وہ گھر میں ہی کہیں چُھپا بیٹھا ہو؟"آزان زارون کو دیکھتے ہوئے بولا، جو بس چُپ چاپ چلا جا رہا تھا۔

"زارون سٹاپ اٹ۔ایسے واپس جانے کے لیے آنا تھا تو بہتر تھا تم یہاں آتے ہی نہیں۔"عابص نے غصّے میں کہا تھا۔زارون نے راستے میں آئے پتھر کو ٹھوکر ماری تھی۔اور وہی فٹ پارتھ پر سر گرائے بیٹھ گیا تھا۔

"ریلیکس گائز۔ ہم اگر یہاں آ گئے ہیں تو ہمیں کچھ سوچنا پڑیگا۔ زارون کچھ یاد کرو جب پہلے تم یہاں آئے تھے، تو تمہیں پتہ ہو گا پلوشے نے خط کس کے ہاتھ بھجوایا تھا؟" اذبان نے اُس کے برابر میں بیٹھتے کہا۔

"زید!" زارون نے سر گوشی کی تھی اور چہرہ اوپر اُٹھایا تھا۔ دبے دبے جوش کے ساتھ اُس نے دوبارہ زید کا نام لیا تھا۔ یہ وہ بندہ ہے جو ہمیں عادل تک پہنچائے گا۔ چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ اس نے کہا تھا۔ اب آہستہ آہستہ رات کی سیاہی ڈھلنے لگی تھی۔ سورج طلوع ہوتے ہی وہ سب ایک بار پھر کالونی میں گھسے تھے۔ پر اس بار بہت سی نظریں ان سات وجیہہ لڑکوں پر تھی۔ ایک شان اور چہرے پر بے حد سنجیدگی کے ساتھ وہ سب ایک ساتھ چلتے ہوئے پُر کشش اور ہیرو والی وائبز دینے ہی لگے تھے، کہ یکدم عدیم بول پڑا۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے۔ یہ سب ہمیں اپنا داماد بنانے کے چکر میں ہیں؟ اُس نے آس پاس موجود آنٹیوں کو دیکھتے ہوئے اتراتے کہا۔ جو والہانہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"تو اپنی فضول گوئی کر کے میرا غصہ ٹھنڈا مت کر ورنہ عادل کی جگہ تو پٹ جائیگا۔" ہادی نے اس کی کمر پر مُکّا جھڑتے کہا۔

شان سے چلتے ہوئے وہ سب زید کے گھر کے باہر رکے تھے۔ کالج جانے کے لیے وہ جیسے ہی باہر نکلا۔ سات نوجوان ہٹے کٹے لڑکوں کو دیکھ یکدم بوکھلا گیا۔ پھر انہیں کچھ اگنور کرتے آگے بڑھا ہی تھا کہ زارون نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھے کہا۔

"میں زارون ہوں۔ پلوشہ کا بھائی۔ بات کرنی ہے تم سے اگر تم دس منٹ ہمیں دے دو تو بہت مہربانی ہو گی تمہاری۔" زارون نے بہت ہی نرم سے لہجے میں التجا کی تھی۔

"پلوشے باجی کے بھائی؟ کیسی ہیں وہ؟ مجھے بہت فکر تھی ان کی۔ آپ اندر آئیں میری امّی بھی بہت فکر مند تھی ان کے لیے۔ ہمیں لگا وہ کراچی جا چکی ہیں۔ وہ واپس آ گئی کیا؟" زید نے بغیر رکے سوال شروع کر دیے تھے۔ اور سوالیہ نظروں سے اب وہ ان سب کو دیکھ رہا تھا۔ پھر دوبارہ بولا۔ "مجھ سے کیا کام ہے آپ کو۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں دوبارہ ان کی مدد کرو تو یہ نہیں ہو سکتا۔ محلے میں اب کوئی بھی عادل بھائی کے گھر کی طرف نہیں جاتا۔" اب کی بار نظروں میں کچھ ناراضگی تھی۔ اُسے لگا پلوشے واپس یہاں آ گئی ہے۔

"پلوشے کراچی میں ہے۔ اور بلکل ٹھیک ہے۔" زارون نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہمیں تم سے کچھ اور کام ہے۔ کیا تم عادل کا پتہ بتا سکتے ہو؟ مطلب وہ گھر پر نہیں ہے، تم لوگوں کو پتہ ہو گا وہ کس وقت گھر آتا ہے کس وقت جاتا ہے۔"

"وہ تو اب کم کم ہی یہاں آتے ہیں۔ پر میں ان کے آفس کا ایڈریس دے دیتا ہوں۔ وہاں وہ باقاعدگی سے جاتے ہیں۔ پر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" زید نے انہیں عادل کے آفس کا ایڈریس لکھوایا تھا۔

"ہمیں کچھ کام تھا تم اپنا خیال رکھنا۔" وہ سب اسے شکریہ کہتے اس کے بغلگیر ہوتے وہاں سے روانہ ہوئے تھے۔

آفس سے وہ سیگریٹ جلاتے پارکنگ ایریا کی طرف بڑھا تھا۔ اور اچانک ہی اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا۔ کسی نے اس کے چہرے پر کپڑے کو مضبوطی سے باندھ کر پکڑا ہوا تھا۔

"چھوڑو مجھے۔۔۔ کون ہو۔۔۔ چھوڑو۔۔۔۔۔ کیا بیہودہ حرکت ہے۔۔۔ ہے کون تو۔۔۔" عادل کی چیخیں پورے پارکنگ ایریا میں گونج رہی تھی کہ زارون نے ایک زوردار مکا اس کے پیٹ پر دے مارا۔

عابص نے ایک تھپڑ علی نے ایک لات اور انہیں دیکھتے آزان اور عدیم تو اُس پر چڑ بیٹھے تھے۔ عدیم بچوں کی طرح اس کی پیٹھ پر بیٹھے مکّے برسا رہا تھا۔ جبکہ آزان اس کے بال بڑے ہی جوش و خروش سے کھینچ رہا تھا۔

"میری بچپن کی خواہش تھی کہ میں کسی کے ایسے بال کھینچتا۔ آخر آج پوری ہو ہی گئی" آزان بال کھینچتے ہوئے مزے سے بولا۔

"ابے تو ادھر جا کر اپنی خواہش پوری کر۔ میرے مکّوں کے بیچ میں مت آ۔" عدیم نے تو عادل کی پیٹھ کو گھوڑا گاڑی ہی سمجھ لیا تھا۔

"ہو کون تم لوگ۔۔؟ چھوڑو مجھ مجھے۔ میرا سان۔۔۔ سانس۔۔۔۔" عادل پھولے ہوئے سانس کی وجہ سے بول نہیں پا رہا تھا۔

آخر کار اذبان نے بیچ میں آتے ان دونوں کو عادل کے اوپر سے اُٹھایا تھا۔ جو ابھی تک سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہوا کیا ہے اور کس نے کیا ہے۔ زارون نے آگے بڑھ کر اس کے سر سے علی کی شرٹ ہٹائی تھی، جو وہ ایکسٹرا لے کر آیا تھا۔ جس کا حال عدیم اور آزان ویسے ہی بُرا کر چکے تھے۔

"صباح باجی نے دلائی تھی یہ شرٹ مجھے۔ اتنی بُری حالت کیوں کی اس کی؟" علی اپنی شرٹ زارون سے لیتا صدمے میں بولا۔ جس کی حالت عدیم اور آزان عادل کو پیٹتے وقت خراب کر چکے تھے۔

"قسم سے مزہ آ گیا۔ اگر اذبان بھائی نہ آتے نا بیچ میں اس شخص کا حشر بگاڑ دینا تھا میں نے۔" عدیم نے فخر سے گردن اکڑاتے ہوئے کہا جیسے غزوۂ ہند ہی جیت لی ہو۔

"مر مرہ جاتا اگر یہ تو لینے کے دینے پڑ جاتے بے وقوفوں۔ اپنے آپ کو پھول کی کلی سمجھ کر چڑ بیٹھے تھے دونوں۔۔؟" عابص نے عدیم اور آزان کو کہا۔ پر اس کی شکل سے لگ رہا تھا جیسے وہ بھی اس سب کو انجوائے کر رہا تھا۔

"تم۔۔ تم اس پلوشے کے۔۔۔۔؟" عادل نے مٹھیاں بھینچتے کہنا ہی چاہا تھا کہ زارون نے پھر ایک مُکا سیدھا اس کے چہرے پر مارا۔ عادل جیسے ہی جوابی کاروائی کرنا چاہی عابص اور ہادی نے اُسے پکڑ لیا۔

"ہاں تو عادل صاحب کیسا محسوس کر رہے ہو۔ خود کو بے بس محسوس کر رہے ہو نا؟ مجھے مارنا چاہ رہے ہو گے ؟ دل چاہ رہا ہو گا ہم سب کا منہ توڑ دو۔ پر ہم سات اور تم ایک۔ اس لیے چاہ کر بھی ہم سے لڑ نہیں پا رہے ۔۔۔؟ ایسی ہی بے بسی میری بہن بھی محسوس کرتی ہو گی۔ تکلیف ہو رہی ہے نا۔۔۔؟" اس کے چہرے سے رستے ہوئے خون کو دیکھ زارون نے کہا تھا۔ مرد ہو کر ذرا سی مار پر تڑپ اُٹھے۔ میری بہن نے عورت ہو کر اس سے زیادہ سہا تھا عادل۔ میں یہاں بدلہ لینے نہیں آیا۔ کیونکہ تم شاید وہ سب برداشت ہی نا کر پاؤ۔ اور میں ویسے بھی اپنی بہن سے وعدہ کر چکا ہوں کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ کیونکہ ایسا کرنے کے لیے مجھے میرے معیار سے نیچے آنا پڑے گا۔ میں یہاں صرف تمہیں وارن کرنے آیا ہوں، پلوشے کو بے بس مت سمجھنا اُس کا بھائی۔۔۔"

اس سے پہلے وہ جملہ پورا کرتا عدیم بیچ میں بول پڑا۔ "اس کا بھائی نہیں اس کے بھائی۔ "کا نہیں کے"۔" خفگی سے کہا تھا۔ "ہر وقت بس خود ہی کو آگے نا کر لیا کریں۔ مجھے اپنی پاکٹ منی لُٹ جانے کا غم نہیں بھولا ہے۔ اوپر سے بھائی صرف خود کو بنا دیا ہے۔ ہم تو جیسے فری میں اُڑ کر آئے ہیں یہاں۔" عدیم کی بات سُن سب نے ہی زارون کو دیکھا تھا اور پھر یکدم اس نے کا کی جگہ کے لگا یا تھا۔

"اُس کے بھائی تمہارا حشر بگاڑ دینگے۔" اب کی بار" کے" پر زور دیتے زارون نے جملہ کنٹینور کھا تھا۔" اب اس پر شرافت سے سائن کر دو۔ ہم کوئی مار پیٹ نہیں چاہتے۔ بس ان پیپرز پر سائن کرو اور اپنے لیے آسانی چنو ورنہ ہمیں اور بھی بہت طریقے آتے ہیں۔" ہادی نے پیپرز اس کے آگے کیے تھے۔

"کک کیا ہے ان میں۔ میں کیوں سائن کرو۔ کیا لکھا ہے اس میں۔" بوکھلاتے ہوئے عادل نے کہا تھا۔ در حقیقت وہ اس وقت ڈر گیا تھا۔ اور یہ بھی سمجھ گیا تھا کہ وہ ان سے اکیلے نہیں بھڑ سکتا۔ فلوقت ان کی بات مان جانے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں بچتا تھا۔

"اس میں صاف صاف لکھا ہے کہ بچوں کی کسٹڈی پلوشے بجو کو شادی میں ملنے والا زیور اور ان کا حق مہر تم انہیں دوگے۔ اور ہم یہاں سے حق مہر اور زیور لیے بغیر کہیں نہیں جائیں گے تمہارے پاس صرف دو گھنٹے ہیں۔"

ٹھیک ہے۔۔۔ لے لو حق مہر اور زیور۔۔۔ پر میں اب اُس کی اتنی بدنامی کروں گا کہ تم خود آؤ گے میرے پاس یہ کہنے کی میری بہن کو اپنا لو۔" عادل نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے کہا تھا۔ جس پر زارون نے اپنا خود پر سے کنٹرول کھوتے اس پر لپکا تھا پر اذبان بیچ میں آگیا۔

"تم کون ہوتے ہو کسی کو بدنام کرنے والے ہاں۔۔؟ عزت اور ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اپنے قد سے بڑی باتیں کر کے خود کو مزید مت گراؤ۔ حق مہر اور زیور دو طلاق لینا ہمارا کام ہے جناب۔ تم ہماری شرافت کو ہماری کمزوری سمجھ بیٹھے تھے۔ پر اب شاید سمجھ گئے ہو گے۔ در حقیقت ہم کمزور نہیں شریف گھرانے کے شریف اور عزت دار لوگ ہیں۔" اذبان نے اس کا گریبان پکڑتے کہا اور پھر آہستہ سے چھوڑ کر پیچھے

ہٹا۔ کچھ ہی دیر میں پیپرز پر سائن کرواتے حق مہر جو کہ دس لاکھ تھا۔ اور زیور لیے وہ سب گھر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

"مجھے اب ایسا لگ رہا ہے کہ ہم نے ٹھیک نہیں کیا۔۔ آخر پلوشے کو کیا ضرورت ہے ان چیزوں اور روپے کی۔ میں اور بابا اُٹھا سکتے ہیں اس کی اور بچوں کی ذمہ داری۔" پلین میں بیٹھے زارون نے عابص اور اذبان سے کہا۔

"ہمارے ہزاروں روپے پلین کی ٹکٹ پر خرچ کروا کر عادل کا منہ تڑوا کر اب تم یہ کہہ رہے ہو۔ سرئیسلی زارون۔۔؟" عابص نے آئیبرو اوپر کرتے کہا۔

"تم دونوں بھائیوں کو بس پلین کی ٹکٹ کی ہی فکر ہے؟ کون سا لاکھوں خرچ ہو گئے ہیں تمہارے؟" زارون نے طنز کرتے کہا۔

ویسے عدیم اور آزان صحیح کھیل گئے عادل کے ساتھ۔" اذبان نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ویسے زارون مجھے نہیں لگتا تم نے غلط کیا۔ ہاں تم لوگوں کا طریقہ غلط تھا۔ پر حق مہر اور پلوشے کے زیور لینا غلط نہیں کیونکہ وہ زیور شہزاد ماموں نے بنوائے تھے، اس پر پلوشے کا حق تھا۔"

"یہ تم لوگوں کے طریقے سے کیا مطلب ہے آپ کا پروفیسر؟" عابص نے خراب موڈ سے دانت بھینچتے کہا۔

"ہاں ذرا بتانا تو۔ یہ تم لوگوں سے کیا مطلب ہے؟ تم تو جیسے دودھ کے دُھلے۔" زارون نے بھی منہ بناتے کہا۔

"میں نے تو کچھ نہیں کیا بھئی۔ بس تم سب کی سیفٹی کے لیے ساتھ گیا تھا۔ یہ مار پیٹ والے کام تم سب کے تھے انڈرسٹینڈ۔" اور اب ان سب کو اُٹھاؤ فلائٹ لینڈ کرنے والی ہے۔ دونوں کے تاثر اگنور کرتے اذبان نے کہا۔

"میسنا کہیں کا۔" زارون نے بڑبڑاتے کہا۔ جس پر عابص نے سر ہلایا۔

****

شہزاد تایا کی مہران سے اترتی وہ لال بالوں گندمی رنگت اور تیکھے نقوش والی عمر رسیدہ عورت شیر بانو پھپھی جان تھیں۔ قاسم مراد علی کی بڑی بہن۔ جنہیں وہ اپنی ماں کا درجہ دیتے تھے۔ زیتون محل کے تمام فرد اس وقت قاسم مراد علی اور زیتون بانو کے ساتھ آنگن میں کھڑے تھے۔

"اسلامُ علیکم آپا۔ کیسی ہیں؟" قاسم مراد علی نے ان کا ہاتھ چومتے اور پھر تعظیماً سر سے لگاتے کہا۔

"ٹھیک ہوں! میرا چاند سا بھائی، بس سفر نے ذرا تھکا دیا ہے۔" پہلی بات مسکرا کر کہتے آخر میں کچھ منہ بناتے کہا تھا۔ اب سب باری باری ان کا ہاتھ چوم رہے تھے اور وہ ملکہ ایلزبتھ کی طرح اپنا ہاتھ دیئے کھڑی تھیں۔ خاندان کی پرانی روایت جس میں بزرگوں کا ہاتھ چومنا فرض تھا۔ جو کہ آج کی جنریشن کو کچھ خاص پسند نہیں تھی پر شیر بانو دادی کے سامنے بولنے کی کسی کی مجال بھی نہیں تھی۔

"ہادی کے کمرے کی کھڑکی جو آنگن میں کھلتی تھی وہاں کھڑا ضرار اپنے گھیلے بال پونچھتا کچھ عجیب نظروں سے اس نئے آنی والی عورت کو دیکھ رہا تھا۔" اللہ جانے کتنے لوگ رہتے ہیں یہاں۔" تولیے سے بال رگڑتے وہ بڑبڑایا۔

"لگتا ہے میرے آنے کی تیرے پوتوں کو خوشی نہیں ہے قاسم مراد علی۔۔؟" نخوت سے تخت پر بیٹھتے کہا تھا۔ جسے سن دادی جان نے ناک منہ چڑھایا تھا۔ اور بغیر کچھ کہے ان کے برابر میں جا بیٹھیں تھیں۔

"ارے نہیں نہیں آپا بچے دراصل گھومنے گئے ہیں۔ بس آتے ہی ہوں گے۔ لو خدیجہ اور حمیرا آ بھی گئی۔" داداجان نے گھر کی اندر داخل ہوتی خدیجہ اور حمیرا بیگم کو دیکھتے کہا۔

"اسلامُ علیکم پھپھی جان!" دونوں نے ایک ایک کر کے ان کا ہاتھ چوما تھا۔

"وعلیکم اسلام۔ یہ ایکلی (اکیلی) کس کے ساتھ آ گئی ہو۔"

"شروع شیر بانو دادو کی عجیب و غریب اردو۔" زارا نے صباح کے کان میں کہا تھا۔

"کون ہیں یہ۔۔۔؟" ضرار بھی فریش ہو کر نیچے آ گیا تھا۔ اور نور سے پوچھا۔

"داداجان کی بہن ہیں۔ اور اب چپ رہو۔" نور نے ڈپٹتے ہوئے کہا تھا۔ وہ سب ہی ان کے سامنے بوکھلا جاتیں تھیں۔

"نہیں پھپھی جان۔ میری بیٹی ہے نہ چھوٹی والی ماریہ۔ وہ ہم دونوں کو لے آئی ہے، گاڑی چلانا سکھا دی ہے اب بچو کو تو فکر نہیں ہوتی۔" حمیرا پھپھو نے نرمی سے کہا تھا۔

"ہائے حمیرا لڑکی ذات کے حوالے گاڑی کر دی۔ ہم تو اس عمر میں یہ لمبا نقاب کر نکلتے تھے گھروں سے۔ اور یہ پلوشے کا بیٹا ہے کیا۔۔؟ بتایا نہیں تو نے قاسم پلوشے آئی ہوئی ہے۔۔؟" اب شیر بانو پھپھی جان نے وہ سوال کر دیا تھا۔ جس کی فکر میں دادی جان ایک ہفتے سے گھل رہی تھی۔

"ہاں ہاں آپا۔ میں ذرا آتا ہوں۔" زیتون بانو کی ناراضگی اور غصے بھری نظروں کو اگنور کرتے دادا جان ہمیشہ کی طرح کھسک گئے تھے۔ اب دادی جان فیروزہ تائی سمیت تمام بڑے وہاں بیٹھے تھے سوائے روبی چاچی کے۔

"تمہارے گھر میں کتنے لوگ رہتے ہیں یار؟" سب کو مصروف دیکھ ضرار نے نور سے پوچھا۔

"پتہ نہیں کبھی گنتی نہیں کی۔ پر تم فکر مت کرو یہ سب ہمیشہ یہاں نہیں رہتے، اصل میں زارا باجی کی شادی ہے تو سب رہنے آئے ہوئے ہیں۔" نور نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔

"لگتا ہے پھر میں غلط وقت پر آیا ہوں۔" پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالتے ضرار نے کہا تھا۔

نہیں تم بلکل صحیح وقت پر آئے ہو، تم نے اب تک میرے کزنز کی باتیں سنی تھیں نا۔ اب دیکھ بھی لینا کتنے اچھے ہیں سب۔" نور نے اس کی بات کی نفی کرتے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"چلو لیٹس سی۔ ویسے بھی میں کچھ دن بعد چاچو کے گھر جاؤں گا ورنہ وہ ناراض ہو جائیں گے۔" چیئر پر بیٹھتے اس نے کہا تھا۔

"ہاں تو مل آنا پر زارا باجی کی شادی اٹینڈ کیئے بغیر کہیں نہیں جا رہے تم سمجھے۔۔؟ لو ماریہ بھی آگئی۔۔۔!" نور ضرار کو کہہ ہی رہی تھی کے اُسے ماریہ اندر آتی دکھی۔ جو شاید شیر بانو پھپھی جان سے ملنے کے بعد انہیں ہی ڈھونڈتی ہوئی وہاں آئی تھی۔

بلیک ٹراوزر پر بلیک ہی فل آستینوں کی لانگ ٹی۔شرٹ پہنے یلو کلر کا ڈوپٹہ مفلر کی طرح گلے میں ڈالے۔ صاف ستھرہ چہرہ لیے وہ اندر آہی رہی تھی کہ اُسے لگا سامنے ضرار فیصل بیٹھا ہے۔چند لمحے وہی رک کر اسے دیکھا۔جیسے یقین کرنا چاہ رہی ہو۔وہ واقع ضرار فیصل تھا بھی یا اسے وہم ہوا تھا۔

"تم میری شادی کا جوڑا دیکھنے کیوں نہیں آئی۔۔؟"اس کے آتے ہی زارا نے فوراً اسے گھیرے میں لیا تھا ۔"اب ہونقوں کی طرح وہاں کیا دیکھ رہی ہو؟کیا ہے وہاں۔۔۔؟"زارا نے اپنے پیچھے دیکھا تو اسے ضرار بیٹھا دکھا۔

"کک کچھ نہیں۔۔۔وہ میں ہاں میرے پیپرز تھے۔آپ کو بتایا تو تھا۔"وہ فوراً سنبھلی تھی۔

اپنے سامنے ماریہ کو پاتے اسے ایک گہرہ جھٹکا لگا تھا۔یہ احساس ہی کتنا خوشفہم تھا کہ اُس نے بغیر کسی کی منت کیے اسے ڈھونڈ لیا تھا۔ضرار فیصل کراچی صرف اور صرف ماریہ کے لیے آیا تھا۔کیونکہ زوبیہ نے اسے ماریہ سے ملنے اور پریشرائز کرنے کے لیے منع کر دیا تھا۔اس کا کہنا تھا وہ اس کے لیے اپنی دوستی نہیں خراب کر سکتی۔

"ہاں اب میری شادی سے ضروری تمہارے پیپر ہو گئے۔۔؟"زارا نے ناراضگی سے کہا تھا۔

"زارا باجی آپ کی شادی صرف آپ کے لیے ہی دنیا میں سب سے زیادہ ضروری ہے،باقی سب کے پاس بہت کام ہیں کرنے کو۔"عائشہ نے آنکھیں گھماتے کہا تھا اور میگزین لیے بیٹھ گئی تھی۔

"تم تو مت ہی بولو۔اچھی طرح پتہ ہے میری شادی کے جوڑے کے لیے کیسے ترلے منتیں کر رہی ہو چچی کے سامنے ہنہہ۔"زارا نے بھی فوراً جوابی کاروائی کری تھی۔

"میرا ناول پڑا تھا یہاں۔ یار تم دیکھا تو کرو کہیں بھی بیٹھ جاتی ہو۔" فلک نے عبیر کو چپت لگائی تھی جو اس کے ناول پر بیٹھ گئی تھی۔

"ہتھوڑے جیسا ہاتھ ہے تمہارا۔ یا تو تم مجھ پر رحم کھایا کرو یا تم کھانا کم کھایا کرو۔" عبیر نے اپنی کمر کو سہلاتے کہا تھا۔ کیونکہ وہ اکثر ہی فلک سے کبھی جان کر تو کبھی انجانے میں چوٹیں کھاتی رہتی تھی۔ وہ سب اپنی بحث میں ماریہ کو بھول ہی گئے تھے۔ جو گم صم ایک کونے میں کھڑی انگلیاں چٹخا رہی تھی۔ وہ اکثر ہی ان سب میں خود کو آن فٹ محسوس کرتی تھی اور سامنے بیٹھے شخص کو دیکھ آج اس کی ہارٹ بیٹ بھی تیز چل رہی تھی۔

"ماریہ تمہاری کزن ہے نور؟" ضرار نے آہستہ آواز میں نور سے پوچھا تھا۔

"ہاں! کیوں۔۔؟ ویٹ تم جانتے ہو اسے۔۔؟ تمہیں کیسے پتہ اس کا نام ماریہ ہے۔۔؟ نور نے بھنویں سکیڑتیں کہا تھا۔

"کچھ خاص نہیں بعد میں اس بارے میں تفصیل سے بات کریں گے۔ پر یہ کچھ اَن۔ کمفرٹیبل سی نہیں لگ رہیں۔"

"وہ اکثر ہی ایسی ہو جاتی ہے۔ ویسے تم زیادہ انٹرسٹ لے ہی رہے ہو تو میں تمہارا تعارف کروا دیتی ہوں۔" آنکھ مارتے نور نے شرارتاً کہا تھا۔

"ماریہ اس سے ملو یہ ضرار ہے۔ میرے ماموں جان کا اکلوتا بیٹا۔ ہادی کی ہی ہم عمر ہے۔ اور آرمی میں انجینئیر بھی ہے۔" نور اور بھی اور کچھ کہتی کے ضرار نے زور سے اس کے ہاتھ پر چپت لگائی تھی۔ یہ لڑکی

Urdu Novels Ghar

اسے مروائی گی۔ جبکہ نور کے ایسا کرنے پر سب ہی ماریہ نور اور ضرار کو دیکھنے لگ گئے۔ سب کو اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے فوراً بہانا گھڑا تھا۔

"میں بجو سے مل کر آتی ہوں وہ خفا ہوں گی۔" آنکھوں میں ضرار کے لیے خفگی لیے وہ وہاں سے روانہ ہوئی تھی۔ آخر اس نے نور کو کیا بتایا اس کے بارے میں جو اس نے ایسے کہا۔ ورنہ وہ سب ہی جانتے تھے۔ وہ نور کا کزن ہی ہو گا کیونکہ روبی بیگم نے اس کے آنے کا ذکر پورے خاندان میں ڈھول پیٹ پیٹ کر سنایا تھا۔ اس کی قابلیت اور حُسن کے چرچے وہ پورے خاندان میں کر چکی تھی۔ جو بے شک درست ہی تھے۔ ماریہ کے جانے کے بعد ضرار بھی خجل ہوتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

"اب سب ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں بھئی۔۔؟ ماریہ ابھی ابھی آئی تھی تو تعارف ہی کروایا تھا۔ تم سب تو یہیں تھیں تو جانتی تھی اُس کے بارے میں۔ دونوں کو شرمندہ ہی کر دیا۔"

****

شام چار بجے کا وقت تھا۔ سب اس وقت اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ شہزاد صاحب سیدھا اپنے کمرے کی طرف گئے تھے۔ جو خبر انہیں ملی تھی۔ وہ سُن ان کے حواس جواب دے گئے تھے۔

شہزاد صاحب کو اس وقت گھر میں دیکھ فیروزہ بیگم ان کے پاس آئیں تھیں، کیونکہ آج ویسے ہی وہ شیر بانو پھپھی کی وجہ سے فیکٹری دیر سے گئے تھے۔ ہلکے نیلے رنگ کے شلوار قمیض میں وہ کچھ بجھے بجھے اور پریشانی میں لگتے تھے۔

"خیریت آج آپ جلد ہی آ گئے؟" فیروزہ بیگم نے کمرے میں آتے ہی پوچھا تھا۔

"آہاں۔۔۔وہ زارون وغیرہ آ گئے؟" کچھ چونکتے وہ اپنے خیالوں سے باہر آئے تھے۔

"نہیں بس آتے ہونگے کچھ دیر میں۔ آپ کی طبیعت تو خدانخواستہ خراب نہیں؟ پہلے تو کبھی ایسے جلدی نہیں آئے۔ چہرہ بھی بجھا بجھا سا لگ رہا ہے۔" فیروزہ بیگم کو وہ کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔

"ہاں سب ٹھیک ہے تم بلاوجہ خود کو پریشان مت کرو، بلکہ ایک کام کرو پلوشہ اور نور کو میرے پاس بھیجو، کچھ کام ہے ان سے۔" گم صم سے انداز میں انہوں نے فیروزہ بیگم سے کہا تھا۔ وہ جانتے تھے زارون پلوشے یا نور دونوں میں سے کسی ایک کو ضرور آگاہ کر کے گیا ہو گا۔ کیونکہ صرف وہ دونوں ہی تھی جو زیتون محل کے تمام لڑکوں کے ہر راز و نیاز میں شامل بھی ہوتی تھیں اور انہیں بچاتی بھی تھیں۔

"خیریت تو ہے نا سب؟ اگر طبیعت بوجھل ہے تو میں دوا دے دیتی ہوں۔" فیروزہ بیگم ان کے قریب بیٹھتی بولی۔

"سب ٹھیک ہے بیگم۔ بس پلوشے اور نور کو بھیجو کچھ دوسرے کام ہیں۔ کوئی پریشانی والی بات نہیں۔ جاؤ ایک کپ چائے بھی بنا لاؤ۔" شہزاد صاحب نے اب کے کچھ نارمل انداز میں کہا فیروزہ بیگم سر ہلاتی اٹھ گئی تھیں۔ وہ ان عورتوں میں سے نہیں تھیں، جو شوہروں سے سوال پر سوال کرتی۔ اور یہی تربیت انہوں نے اپنی بیٹیوں کو بھی دی تھی۔ کچھ دیر بعد ہی انہیں دروازہ کھلنے کی آواز آئی وہ جو پلنگ پر آنکھیں بند کیے لیٹے تھے، آنکھیں کھولتے ہی انہیں وہ دونوں دروازے سے جھانکتی دکھی۔

"اندر آؤ وہاں کیوں کھڑی ہو؟ دونوں کو ایسے جھانکتے دیکھ انہوں نے کہا تھا۔ پلوشے نور کا اور نور پلوشے کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ ایسا بلاوہ تو بچپن میں آیا کرتا تھا۔ جب ان میں سے کوئی غلطی کر دیتا۔ اب دونوں ہی ایک دوسرے کے چہروں پر کچھ تلاش کر رہی تھیں۔

"کوئی کام تھا بابا؟" پلوشے نے پہل کی اور ان کے کچھ قریب جاتے کہا۔ جبکہ نور ابھی بھی دروازے سے لگ کر کھڑی تھی۔ شہزاد صاحب پلوشے کے اس سوال اور نور کا خوف کھاتا چہرہ دیکھ ہی سمجھ گئے کہ سوال کرنا کس سے ہے۔

"دیکھو بچو تم سب کو ہی پتہ ہے، میں صاف اور سیدھی بات کرتا ہوں۔ قریب آؤ نور وہاں کیوں کھڑی ہو۔" بولتے بولتے وہ نور کو بھی ٹوک گئے۔ "ہاں تو میں ایک سیدھا سا سوال کروں گا جو اس بارے میں جانتا ہو گا، اس نے بس ہاتھ کھڑا کرنا ہے۔" کچھ دیر سانس لینے کو رکے اور پھر دونوں کی آنکھوں میں دیکھتے بولے۔ "زارون اور باقی تمام لڑکے کہاں گئے ہیں۔۔؟ کیا تم دونوں میں سے کوئی جانتا ہے اس بارے میں۔۔۔؟" ایک لمبی خاموشی کے بعد جواب دینے کی مدھم سی کوشش کی گئی تھی۔

"وہ۔۔۔وہ تایاابا۔۔۔" نور نے وضاحت دینا شروع ہی کی تھی کہ انہوں نے پھر بیچ میں ٹوک دیا۔ جبکہ پلوشہ بھی اب نور کو دیکھنے لگی تھی کہ آخر ماجرہ کیا ہے۔

"وہ یہ نہیں پوچھا میں نے۔ اگر جانتی ہو تو ہاتھ کھڑا کر دو۔" ان کے ایسے کہنے پر اس نے خاموشی سے ہاتھ کھڑا کر دیا۔ جانتی تھی اب جھوٹ کہنے کا کوئی مقصد نہیں۔

"یہاں بیٹھو اطمینان سے اور اب شروع سے آخر تک سب بتاتی جاؤ۔' انہوں نے اسے اپنے پاس بیڈ پر جگہ دی تھی۔ اور وہ خاموشی سے آ کر بیٹھ گئی۔

"زارون بھائی سے زیادہ بات نہیں ہوئی تھی۔ بس انہوں نے کہا کہ وہ سب پنڈی جا رہے ہیں۔" اس کی بات پر پلوشے کو جھٹکا لگا تھا۔

"پنڈی۔۔۔پنڈی کیا کرنے گئے ہیں یہ لوگ؟" وہ بڑبڑائی تھی۔

"تایا ابا اس دن گھر پر عادل بھائی کا فون آیا تھا۔ وہ مجھے بجو سمجھ کر جانے کیا کیا کہہ رہے تھے۔ وہ اس وقت اذہان بھائی نے فون چھین لیا اور ہادی نے کہا میں کسی سے کچھ نا کہوں۔ وہ لوگ ہینڈل کر لیں گے۔" اب کی بار آواز میں واضح نمی تھی۔ جسے سن شہزاد صاحب کچھ ڈھیلے پڑے تھے۔

"یہ حیثیت ہے میری اس گھر میں۔ میرے ہاتھوں پلے بچے اب مجھ سے باتیں چھپائیں گے۔ آخر سمجھتے کیا ہیں وہ لوگ خود کو۔ انہیں کیا لگا یہ لوگ فارم ہاؤس کا بہانہ گھڑ کے پنڈی جائیں گے اور مجھے پتہ نہیں چلے گا؟ آنے دو ان لوگوں کو خبر لیتا ہوں سب کی۔ تم دونوں جاؤ اپنے کمرے میں اور دیہان رکھنا کسی کو کچھ معلوم نہیں ہو، خاص کر فیروزہ کو بلاوجہ پریشان ہو جائیں گی وہ۔" ماتھا مسلتے انہوں نے کہا تھا۔ وہ دونوں خاموشی سے باہر آ گئی تھیں۔

****

تھک ہار کر ابھی وہ سب بس ٹیکسی سے اترے ہی تھے کہ گھر کے باہر ہی شہزاد صاحب کو کھڑا پایا۔

"آ گئے برخوردار!" ان کے لہجے کی سرد مہری سب نے ہی نوٹس کی تھی۔ اب آنگن میں وہ سب مجرموں کی طرح کھڑے تھے۔ اور شہزاد صاحب جج بنے سوال پر سوال کر رہے تھے۔

"میں پوچھتا ہوں۔ آخر ضرورت کیا تھی پنڈی جانے کی؟ تمہاری بہن سے زیادہ اب حق مہر ضروری ہو گیا ہے تمہارے لیے۔ آخر سمجھ کیا رکھا ہے تم لوگوں نے مجھے۔ جب میں کہہ چکا تھا کہ حق مہر چھوڑ دو تو کیوں گئے وہاں۔ ہم نہیں کر سکتے عادل جیسے کمینے شخص کا مقابلہ۔ نہیں جیت سکتے ہم اس بدذات سے۔" غصے میں

کہتے ان کا تنفس پھولا تھا۔ چہرہ لال ہوا تھا۔ اور ماتھے پر بل پڑے تھے۔ زارون ان کے قریب گیا تھا۔ اور آرام سے انہیں گلے لگایا تھا۔ وہ جو غصے میں بے قابو ہو رہے تھے۔ اچانک ہی ڈھیلے پڑ گئے۔ ماتھے کے بل غائب ہوئے۔

"میں وشہ کا حق مہر لے آیا بابا۔ میں ہماری وشہ کے لیے سب سے بھڑ سکتا ہوں۔ سب سے جیت سکتا ہوں ۔" آرام سے ایک ایک لفظ انہیں کہتا وہ ان سے الگ ہوا تھا۔ اور ان کے ہاتھ میں حق مہر کے پیسے اور زیور دیے تھے۔

"عادل کو زخمی کرنے والے تم لوگ تھے؟" اب کی بار ان کے انداز میں ناراضگی تھی سرد مہری نہیں۔

"میں نے بہت روکا ان سب کو ماموجان پر مجال ہے جو یہ لوگ کسی کی سن لیں۔۔۔" اذبان نے پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالتے کہا۔

"اتنا جھوٹ تایا ابا۔۔۔ جب زوارون بھائی نے مکا مارا تھا، تو یہی شخص عادل کو پکڑے کھڑا تھا۔" عدیم فوراً بول پڑا۔

"وہ صرف زارون کی سیفٹی کے لیے تھا۔" اذبان نے فوراً وضاحت کی۔

"ماموجان عدیم اور آزان کو بہت اخیر آئی ہوئی تھی، عدیم تو عادل کو گھوڑا سمجھ کر چڑھ گیا تھا، اور اس آزان نے تو اسے گنجا کرنے کا پورا ارادہ باندھ لیا تھا۔" علی نے عدیم کو دیکھتے کہا اس کی اور عدیم کی ایک دوسرے کی شکایت لگانے والی بچپن کی عادت۔

"اوہ۔۔۔ اور اپنا بھول گیا تو؟ شروعات تو تم لوگوں نے ہی کی تھی۔" عدیم اور علی فوراً بولے تھے۔

"اچھا اب بس کرو۔ جاؤ اندر شیر بانو پھپھی جان آئیں ہیں۔ کافی ناراض ہیں تم سب کی غیر موجودگی سے۔" آنکھوں کی نمی کو چھپاتے انہوں نے کہا تھا۔

"اللہ خیر کرے۔" عابص بڑبڑاتے ہوئے اندر گیا تھا۔ جب کے زارون اور اذبان دونوں ہی کے دل میں نور کا خیال آیا تھا کہ کہیں شہزاد صاحب نے اسے کچھ نہ کہہ دیا ہو۔ دونوں ہی سب کے پیچھے اندر گئے تھے ۔

"میں تو سارا دن سوؤں گا۔" عدیم آزان کے کندھے پر گرتے ہوئے بولا۔ ان سب کا ہی جسم تھکن سے ٹوٹ رہا تھا۔ وہ سب آرام کا سوچ کر گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھے تھے۔ اس بات سے بے خبر کے ابھی اندر ایک اور طوفان ان کا انتظار کر رہا تھا۔

****

"اتنی زور سے ڈانٹا ہے مجھے۔" ٹشو پیپر سے سُڑ سُڑ ناک صاف کرتے ہوئے نور نے ان سب کو کہا تھا۔ وہ جب سے شہزاد تایا کے کمرے سے آئی تھی آنسوں بہانے میں مصروف تھی۔ جبکہ پلوشے اور صباح جسے پلوشے سب بتا چکی تھی۔ دونوں ہی اسے چپ کرانے کی کوشش میں تھک چکی تھی۔ وہ سب ہی جانتے تھے۔ نور کا چڑیا جتنا دل ذرا سی ڈانٹ پر ہی سہم جاتا ہے۔

"تمہیں تو نہیں ڈانٹا۔ بتا دیا ہے بجو نے ہمیں۔ صرف پوچھا ہی تو تھا۔ ڈانٹا تو ہمیں ہے۔ جبکہ اپنی تمام پوکٹ منی اُڑائی ہے میں نے ٹکٹ میں۔" عدیم نور کو روتا ہوا دیکھ کر بولا کہ وہ فضول میں کیوں رو رہی ہے جبکہ اُسے تو ڈانٹ بھی نہیں پڑی۔ بقول عدیم کے جبکہ کوئی نور سے پوچھتا اس بیچاری کے لیے تو شہزاد تایا کی آنکھیں بھی کافی ہونی تھیں۔

"مجھے اتنی انسلٹ فیل ہوئی ہے۔ تمہاری تو کوئی عزت ہے نہیں تمہیں کیا فرق پڑنا ہے۔" نور نے چڑ کر کہا تھا۔ بہت زیادہ رونے سے آنکھیں سوجھ گئی تھی اور ناک سرخ ہو گئی تھی۔

"اچھا رونا تو بند کر دو۔ ورنہ تمہارے ساتھ میں بھی رونے لگوں گا۔" زارون نے اسے بہلانے کے لیے کہا ۔سارے کزنز میں نور وہ واحد لڑکی تھی۔ جسے زارون اپنی سگی بہنوں سے زیادہ پیار کرتا تھا۔ بچپن سے ہی اس کے ہر ناز نکھرے اُٹھاتا۔ اور پلوشے کی شادی کے بعد تو وہ واحد تھی۔ جسے وہ اپنے تمام راز بتاتا تھا۔ زارون کی اس بات پر صباح نے اچانک اس کی طرف دیکھا تھا۔ اور شکوہ کنا نظر پلوشے پر ڈالی تھی۔ کیونکہ کل جانے انجانے میں ہی سہی وہ پلوشے کو زارون اور نور کے متعلق اپنی سوچ بتا چکی تھی۔ جس پر پلوشے نے نظریں پھیر لیں تھیں۔ وہ تو خود اتنے عرصے بعد سب کو قریب سے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں! اب کہہ لیں جھوٹ۔ پہلے مجھے آگے کر دیں پھر رونے بھی نہیں دیں۔" دونوں آنکھیں مسلتے بچوں کی طرح کہا تھا۔

"ایک کام کرتے ہیں۔ ہم سب کان پکڑ کر سوری کر دیتے ہیں۔ بلکہ اُٹھک بیٹھک بھی کر لیتے ہیں۔" اب کی بار اذبان آگے آیا تھا۔ ان سب کو جب نور کا رونا اتنا کھل رہا تھا۔ وہ تو پھر اذبان تھا۔ جس کی جان نور میں بستی تھی۔

"واہ بھئی اتنے اچھے بھائی ملے ہیں تمہیں مان لیا آخر میں نے بھی۔ اب رونا بند کرو یار۔" اب کی بار ضرار بولا تھا۔ جو ہادی کے ساتھ لگ کر کھڑا تھا پر اب نور کے ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا۔

اذبان نے سرد نظروں سے نور کے اس کزن کو گھورا تھا۔ پر وہاں اس کی طرف کوئی بھی متوجہ نہیں تھا۔ تو کوئی اذبان کے تاثرات نہ دیکھ پایا اور نہ اس وقت کوئی بھی اس کے دل کی بات آسانی سے جان جاتا۔

"اوکے! یہ ٹھیک رہے گا۔ ہم سب اٹھک بیٹھک کر لیتے ہیں۔" زارون نے بھی اذبان کی بات کی تائید کی تھی۔

"کر کے دکھائیں۔۔۔" اب کی بار کشن کو گھٹنوں پر رکھے اس پر اپنا سر ٹکاتے نور نے کہا تھا۔ پلوشے نے نور کے اس جواب اور سارے لڑکوں کے ایکسپریشن دیکھتے ہنسی ضبط کی تھی۔ کوئی بھی کم سے کم نور سے اس جواب کی توقع نہیں رکھتا تھا۔ صباح ایک کونے میں کھڑی ان سب کو دیکھ رہی تھی۔ جو نور کے لیے اٹھک بیٹھک کرنے پر تیار تھے۔ خاص کر زارون۔ جبکہ ضرار وہ واحد شخص تھا۔ جو اس ساری سیچویشن کو نور کے برابر میں بیٹھے انجوائے کر رہا تھا۔

"عابص بھائی آپ بھی کریں۔" عابص جو اپنا غصہ ضبط کر رہا تھا۔ نور کے کہنے پر سب کے ساتھ لائن میں کھڑا ہوا۔ وہ لمبے لمبے دیو نما لڑکے اس وقت عجیب جو کر ہی لگ رہے تھے۔ ضرار اور پلوشے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کر رہے تھے جبکہ صباح اپنا غصہ نکالنے کے چکر میں کمر پر ہاتھ دھرے اب گنتی کر رہی تھی۔ "بہت شوق تھا نا اٹھک بیٹھک کرنے کا تو اب ذرا ڈھنگ سے کریں۔" زارون کو دیکھتے دل ہی دل میں کہتے اس نے اپنی گنتی جاری رکھی تھی۔

"وہ دیکھیں آزان اور عدیم باتیں کر رہے ہیں۔" نور نے آزان اور عدیم کو باتیں کرتے دیکھ زارون اور اذبان کو دیکھتے کہا تھا۔ کیونکہ وہ دونوں واحد تھے۔ جن کے چہرے پر اس وقت غصہ یا ناراضگی نہیں تھی۔ اس کے کہنے پر اذبان نے دونوں کو گھورا تھا۔ جس پر دونوں واپس اٹھک بیٹھک کرنے لگے تھے۔

"اب بس کر و یار۔ کب سے جھوٹے ٹسمے بہار ہی ہو۔" علی نے رک کر سانس لیتے کہا تھا۔

"تم اپنے بال سنبھالو اور نکلو یہاں سے ورنہ گنجا کر دوں گی۔" نور نے ناک منہ چڑھاتے کہا تھا۔

"یااللہ میرے بھائی پر آنے والے وقت میں رحم کرنا۔ جتنی سیدھی یہ لڑکی لگتی تھی۔ اتنی ہی ٹیڑھی ہے
۔" آزان دل ہی دل میں بڑبڑایا تھا۔

"نور میری پیاری بہن میری کمر میں تو چک آگئی ہے، قسم لے لو یار۔" عدیم نے مسکینوں والی شکل بناتے کہا
تھا۔

"ہاں ابھی کچھ دیر میں تو تم اپاہج ہونا شروع ہو جاؤ گے۔" نور کی جگہ جواب صباح نے دیا تھا۔ جو ابھی تک
اس بات پر حیران تھی کہ وہ سب نور کے لیے اٹھک بیٹھک کر رہے ہیں۔

"ویسے آج نور نے حد ہی کر دی۔" عابص نے تنگ کر کہا تھا، وہ سب ہی ادھر اُدھر سہارا لیے بیٹھ گئے تھے
۔

"اپنے اپنے کمروں میں جا کر آرام کریں بھئی۔ یہاں کیوں گر گئے ہیں؟" اب نور کو واقع ان سب پر ترس آ
رہا تھا۔ اور اپنی حرکت پر شرمندگی بھی اور پھر سر اُٹھا کر انہیں دیکھتے اس نے کہا تھا۔ "اچھا آئی ایم سوری!
میں غصے میں آگئی تھی۔" شرمندگی سے انہیں دیکھتے اس نے کہا تھا۔

"ٹانگیں تڑوا کر محترمہ کہتی ہیں سوری۔" عابص بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے دروازہ پٹخ کر نکلا تھا۔

جبکہ زارون تو جانتا ہی تھا۔ اس نے بعد میں خوب شرمندہ ہونا ہے۔ کیونکہ وہ نور کی نیچر سے واقف تھا۔
جبکہ اذبان کو تو اس کا سوری سننا ہی نہیں تھا۔ وہ چُپ ہو گئی تھی اس کے لیے یہی بہت تھا۔ ہاں البتہ۔
آزان، علی اور عدیم اسے کاٹ کھاتی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پلوشے اٹھ کر احمد کے پاس چلی گئی تھی،
کیونکہ وہ رو رہا تھا اور صباح بھی اس کے پیچھے نکل گئی تھی۔ اور ضرار بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ اب آگے اس

نے کیا کرنا ہے۔ سب کچھ ایسے ہی رہنے دینا ہے یا ماریہ سے بات کرنی ہے۔ ضرار فیصل کو یہاں ماریہ کا مل جانا ایک معجزہ لگا تھا۔

****

"تیرے پوتے پوتیوں میں ادب و آداب تو چھو کر بھی نہیں گزرا زیتون بانو۔" شیر بانو پھپھی جان نے سر پر اپنی چادر درست کرتے کہا تھا۔

"کیوں آپا۔۔۔؟ اب کیا کر دیا میرے پھول سے بچوں نے؟" زیتون بانو نے بھی منہ بناتے کہا تھا۔

"لو جی میں بڑھی یہاں صبح کی آئی بیٹھی ہوں۔ یہ مجھے چھوڑ اوپر بھاگے ہیں۔ اور تو کہتی ہے کیا کیا؟" شیر بانو پھپھی کو اپنا ایسے نظر انداز کیا جانا بلکل پسند نہیں آیا تھا۔

"دراصل بہت ایکا ہے میرے بچوں میں۔ ایک دوسرے کو جب تک اپنی شکل نہ دکھا دیں چین ہی نہیں پڑتا انہیں تو۔" دادی جان نے اتراتے ہوئے کہا تھا۔ یہ جانے بغیر کے ان کے بچوں کا ایکا اٹھک بیٹھک ہو چکا ہے۔

"اسلامُ علیکم! شیر بانو دادو۔" عابص سب سے پہلے نیچے آیا تھا۔ اور انہیں سلام کیا تھا۔ انداز میں واضح بیزاری تھی۔ اس کے پیچھے ہی باقی سب بھی اترے تھے۔

"وعلیکم سلام۔ وعلیکم سلام۔ دادی صدقے جائے ماشاءاللہ کیسے نکھرے کھڑے ہیں۔ ابھی کل کی ہی بات ہے، اتنے اتنے سے ہوا کرتے تھے سب۔" شیر بانو پھپھی ان سب کو دیکھے اپنا غصہ، ناراضگی سب بھولے بیٹھی تھی۔

"خدا کا خوف کریں۔ کل تو ہم یہاں تھے ہی نہیں۔ آپ بھی نہ شیر دادو۔" عدیم نے انہیں دیکھتے کہا تھا۔ وہ بچپن سے ہی انہیں شیر دادو کہا کرتا تھا۔

"اب کہاں میں شیروں جیسی رہی۔ تیری بھی مسخرے پن کرنے کی عادت نہ گئی ہاں۔" عدیم کے شیر دادو کہنے پر وہ اندر ہی اندر بڑا خوش ہوتی تھیں۔ یہ جانے بغیر کے عدیم ایسا کر کے ان کا مزاق اڑاتا تھا۔ یہ بڑے جتنے بھی سخت اور تیز مزاج کیوں نہ ہوں۔ نئی نسل کے آگے بعض دفعہ ایسی سادگی اپنا لیتے ہیں جیسے ان سے زیادہ بے وقوف کوئی نہیں۔ وہ اپنے وقت میں ہی جیتے رہتے ہیں۔ یہ جانے بغیر کے دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ وہ جتنے بھی سخت گیر کیوں نہ ہوں، اپنی شفقت سے اپنے بچوں کو محروم نہیں رکھ پاتے۔

"تم لوگ کھانا کھاؤ گے۔۔؟" فیروزہ تائی کچن سے ان سب کے آواز سن کر آئیں تھیں۔ ہاتھ میں پکڑا چمچ ہلا کر پوچھا تھا۔

"نہیں امّی فلحال تو سوئیں گے، پرسو میلاد بھی ہے، پھر آرام کرنے کا وقت ہی نہیں ملے گا۔" زارون نے کہا تھا۔

"اچھا چلو سو جاؤ پھر اٹھ کر کھالینا۔ ابھی کھانا تیار بھی نہیں۔ دوپہر کا بنا ہوا تھا تو وہی دیتی۔ اور تم تینوں تو یہی رکے ہونا بھئی۔ شادی والا گھر ہے بہت کام ہیں۔ عابص اور زارون کتنا کریں گے۔۔؟ اس عدیم سے تو کوئی امید نہیں مجھے۔" فیروزہ تائی نے کاجل سے بھری آنکھیں اذبان، آزان اور علی پر گاڑتے پوچھا۔ جبکہ عدیم اپنی اس قدر عزت پر پیر پٹختا واک آؤٹ کر چکا تھا۔

"جی ممانی جان آپ فکر نہ کریں، یہیں ہیں ہم فلحال۔" اذبان نے کہا تھا۔

اپنے کمرے میں جاتے ہوئے اسے اوپر کے لاؤنج میں علیشبہ اکیلی بیٹھی نظر آئی۔لاؤنج میں اندھیرا تھااور وہ اکیلی بیٹھی تھی۔تو عابص اندر ہی چلا آیا۔

"یہاں اکیلی لائٹز آف کیے کیوں بیٹھی ہو۔۔؟" لہجے میں تشویش واضح تھی۔

"کون۔۔؟" اندھیرے کے باعث وہ اسے دیکھ نہیں پائی تو پوچھ بیٹھی۔

وہ مبہم سا مسکرایا۔مطلب وہ اس کی آواز بھی نہیں پہچانتی اور زارون کہتا ہے وہ اُسے پسند کرتی ہے۔ سر جھٹکتے اس نے لائٹز آن کی۔

" یہاں اکیلے بیٹھنے سے بہتر ہے نیچے سب کے ساتھ بیٹھ جائیں۔یا پھر تمہیں سب سے الگ تھلگ رہنے کی بیماری لگ چکی ہے۔" دونوں ہاتھ فولڈ کیۓ ایک نظر اُس پر ڈالی تھی۔وہ جو صوفے سے ٹیک لگائے کچھ دیر کے لیے خود کو پُر سکون کرنے وہاں بیٹھی تھی۔عابص کو دیکھ فوراً سیدھی ہوئی تھی۔

"حیرت ہے آپ ابھی آئیں ہیں اور آپ نے اپنے اندازے بھی لگا لیے میرے بارے میں۔" عابص نے پہلی بار براہِ راست اُسے کچھ کہا تھا۔اور آج پہلی بار علیشبہ نے اُسے اسی کے انداز میں جواب دیا تھا۔ صوفے کا کشن درست کرتے وہ تیزی سے اس کے پاس سے گزر کر جا چکی تھی۔

علیشبہ نے عابص کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا تھا۔اس کے لیے محبت سے زیادہ اہم اس کی عزت تھی۔جو عابص کی آنکھوں میں اسے کبھی نہیں دکھی تھی۔

اور وہ جو علیشبہ کے گڑبڑانے جواب نہ دے پانے کا عادی تھا۔اس کے ایسے کہنے پر چونک گیا تھا۔عابص نعمان نہ چاہتے ہوئے بھی اس میں دلچسپی شو کرنے لگا تھا۔یا شاید وہ اس کے اس رویے سے ڈرنے لگا تھا۔

بعث دفعہ انسان محبت چھپانے کے چکر میں محبوب کو ہی خود سے بدزن کرنی کی غلطی کر دیتا ہے۔اور عابص نعمان انجانے میں یہ غلطی کر چکا تھا۔

عابص کو جواب دیتی وہ نیچے چلی آئی تھی۔دھڑکن کی تیز رفتاری بے ساختہ تھی۔آج رات کی رات زیتون محل میں سب ہی کھانا کھا کر جلد سو گئے تھے۔

****

گہما گہمی کے دوران دو دن کیسے نکلے پتہ ہی نہیں چلا۔آج گھر میں میلاد اور قرآن خوانی رکھوائی گئی تھی۔سب ہی صبح سے تیاریوں میں لگے تھے۔

"تم دونوں گئے نہیں ڈیکوریشن والے کے پاس۔۔؟جاؤ فوراً بس ہر وقت شرارتیں سوجھتی ہیں انہیں۔" سنبل چاچی نے عدیم اور آزان کو ڈپٹ لگاتے کہا تھا۔جن کو وہ ڈیکوریشن والے کے پاس پلیٹس واپس کروانے بھیج رہی تھیں،کیونکہ جو وہ لے کر آئے تھے وہ انہیں صاف نہیں لگ رہی تھیں۔

"عدیم یار اس کو بولنا سپیکر بھی جلدی بھجوادے۔پھر سیٹ کرنے میں مسئلہ ہو گا۔"عابص جو آنگن میں ٹینٹ لگانے کے انتظام کر رہا تھا وہیں سے چیخا۔

"عدیم بھائی امّی کہہ رہی ہیں،ہمارے لیے گجرے بھی لے آئیے گا۔"فلک بھاگتی ہوئی آئی تھی۔پھولے پھولے گال اور معصوم سا چہرہ لیے اس وقت وہ عدیم کے دل میں اتر رہی تھی۔پر بھائی کہہ دینے پر وہ ہمیشہ کی طرح بھڑکا تھا۔

"تمہارا اپنا بھائی کہاں دفع ہے؟ جو میرے پیچھے پڑ گئی ہو۔" اس کے کہنے کا مقصد کچھ اور تھا جبکہ فلک اور آزان کو کچھ اور لگا تھا۔ اس کے ایسے کہنے پر فلک کے چشموں کے اندر آنکھیں تیزی سے بھیگی تھی۔ پر بیچ میں آزان بول پڑا۔

"کیا ہو گیا ہے یار، جا تو رہے ہیں ہم۔ فلک ہم لے آئیں گے تم بتاؤ کتنے لانے ہیں؟ زارا باجی کے لیے ایک برائیڈل جوڑی لینی ہے باقی سب سے صباح باجی پوچھ رہی ہیں پھر ٹیکسٹ کر دیں گیں"۔ چشمے ہٹاتے آنکھیں صاف کرتے اس نے کہا تھا۔ اس کی ایک بات اچھی تھی جتنا جلدی روتی تھی اتنا ہی جلدی مان بھی جاتی تھی۔

عدیم جو منہ موڑے کھڑا تھا۔ فلک کو ایسے دیکھ فوراً پگھلا تھا اور اپنی ازلی انداز میں کہا تھا۔ "ہنی بنی ایسے بات بات پر روتی ہوئی تو واقع میں پڈو لگتی ہو۔"

"جو کہتا ہے وہی ہوتا ہے۔" منہ بناتے اسے کہتے وہ اندر چلی گئی تھی۔

ابھی وہ دونوں جانے کے لیے مڑے ہی تھے کہ اوپر سے پلوشے نے آواز لگائی تھی۔ "آزان عدیم باہر جا رہے ہو؟" کھڑکی میں لٹکتے احمد کو گود میں لیے اس نے کہا تھا۔

"جی بجو کوئی کام تھا۔" آزان نے جواب دیا تھا۔

ہاں! احمد کے پیمپرز لے آنا پلیز یاد سے۔"

"جی بجو یاد ہے ایسے چیخے تو نہیں پورے محلے میں آواز گئی ہو گی، جس کو نہیں بھی پتہ ہو گا پتہ چل گیا ہو گا عدیم اور آزان پیمپر ز لینے جا رہے ہیں۔" عدیم نے منہ بناتے کہا تھا اور آنگن میں ہی ایک طرف کھڑی بائیک کی طرف بڑھا تھا کے روبی چاچی نے آواز دے دی۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتی وہ ہی کہہ پڑا۔

"جی چچی باہر جا رہے ہیں کیا منگوانا ہے؟" چڑتے ہوئے کہا تھا۔

"کچھ منگوانا نہیں ہے۔ موٹر بند کر دو، ٹینکی بھر گئی ہے۔ کب سے پانی گر رہا ہے پوری چھت گھیلی ہو گئی ہے پر کسی سے موٹر نہیں بند ہوئی ابھی تک۔" منہ بنا کر کہتے وہ ٹینٹ سیٹ کرتے زارون، عابص، اذبان، ہادی اور ضرار کی طرف بڑھی تھی۔

جبکہ اس سے پہلے کوئی اور کچھ کام کہتا وہ دونوں جلدی جلدی بائیک پر بیٹھے روانہ ہوئے تھے۔ آنگن میں صاف صفائی کروا کر قالین اور اس کے اوپر چاندنیاں بچھائی گئی تھی۔ جبکہ چھت کو وائٹ کلر کے پتلے سے کپڑے نما ٹینٹ سے ڈھانکا گیا تھا۔ جس میں سے آسمان صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے نیچے ہی پنک کلر کے پھولوں سے ایک اور جھالی نما چھت بنائی گئی تھی۔ جو دیکھنے والوں کو سحر انگیز کر رہی تھی۔ ساری ڈیکوریشن زارا کی پسند کی تھی۔ جو کڑکتی دوپہر میں زیتون محل کے لڑکوں نے بذاتِ خود کی تھی۔ جو سب ہی کو بہت پسند آئی تھی۔

میلاد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے زارا نے وائٹ کلر کی گھیر والی فراک پہنی تھی جو ٹخنوں سے ذرا اوپر آ رہی تھی۔ جس پر گلابی رنگ کے پھول دور دور بنے ہوئے تھے۔ ڈوپٹے پر بھی ایسے ہی گلابی رنگ کے پھول بنے ہوئے تھے۔ جبکہ باقی ساری عوام نے صرف سفید رنگ ہی پہنا تھا۔ سارے لڑکے لڑکیوں نے سفید شلوار قمیض ہی پہنے تھے۔

زارا تیار ہو کر خود ہی آنگن میں جا بیٹھی تھی۔ اور سارے مہمانوں سے بھی خوب گپیں لڑا رہی تھی۔ حالانکہ فیروزہ تائی اور سنبل چاچی اسے بہت بار آنکھیں دکھا چکی تھی۔

جبکہ ان کے ایسا کرنے پر روبی بیگم نے کہا تھا۔ "میلا د ہی ہے نا بھابھی، میلاد میں آج کل کون سی لڑکیاں دلہن بنی گھومتی ہیں کر لینے دیں بچی کو اپنی مرضی۔"

"ٹھیک ہی کہہ رہی ہے روبی۔ زارا تو ویسے بھی زیادہ دیر چپ نہیں بیٹھ سکتی بول لینے دو آج۔" خدیجہ بیگم نے بھی روبی بیگم کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

"آپا کب سے دیکھ رہی ہیں اسے ایسے بُھدکتے۔ اب صرف بہن تو نہیں میری ساس بھی ہیں بیٹی کی۔ اور تم سب نا بھئی بہت ماڈرن ہو گئی ہو۔ میرے میکے میں یہ سب نہیں چلتا۔ اب جب زارا کو وہی رہنا ہے تو میں پریشان ہو رہی ہوں کیسے رہی گی یہ سُسرال میں۔ پلوشے کا غم نہیں بھولا ابھی مجھے۔ میری ایک بیٹی کی ویران زندگی کو دیکھ روز کیسے صبر کرتی ہوں میں بس میرا خدا جانتا ہے۔" فیروزہ بیگم نے آنکھوں میں آئی نمی صاف کرتے کہا۔

فکر نا کرو فیروزہ، زارا تو اپنوں میں جا رہی ہے۔ اللہ اُسے ہمیشہ ہی ایسے ہنستا مُسکراتا رکھے گا۔" حمیرا بیگم نے ساری لڑکیوں کے بیچ ہنستی ہوئی زارا کو دیکھ کہا تھا۔ وہ سب ہی فیروزہ بیگم کے وہم اور وسوسوں سے باخبر تھیں۔ جس ماں کی ایک بیٹی چند مہینوں پہلے ہی ایک ناکام شادی نبھا کر آئی ہو۔ وہ ماں دوسری بیٹی کے وقت پریشان کیسے نا ہوتی۔

وہیں زارا کے سُسرال والے کچھ حسد اور کچھ حیرت سے زارا کو دیکھ رہے تھے۔ ایسی سجاوٹ اور ایسی ہنستی بولتی دلہن تو انہوں نے صرف فلموں ڈراموں میں ہی دیکھی تھی۔ جبکہ زرنش جو احمر کی سب سے بڑی

بہن تھی اُس سے رہانہ گیاتو آخر ماں کے کان میں دھیمی سرگوشی کرہی ڈالی جو پاس بیٹھی ماہم نے بھی باخوبی سُنی۔

"لگتاہے اب خالہ کے وہاں سارے رسم ورواج بھی ختم ہوگئے ہیں۔ مجھے اور ماہم کو توشادی سے مہینہ بھر پہلے اُبٹن میں گھونگٹ ڈال بٹھادیاگیاتھا۔ کیوں امّی اب بہو کے وقت کچھ نہیں کہیں گی آپ؟"زرنش نے ایک نگاہ زارا پر ڈالتے کہاجو عدیم اور عابص کے ساتھ تصویریں بنوارہی تھیں۔

"امّی نے بھلا آج تک فیروزہ خالہ کو کچھ کہاہے جواب کہیں گی۔ اگر اُن کا سٹیٹس ہم سے اونچاہے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ دُبک کر بیٹھ جائیں۔ پہلے دن سے ہی رعب رکھیں اپنا۔ دیکھانہیں تھاپلوشے کی ساس کا کتنارعب تھا۔"ماہم نے بھی اپنے خیال گوش گزار کرناضروری سمجھا۔ جبکہ عابدہ بیگم کو اس وقت دونوں بیٹیوں کامنہ بناکر بیٹھناٹھیک نہیں لگاتھا۔

"توتم لوگ کیاچاہتی ہو، اپنے بیٹے کاگھر خراب کردوں؟ پلوشے کی ساس نے توبیٹااُس کاگھر بھی نہیں بسنے دیا۔ مجھ سے ایسی امید نہ رکھوتم تینوں۔ اور اپنی پھپھیوں کو سنبھالوں ویسے ہی اس شادی سے خوش نہیں ہیں۔ یوں نہ ہوکہ کوئی رولاہی ڈال جائیں۔"عابدہ بیگم نے سمجھداری کامظاہرہ کرتے کہاتھا۔ پر دل میں بیٹیوں کی باتیں کہیں نہ کہیں چُبھ گئی تھیں۔ وہ خود بھی ذراقدامت پسند عورت تھیں۔ زاراکااپنے کزنز سے اتناقریب ہوناانہیں کہیں ناکہیں کھٹک رہاتھا۔

"پوراگھر سجایاہے خالہ نے۔۔۔اُف آپانور کے کپڑے دیکھے ہیں آپ نے؟ ایچ ایس وائے کاجوڑاہے اُس کا۔ اس قدر حسین کے کیابتاؤ۔"مریم نے آنکھوں میں چمک لئے کہا۔ وہ کب سے فلک کے ساتھ ہی گھوم رہی تھی۔ اور اب اپنی بہنوں کو ہر ایک ایک چیز سے آگاہ کررہی تھی۔ وہ تینوں بہنیں بچپن ہی سے اپنی

خالہ اور ان کے گھر اور گھر والوں کی زندگی سے بے حد متاثر رہی تھیں۔ اور وہ احمر اور زارا کی شادی سے پورے خاندان بھر میں اپنا رُعب قائم کرنا چاہتی تھیں۔ عابدہ بیگم نے بھی پورے خاندان اور بیٹیوں کے سُسرال میں یہی شوشا چھوڑا تھا کے اُن کی بہو بڑے اونچے اور کھاتے پیتے گھرانے سے آ رہی ہے۔

****

لاؤنج میں وہ کب سے بیٹھا اُسے ایک نظر دیکھنے کے لیے اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ لیکن وہ اب تک تیار ہو کر نیچے نہیں آئی تھی پھر کچھ ہی دیر میں سیڑھیوں سے کسی کے اترنے کی آواز آئی وہ فوراً کھڑا ہوا تھا۔

"بہاروں پھول برساؤ میرا محبوب آیا ہے۔" سیڑھیوں سے اترتی ہادیہ کو دیکھ ہادی نے گانا گنگنایا تھا۔ ساری لڑکیوں جیسا سفید شلوار قمیص ہی پہنے سر پر ڈوپٹہ اوڑھے وہ آنگن کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جہاں آج شام قرآن خوانی رکھی گئی تھی۔

وہ جو اپنے آپ میں مگن باہر کی طرف جا رہی تھی۔ ہادی کی آواز پر رُکی تھی۔ اور پھر چند قدم چل کر اس کے قریب آتے کہا۔ "زیادہ نہیں پھیل رہے تم؟ لائن پر آ جاؤ شیر بانو پھپھی جان نے سُن لیا نا قرآن خوانی میں گانے گائے جا رہے ہیں، تو کانٹیں برسا دیں گی تم پر۔" آنکھیں چھوٹی کرتے طنزاً مسکراتے کہا تھا۔

"انتہائی بدتمیز عورت ہو ویسے، میں یہاں تعریف کر رہا ہوں۔ تمہیں شیر بانو دادی کی پڑی ہے۔" ہادی نے نفی میں سر ہلاتے کہا تھا۔

"کون سی تعریف؟ گھسا پٹا گانا ہی تو گایا ہے۔ اور یہ عورت کس کو بولا ہاں شرم نہیں آتی لڑکی کو عورت کہتے ہوئے۔" منہ پھلاتے کہا تھا۔

"منہ مت پھلاؤ ویسے ہی پھولا ہوا ہے ٹیڈی بئیر جیسا۔" ہادی کو اس کے منہ پھلانے پر ہنسی ہی آ گئی تھی۔ وجہ ہادیہ کا منہ پھلاتے وقت کیوٹ لگنا تھا۔

"تم اب مجھے ٹیڈی بئیر سے ملا رہے ہو؟ خیر چھوڑو مجھے ٹیڈی بئیرز پسند ہیں۔ ورنہ بتاتی میں تمہیں۔" ہادیہ نے ایسے کہا جیسے احسان کر رہی ہو۔ وہ کہتے ہوئے باہر جانے ہی لگی تھی کہ ہادی کی آواز پر رک گئی۔

"سنو! تم وہ ہو جسے دیکھ کر میرے خالی دل کی ٹہنی پر گلاب کے سارے پھول کھل جاتے ہیں۔ جسے دیکھ کر مجھے اپنی مرضی کے سارے موسم مل جاتے ہیں۔ جس کی محبت کے رنگ میری کھکھلاہٹ میں گونجتے جاتے ہیں۔ تم بس محبت ہو میری۔" دھیمی مگر بھاری گھمبیر آواز میں کہتا وہ اس وقت ہادیہ کو دنیا کا سب سے خوبصورت شخص لگا تھا۔ ہادی کی آنکھیں جن میں شرارت اور شوخی ہمیشہ کی طرح قائم تھی۔ جو ہر دیکھنے والے کو مسکرانے پر مجبور کر دیتی تھی۔ وہ دنیا کا سب سے حسین لڑکا نہیں تھا۔ پر محبوب سے زیادہ حسین تو کوئی نہیں ہوتا نہ۔

وہ پلٹ کر اُسے جواب دینے ہی لگی تھی کہ فلک کی دلخراش چیخ گونجی تھی۔ وہ دونوں آواز سُن فوراً کچن کی طرف بھاگے تھے آواز وہی سے آئی تھی۔

فلک جس کا ہمیشہ کا ریکارڈ تھا۔ کوئی شادی کوئی میت کوئی پکنک کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں وہ نہیں گری ہو۔ پر آج تو اس نے حد ہی کر دی تھی۔ بریانی کی دیگ جو ابھی ابھی زارون اور عابص نے لا کر رکھی تھی فلک اس پر گر گئی تھی۔

فلک اور عبیر واشروم کے لیے گھوم کر مین اینٹرنس سے جانے کی بجائے کچن کے پچھلے گیٹ سے گھر کے اندر داخل ہو رہی تھیں کہ فلک دیگ میں گر پڑی۔

"یار عبیر دیگ پڑی ہے یہاں کیسے جائینگے؟ چلو گھوم کر چلتے ہیں۔" فلک نے دیگ کو دیکھتے ہی کہا تھا۔

"ایسے جائیں گے۔" عبیر نے دیگ پھلانگتے کہا تھا اور فلک جیسے ہی پھلانگنے لگی۔ وہ بُری طرح دیگ سے ٹکرا گئی تھی۔ جس سے دیگ کا تو کچھ نہیں بگڑا البتہ فلک بُری طرح دیگ سے ٹکرا کر زمین پر گری تھی۔ اور توازن برقرار نہ رکھ پانے کی وجہ سے وہ دیگ کے دوسری طرف کھڑی عبیر کو بھی دھکا لگا گئی تھی۔ شور کی آواز سن عابص زارون ہادی اور ہادیہ وہاں آئے تھے، باقی سب باہر ہونے کی وجہ سے ان کی آواز نہیں سن سکے تھی شاید۔

"یہ کہاں۔۔ میرا مطلب ہے کیسے گر گئی ہو؟" ہادی نے اپنی ہنسی روکتے پوچھا۔

"یار لگی تو نہیں تم دونوں کو؟" ہادیہ نے نیچے بیٹھتے پوچھا۔

"تم دونوں کو جانے کے لیے اور کوئی جگہ نہیں ملی تھی۔ ابھی اگر اللہ نہ کرے دیگ کے اندر گر جاتی تو دونوں۔ پتہ نہیں کب بڑی ہوں گی۔" عابص نے ماتھے پر بل لاتے برہم لہجے میں کہا تھا۔

"مجھے تو مت ڈانٹیں بھائی۔ فلک کے دھکے کی وجہ سے گری ہوں میں۔" عبیر نے رندھی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

"فلک آخر کب بڑی ہو گی چندا۔" زارون نے اس کا ہاتھ پکڑتے اسے کھڑا کیا تھا۔ "لگی تو نہیں کہیں۔" زارون نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

"گھٹنے چھِل گئے ہیں میرے۔" معصوم سی شکل اور پھولے ہوئے گال لیے اپنا چشمہ سیدھا کرتے فلک نے کہا تھا۔

"اللہ تعالیٰ نے چار آنکھیں دی ہیں۔ پھر بھی کچھ دکھائی نہیں دیتا اندھی، مجھے بھی لگ گئی تمہاری وجہ سے ۔"عبیر جو اپنے بھائی کے گلے لگی تھی فلک کو کہا۔

"اچھا بس! میری بہن جان بوجھ کر تو نہیں گراتی نا تمہیں۔ ایک تو ویسے ہی اسے لگ گیا ہے۔"زارون نے فلک کو خود سے لگاتے عبیر سے کہا تھا۔

"اوہ دیٹس گڈ۔ تمہاری بہن کو کوئی مار کر بھی کچھ نا کہے اور جو عبیر کو لگا اس کا کچھ نہیں۔" عابص نے بھی فوراً جوابی کاروائی کی۔ در حقیقت دونوں کو ہی اپنی بہنیں عزیز تھی۔

"تو عبیر بھی میری ہی بہن ہے بھئی۔ فوراً لڑنے آ جاتیں یہاں سب۔"زارون نے چڑتے ہوئے کہا تھا۔ پھر دونوں سے مخاطب ہوا۔ "عبیر فلک اندر جاؤ۔ اور کسی سے پوچھ کر کچھ لگاؤ۔"زارون نے دونوں کو کہا تھا۔

"ابے یار ٹیلکم پاؤڈر لگالو۔ کچھ نہیں ہوتا، آؤ اندر چلو۔"ہادیہ دونوں کو اندر لے گئی تھی۔

آخر کار میلاد کے ساتھ ساتھ ایک تھکا دینے والا دن بھی ختم ہوا۔ کل مہندی تھی جس کی وجہ سے آج سب جلدی ہی سونے چلے گئے تھے۔ سوائے چند ایک لوگوں کے۔

"کیسی ہو فاطمہ۔۔؟" آنگن کی سیڑھیوں پر وہ کافی کا مگ لیے بیٹھی تھی کہ اپنے برابر میں ضرار کو بیٹھتے پایا ۔

"ٹھیک ہوں۔ اتنے عرصے بعد کوئی مجھے فاطمہ کہہ رہا ہے تو لگ رہا ہے جیسے یہ میرا نام ہی نہیں۔" ہنستے ہوئے اس نے ضرار سے کہا تھا۔

"ایکچوئیلی میں نے تو تمہیں فاطمہ نام سے ہی جانا ہے۔ اسلام آباد تو سب تمہیں فاطمہ ہی کہتے ہیں۔ خیر میں نور بولنے کی کوشش کرتا ہوں پر۔" ضرار نے اُسے دیکھتے مَصلیحتاً کہا تھا۔

"نہیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اچھا لگ رہا ہے یہ نام خود پر۔ تمہیں پتہ ہے دادی جان کو میرا نام فاطمہ رکھنا تھا، اور امّی کو نور۔ آخر میں میرا نام نور فاطمہ رکھا گیا۔ پر امّی نے کبھی کسی کو فاطمہ کہنے ہی نہیں دیا۔ سب نور ہی کہتے۔ کبھی کبھی دادی جان یا خدیجہ پھپھو کے بیٹے ہیں نا وہ کہہ دیتے ہیں نور فاطمہ۔ پر صرف فاطمہ وہ بھی نہیں کہتے۔" مُسکراتے ہوئے اس نے ضرار کو بتایا تھا۔ وہ سمجھ گئی تھی وہ بور ہو رہا ہے جبھی یہاں آیا ہے۔ اور نور کی عادات ہی ایسی تھیں۔ وہ سب سے ہی ہنس بول لیتی تھی۔ حالانکہ وہ کسی سے فضول باتیں نہیں کرتی تھی پھر بھی اس کی باتیں سب کا دل جیت لیتی تھی، کچھ لوگ ہوتے ہیں ایسے جو دل ے بہت قریب لگنے لگتے ہیں وہ انہیں لوگوں میں سے تھی۔ عدیم اور عائشہ کا کہنا تھا نور سب کے چہرے پڑھ لیتی ہے۔ اُسے کوئی کچھ نہیں بھی بتائے پھر بھی اُسے سب پتہ چل جاتا ہے۔ وہ بھی اکیلی بیٹھی تھی تو ضرار کو کمپنی دینے لگ گئی۔

"حالانکہ فاطمہ تم پر زیادہ سوٹ کرتا ہے۔ ویسے پھپھو بہت بوسی ہیں نا"؟ سر کھجاتے ضرار نے کچھ پزل ہوتے کہا۔

"کچھ؟ امّی بہت بوسی ہیں بھئی۔ پر ہم نے کبھی انہیں کسی چیز کے لیے منع بھی تو نہیں کیا۔ اس لیے بھی وقت کے ساتھ ساتھ وہ اور ہوتی گئی۔" نور نے اُسے جواب دیا۔

"زبیر انکل کی پھپھو سے کبھی اس بات پر کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ عموماً تو آدمی ____ میرا مطلب ہے۔ پھپھو کی نیچر جس ٹائپ کی ہے۔" وہ پھر کنفیوز ہو گیا تھا۔ حالانکہ وہ پوچھنے کچھ آیا تھا اور پوچھنے کیا بیٹھ گیا۔

"نہیں تو ہم نے تو کبھی بابا کو امّی سے جھگڑتے نہیں دیکھا۔ پر اس میں کمال میرے بابا کا ہے۔ بابا امّی سے بہت پیار کرتے ہیں۔ اور امّی کے بوسی ہونے کی بڑی وجہ بھی وہی ہیں۔" نور نے مُسکراتے ہوئے بتایا۔

"تمہیں بُرا تو نہیں لگا۔ میں تم سے کیا کیا پوچھنے بیٹھ گیا۔" اُس نے نور کو دیکھتے کہا۔ جبکہ وہ ہنس دی۔

"تم پاگل ہو۔ مجھے کیوں بُرا لگے گا؟ ویسے بھی تمہارا حق ہے پوچھنا تم دودھ شریک بیٹے ہو ان کے۔" شرارت سے کہتے ہوئے اس نے آنکھیں پٹپٹائی۔ نور کا مخصوص انداز۔

اذبان جو کب سے کھڑکی میں کھڑا ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ آخر باہر آ گیا۔

"نور آپ کو فیروزہ ممانی بلا رہی ہیں۔" ان دونوں کے سر پر کھڑے ہوتے اذبان نے کہا۔ اور ساتھ ہی ضرار کو سرد آنکھوں سے گھورنا نہیں بھولا۔

"کیوں؟" ابھی تو آئی ہوں میں کچن سے ویسے بھی بارہ بجنے والے ہیں اس وقت تو سونے چلی جاتی ہیں وہ۔" نور کو لگا اُسے پھر کسی کام کے لیے بُلا لیا ہے اور وہ عادتاً چڑ گئی۔

اُسے ایسے چڑتے دیکھ اذبان نے فوراً بات بدلی۔ "وہ مجھے کافی پینی تھی، شاید اس لیے بلایا ہو۔"

"کوئی اور نہیں ہے نیچے۔۔۔؟" معصوم سی شکل بناتے اس نے پوچھا۔

اذبان کو افسوس ہوا وہ ویسے ہی تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ شادی کے کاموں سے سب ہی تھک کر سو گئے تھے۔ وہ شاید خود کو ریلیکس کرنے بیٹھی تھی۔ پر اس سے پہلے وہ کچھ کہتا ضرار بول پڑا۔

"اگر تم برا نہ مانو تو میں بنا دیتا ہوں کافی۔ ویسے اچھی کافی بنالیتا ہوں میں بھی۔" ضرار نے اذبان کو دیکھتے کہا اور ساتھ ہی نور پر بھی نظر ڈالی جو اذبان کو دیکھ رہی تھی کہ وہ ہاں کہہ دے۔

"ارے نہیں۔ تم مہمان ہو۔ میں خود بنالوں گا اٹس اوکے۔ پر اس وقت باہر کیوں بیٹھے ہو دونوں؟" اذبان نے آخر انہیں کہہ ہی دیا۔ اب وہ کیا بتاتا کہ مجھے کافی میں کوئی انٹرسٹ نہیں بس تم میری چڑیا کے ساتھ نہ بیٹھا کرو۔

"وہ تو ہم ایسے ہی باتیں کر رہے تھے۔ اچھا ایک کام کرینگے میرے لیے بھی بنا دیجیئے گا۔ وہ اصل میں اس میں تھوڑی سی تھی زارون بھائی نے پی لی تھی میری بھی۔ اس لیے دوبارہ نہیں بنائی۔" جب نور نے اذبان کو اس کا کافی کپ تکتے پایا تو فوراً وضاحت دی۔

"اٹس اوکے! آپ مجھے چیزیں بتا دو میں بنالیتا ہوں۔" اذبان نے اپنی مسکراہٹ روکتے کہا تھا۔ اتنے سالوں میں پہلی بار وہ اس سے کچھ فرمائش کر رہی تھی۔ اور اذبان کی خوشی کی انتہا نہیں تھی۔

جی آپ بنا دیجیئے گا، باقی سامان تو میں ابھی دیتی ہوں۔ پر میری کافی میں چینی زیادہ ڈالیے گا میں کڑوی کافی نہیں پی سکتی اور جیسے میں بتاؤ ویسے بنائیے گا ورنہ مجھے پسند نہیں آتی۔" روانی میں کہتے آخر میں کچھ ہچکچاتے اذبان کو دیکھا تھا۔ پر اس کے مسکرا کے سر ہلانے پر وہ پر سکون ہو گئی تھی۔ اور پھر ضرار سے مخاطب ہوئی تھی۔ جو اس کے برابر میں بیٹھا ان دونوں کو سن رہا تھا۔

"ضرار تم بھی اندر آجاؤ۔ باہر اکیلے کیا کرو گے؟"

"ہاں ضرار اندر آ جاؤ۔ ویسے اگر تمہیں بھی کافی پینی ہے تو بتا دو۔ میں بھی بہت اچھی کافی بنا لیتا ہوں۔" اذبان نے نہ چاہتے ہوئے بھی اُسے آفر کی تھی۔

"کافی اور پوچھ پوچھ۔ مجھے تو کافی بہت پسند ہے۔ میں کافی کا کبھی منع نہیں کرتا"۔ ضرار نے ہنستے ہوئے کہا۔

"رئیلی؟ واہ بھئی مجھے بھی کافی بہت پسند ہے۔ ہمارے گھر میں تو بس میں اور زارون بھائی ہی پیتے ہیں۔ اُس میں بھی سنبل چاچی ڈانٹتی ہین کہ کافی نہ پیا کرو گرم ہوتی ہے۔ چائے کی بیشک دیگ بنا بنا کر پی لیں۔" نور نے آخر میں اپنا غم سنانا ضروری سمجھا تھا۔

"چلیں اندر۔۔؟" اذبان کی آواز پر وہ دونوں اس کے پیچھے کچن میں آ گئے تھے۔ پھر اذبان نے نور کی بتائی گئی ریسیپی پر کافی بنائی تھی۔ اور اتنے سالوں میں پہلی بار وہ اس کے ساتھ اتنا ریلیکس ہو کر بیٹھا تھا۔ حالانکہ وہ باتیں ضرار سے ہی کر رہی تھی۔ پر اذبان کے لیے تو اُسے سُننا اور دیکھنا بھی خوش کُن تھا۔

یوں زیتون محل میں ایک تھکا دینے والا دن اختتام پذیر ہوا تھا۔ باقی کے فنکشن کچھ دن ٹھہر کر تھے تو سب ہی کچھ پُر سکون ہو گئے تھے۔ جبکہ عابدہ بیگم کے گھر میں اس وقت چائے کا دور چل رہا تھا۔ ان کی بڑی بیٹی کی شادی ان کی منجھلی نند کے بیٹے سے ہوئی تھی جبکہ دوسری بیٹی کی شادی ان کے سُسرال میں کچھ دور کے رشتے داروں میں ہوئی تھی۔ جبکہ اُن کی ایک بیٹی مریم جو احمر سے چھوٹی تھی وہ ابھی کنواری تھی۔ احمر کی زارا سے شادی پر ان کی نندوں نے اعتراض کیا تھا۔ یہ شکوہ انہوں نے عابدہ بیگم سے تو نہیں البتہ اپنے بھائی سے ضرور کیا تھا کہ آپ کو اپنی سالی کی بیٹی دکھی پر سگی بہنوں کی نا دکھی۔ جسے انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا تھا کہ زارا احمر کی پسند ہے۔ اور یہ حقیقت ہی تھی۔ احمر کو زارا بچپن سے ہی بے حد پسند تھی۔ پہلے پہل تو وہ خود کو اُس کے لائق نہیں سمجھتا تھا۔ کیونکہ وہ عیش و آرام میں رہنے کی عادی تھی۔ جبکہ اُن کے گھر کے مالی

حالات کوئی بہت اچھے نہیں تھے۔ پر جب سے احمر نے اپنا بزنس شروع کیا تھا۔ ان کی گھر کے حالات کافی اچھے تھے۔ اور پھر اُس کے بولے بغیر ہی عابدہ بیگم نے اُس سے زارا کی بات کی جس پر اُس نے پوری دلی رضامندی سے ہاں کہا تھا۔ یوں اُسے اُس کی محبت بھی مل گئی اور ماں کے آگے فرمانبرادری کا بھرم بھی قائم رہ گیا۔

"ہم جب سے آئیں ہیں تم زارا کی تصویریں ہی لے کر بیٹھے ہو۔ بہنوں سے بھی کچھ دیر بات کر لو۔" زرنش نے اُسے دیکھتے کہا جو آج کے فنکشن میں لی جانی والی زارا کی تصویریں مریم سے واٹس ایپ پر لے کر دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو پھپھیوں سے فرصت ہی کہاں تھی آپا۔ ورنہ میرے لیے تو آپ کے لیے وقت ہی وقت ہے۔" احمر نے موبائل ٹیبل پر رکھتے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہاری وہ پھپھی ہیں لڑکے میری وہ ساس ہیں ساس۔" منہ چڑھائے زرنش نے کہا۔ "اچھا ایک بات بتاؤ؟ یہ زارون کی واقع میں صباح سے بات چل رہی ہے۔" وہ فوراً اپنے مدعے پر آئی تھی۔

"مجھے کیا معلوم آپا۔ ان کا پرسنل میٹر ہے۔ آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟" احمر نے نرمی سے کہا تھا۔ وہی نرمی جو اُس کی ذات کا خاصہ تھی۔ جو اُس کی پرسنیلیٹی کو چار چاند لگا دیتی تھی۔

"ویسے ہی امّی نے تو مریم کا سوچا تھا۔ ویسے خالہ کو چاہیئے تھا ایک بار مریم کے حوالے سے ضرور سوچتی۔ آخر مریم ان کی سگی بہن کی بیٹی ہے۔ اور اب تو زارا کے حوالے سے دوہرا رشتہ ہے۔ ویسے بھی اب امّی میرے اور ماہم کے بعد مریم کو اس خاندان میں بلکل نہیں بیاہنہ چاہتی۔" زرنش نے اپنی بات مکمل کر کے

احمر کو دیکھا جو خاموشی سے بس اُسے دیکھ رہا تھا۔ پھر فوراً بات بدل دی۔ "اچھا یہ بتاؤ مہندی پر کیا پہن رہے ہو۔ وہاں تو سب نے خوب تیاری کی ہوئی ہے۔"

"ابھی وقت ہے آپا کپڑے تیار ہو کر آئے نہیں ہیں۔ اور آپ لوگ بھی کریں نا تیاری کون روک رہا ہے آپ کو۔" احمر نے مدھم مُسکان سے کہا۔ البتہ زرنش کے باتیں پھر شروع ہو چکی تھی۔

****

تیز برستی ہوئی بارش دن میں بھی رات کا منظر پیش کر رہی تھی۔ سہہ پہر کے تین بجے کالے بادل زور لگا کر برس رہے تھے۔ چھت پر زیتون محل کی خواتین بارش سے لُطف اندوز ہو رہی تھیں۔ کراچی میں بارش کا برسنا پہلے رحمت اور پھر زحمت ہی بن جاتا تھا۔ اس سے پہلے سڑکیں ندی نالوں کا منظر پیش کرتی دادی جان نے کال کر کے تمام مردوں کو جلد گھر آجانے کا حکم دیا تھا۔ جبکہ داداجان نے موقع کی مناسبت سے ٹراؤزر اور ٹی شرٹ پہنی تھی ساتھ احمد کو گود میں اُٹھائے منڈیر سے نیچے گلی میں جمع ہونے والے پانی کا جائزہ لے رہے تھے۔ دادی جان اور حمیرا بیگم کرسیاں لگا کر بیٹھے تھے۔ جبکہ پلوشے ساتھ ساتھ وائپر بھی مار رہی تھی تاکہ پانی سیڑھیوں کے ذریعے نیچے نہ جائے۔ فیروزہ تائی موقع کی مناسبت سے ہمیشہ کی طرح اپنا مزہ چھوڑ کر سارے لوگوں کے لیے پکوڑے بنانے نیچے جا رہی تھیں۔ جبکہ سنبل بیگم خدیجہ بیگم اور روبی بیگم اپنی جوانی کی باتوں میں مصروف تھیں۔ صباح، نور، زارا، ہادیہ اور ماریہ منڈیر سے ٹیک لگائے کھڑی تھیں۔ جبکہ علیشبہ، فلک عبیر آپس میں کچھ کھیل رہی تھیں۔ عائشہ ابھی ابھی ہی چھت پر آئی تھی اور سامنے چھت والوں کی آوازیں جو صرف سیڑھی پر کھڑا ہی کوئی سُن سکتا تھا اس کے کانوں میں پڑی۔

"ارے قاسم مراد علی کی تو ساری پوتیاں ہی ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ پر پلوشے والی بات کسی میں نہیں۔ میرا بیٹا بڑا خوار ہوا ہے اس لڑکی کے چکر میں۔ ہر دوسرے دن جاتی تھی زیتون بانو کے آگے ہاتھ پھیلانے پر مجال ہے جو ہاں کی ہو اُس نے۔ اب دیکھا کیسے گھر بیٹھی ہے۔ اگر میرے ظہیر کے لیے ہاں کر دی ہوتی تو عیش کرتی یہاں۔ پر جو اللہ کو منظور۔" یہ سامنے والی نسیمہ آنٹی کی آواز تھی جو نا جانے کسے یہ سب بتا رہیں تھیں۔ اُن کے ساتھ شاید ان کی کوئی رشتے دار عورت تھی جس نے جواب میں کہا۔

"ارے نسیمہ اب اُس کو کاہے دل سے لگا کر بیٹھی ہے۔ ایک بچے کی ماں بن گئی ہے اب، یہ نیلے کپڑے والی بھی تو اتنی سوہنی ہے، اس سے بات کیوں نہیں چلاتی ظہیر کی۔

"یہ نیلے کپڑے والی کون نور۔۔؟ جو ہاتھ باندھے کھڑی ہے۔۔؟ دل تو میرا بھی بڑا ہے پر یہ تو صائم کو پسند ہے۔ اتنی بار کہہ چکا ہے امّی جائیں بات کریں زیتون دادی سے۔ پر پہلے تو میں یہی سوچتی تھی کہ اپنے ظہیر کی دُلہن لاؤں گی پر وہ تو مانتا ہی کہاں ہے۔ آج بھی پلوشے کے پیچھے خوار ہے منحوس مارا۔ تنگ آگئی ہوں اب تو اس بے مقصد ضد سے۔ پر اب سوچتی ہوں صائم کا رشتہ مانگ ہی لوں ایک ٹھوکر لگ گئی ہے نا زیتوں بانو کو اب کی بار شاید انکار نہ کرے۔ پر یہ جو نور ہے نا اس کی ماں بڑی تیز عورت ہے۔ مجھے نہیں لگتا اتنی آسانی سے اپنی بیٹی بیاہ دیگی۔ میرے دونوں بیٹوں کو بھی پوری دنیا میں اس گھر کی ہی لڑکیاں ملی تھیں۔ اتنا نخرہ ہے ان لوگوں کا، آپس میں ایسا گٹھ جوڑ ہے کہ کسی تیسرے کو تو کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں۔"

"عائشہ وہاں کیا کر رہی ہے؟ صرف بارش دیکھنے چڑھی ہے اوپر۔" دادا جان جو اب چھت پر چکر کاٹ رہے تھے اُسے وہاں کھڑے دیکھا تو بول پڑے۔

"نہیں دادا آ رہی ہوں۔ آپ تھک جائیں گے اس گلاب جامن کو اُٹھاتے اُٹھاتے مجھے دے دیں۔" عائشہ نے نسیمہ آنٹی کی باتوں کو اگنور کرتے دادا جان سے کہا تھا۔ اور احمد کو اُن سے لیا تھا۔ پر پیٹ عجیب بھاری ہو رہا تھا جب تک وہ یہ سب کسی کو بتا نہ دیتی اُسے چین کیسے پڑنا تھا۔

"یار بس دعا کرو میری شادی کے کسی فنکشن میں بارش نہیں ہو۔ جیسے میلاد نکل گیا ویسے باقی فنکشن بھی نکل جائیں۔ ورنہ تو سین آف ہو جائیگا۔" زارا نے ہاتھ اوپر کرتے کہا تھا۔

"مجھے تو لگتا ہے زارا باجی نے خوب پتیلوں میں کھانا کھایا ہے جبھی تو بارش ہو رہی ہے۔" عبیر نے کہا۔

"منع بھی کرتی تھی میں تمہیں نہ کھاؤ پتیلے میں کھانا دیکھا اب کیا ہو گیا ہے"۔ سنبل چاچی نے زارا سے بچ کر سب کو آنکھ مارتے کہا۔

"وہی تو آج کل کی لڑکیاں کہاں سنتی ہیں کسی کی اب دیکھو سارے فنکشن لگتا ہے اب گھر میں ہی کرنے پڑیں گے۔ خدیجہ پھپھو نے ہنسی دباتے کہا جبکہ زارا کا منہ دیکھنے لائق تھا۔

"خدا کا خوف کریں پھپھو کیوں تنگ کر رہی ہیں۔ میں نے تو آج تک کبھی پتیلے میں کھانا نہیں کھایا۔" منہ بناتے زارا نے کہا۔ جس پر سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔ اتنے میں فیروزہ بیگم گرما گرم پکوڑے لیے آئیں۔ پکوڑوں کو بارش سے بچانے کو پلیٹ سے ڈھانکے وہ ان سب تک آئی تھیں۔

"شیر بانو پھپھی جان کہہ رہی ہیں زارا کو کہو کھلے آسمان تلے نہیں کھڑا رکھو۔ جا نیچے جا تو۔ ویسے ہی جب لڑکیوں کی شادی ہونے والی ہوتی ہے جن اُن پر زیادہ جلدی قابض ہوتے ہیں۔" فیروزہ بیگم نے اپنے ازلی اسٹائل میں کہا۔

"کیا ہے امّی! شیر بانو دادی جان سے بڑا کوئی اور جن ہو گا کیا اس گھر میں جو مجھ پر قابض ہو گا۔ میں تو کوئی نہیں جا رہی۔ خود تو اب تک زارون بھائی وغیرہ ان سے پہلے ملنے نہیں گئے اُس والی بات پر منہ بنائے بیٹھی ہیں اکیلی، اب مجھے بھی اکیلا کرنا چاہتی ہیں ہنہہ۔"

"دھیمے بول زارا سُن لیا انہوں نے تو خیر نہیں تیری۔ بہت تیز کان ہیں میری پھپھی کے۔" حمیرا بیگم نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں تو یہی سوچتی ہوں آپا سُسرال جا کر نا جانے کون سے گُل کھلائے گی یہ۔ آپا اور ان کے سُسرالیوں کا تو پتہ ہی ہے آپ کو کتنی پُرانی سوچ کے مالک ہیں۔ اوپر سے دونوں بیٹیاں بھی سُسرال میں ہی بیاہی ہیں۔ وہ بھی پرانی سوچ کی ہی مالک ہیں۔ سمجھائیں ذرا اس کو کچھ عقل کرے یہ میری تو سنتی ہی نہیں ہے۔"

"اوہو امّی اب ایسا بھی کیا کر دیا میں نے۔ اور پھر میں نے تو نہیں کہا تھا میری شادی قدیم زمانے کے کسی آدم زاد سے کروا دیں۔ اور ویسے بھی احمر کافی کُھلے ذہن کے ہیں۔ آپ فالتو میں پریشان ہوتی رہتی ہیں بس۔" ڈوپٹے سے پانی نچوڑتے اُس نے کہا۔ جس پر سب ہنستے ہی رہ گئے اور فیروزہ بیگم منہ ہی بناتی رہ گئی۔

****

دیکھتے ہی دیکھتے دو دن گزر گئے کل زارا کی رخصتی تھی۔ پورا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ گھر کی تمام خواتین مہمانوں کی خاطر داری میں لگی ہوئی تھی۔ جبکہ سارے مرد شادی کے دوسرے کاموں میں مصروف تھے۔ آج کی رات سارے کزنز نے ایک ساتھ گزارنے کا پلان بنایا تھا۔ جس کے لیے اوپر والے پورشن کے ٹیرس پر فلور کشن گاؤ تکیے وغیرہ رکھے گئے تھے۔ ٹیرس کے جھولے پر لگے زارا کی مہندی والے دن کے پھول بھی بھلے لگ رہے تھے۔ ماحول کو کوزی بنانے کی پوری کوشش کی گئی تھی۔ اب باری

تھی سب کو پکڑ پکڑ کر وہاں لانے کی جو وہ سب کر رہی تھیں۔ کیونکہ مہمانوں کی وجہ سے سب ہی کاموں میں مصروف تھے۔ نور ہادی اور ضرار کو ہادی کے کمرے سے بلانے گئی تھی۔

"تم کیوں ایسے بیٹھے ہو؟ کیا ہوا ہے؟ نور نے ضرار سے پوچھا جو خاموشی سے اپنے موبائل میں نا جانے کیا تک رہا تھا۔ ان گزرے دنوں میں ضرار نور اور ہادی کو ماریہ کے بارے سب بتا چکا تھا۔ کیونکہ ان کو بتانا اس کے مطابق بہت ضروری تھا۔

"کاش محبت کی جو بیل میرے دل پر کھلی تھی وہ اس کے دل پر بھی کھل جاتی۔ کتنا اچھا ہوتا نا نور؟" موبائل سے نظریں اٹھاتے ضرار نے کہا تھا۔

"خیر! تم فلحال یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسے تم سے ابھی محبت ہے یا نہیں ہے۔ جہاں تک مجھے پتہ ہے۔ ملّی نروس اور گھبرانے والی لڑکی نہیں ہے۔ پر تمہارے سامنے وہ نروس بھی ہو رہی ہے اور گھبرا بھی رہی ہے۔ سچ بتاؤ تو مجھے تم دونوں کا ریکشن دیکھ کر ہی سمجھ آگیا تھا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔"

"ضرار تو اس کی باتوں کو سرئیسلی مت لینا۔ کچھ بھی کہتی رہتی ہے۔ کسی خوشفہمی میں نہیں رہنا یہ بھی ہو سکتا ہے ملّی کو کوئی اور پسند ہو۔" ہادی نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"کیوں امیدیں پالنے کا حق صرف آپ کو ہے؟" نور نے آنکھیں گھماتے ہوئے کہا۔

"میرے سین میں دونوں طرف سے سب سیٹ ہے۔ ہر بات میں ٹونٹ نہ کیا کرو بڑا بھائی ہوں تمہارا۔" ہادی نے اسے آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا تھا۔ "یہی ہوتا ہے جب آپ چھوٹی بہنوں کو ہمراز بنا لیتے ہیں۔ پھر عزت کرنے کروانے کا کوئی سین نہیں رہتا۔"

"اب اس کا کیا سین ہے؟" ضرار نے چونکتے ہوئے ہادی کو کشن مارتے کہا۔

"اس گھر میں سب کے ہی سین ہیں، ایک ہم ہی مسکین ہیں۔" خیر اب چھوڑو بعد میں پوچھنا تم۔ پر میرا اندازہ ہے ماریہ بھی تمہیں پسند کرتی ہے۔" نور نے مزے سے چپس منہ میں ڈالتے کہا تھا جس پر ہادی نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ ضرار عجیب تذبذب کا شکار ہوا تھا۔ پھر سر جھٹکتے کہا۔

"پھر اس نے صاف انکار کیوں کر دیا؟ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ کم سے کم زوبی کو ضرور بتاتی۔

"اوہو بھئی اُسے لگتا تھا کہ گھر والے منع کر دیں گے۔ اور وشہ باجی کے بعد سے تو ویسے ہی سب ڈر گئے ہیں ۔ اور ماریہ کا سب سے بڑا ڈر ہی زوبیہ ہے کیونکہ زوبیہ تو ویسے ہی صباح باجی کو نہیں پسند تھی۔ اور اگر اس سب کے بعد اس نے تمہیں انکار کیا تو صرف اس لیے کہ اسے اپنے ماں باپ کو یہ پروف کرنا تھا کہ اس کے دوست اور وہ خود کوئی بگڑی ہوئی لڑکی نہیں ہے۔ کیونکہ بقول ان کے ماریہ کے دوست بگڑے ہوئے ہیں۔ اب اگر تم ریجیکٹ ہوئے ہو تو وجہ تمہارا زوبیہ سے لنک ہونا تھا۔ اب تم ہادی اور نور کے کزن ہو ریجیکشن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم دیکھنا میں تمہاری لو میرج ارینج طریقہ کار سے کیسے کرواتی ہوں۔" نور نے کالر جھٹکتے کہا۔

"ہاں اس کا یہی کام ہے۔ بہت ایکسپرٹ ہے میری بہن۔" ہادی نے مزاق اڑاتے کہا تھا۔

"تم رکو ذرا اب ہادیہ اور تمہارا پھڈا نہیں کروایا تو نور نام نہیں میرا۔" دانت بھینچتے اس نے کہا تھا۔

"اللہ جانے کون عقل کا اندھا تمہیں پلو شے بجو سے ملاتا ہے۔ ان جیسی سویٹ اور شائستہ مزاج تو تم کہیں سے بھی نہیں۔ بات بات پر دھمکیوں پر اتر آتی ہو۔" ہادی نے چڑاتے ہوئے کہا۔

"فلک کے چشمے لا دو؟ وہ پہن کر شاید آپ کو یقین آ جائے میں ان جیسی ہی ہوں۔" نور نے اتراتے ہوئے کہا تھا۔ اسے خود کو وشہ سے ملانا بہت پسند تھا۔

"اگر غور کرتی تو سمجھتی۔ میں نے عقل کے اندھے کہا ہے آنکھوں کے نہیں۔" منہ چڑھاتے ہادی نے کہا تھا۔

"احسان فراموشی کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ بس مطلب کے وقت یاد آتی ہے بہن ہاں۔" کشن ہادی کے سر پر مارتے اس نے ضرار کو دیکھا تھا۔ جو دانت نکالے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ "تمہارے بڑے دانت نکل رہے ہیں۔ چلو اٹھو اب دونوں زارا باجی کب سے سب کا انتظار کر رہی ہیں۔" وہی کشن اُس کے بھی سر پر مارتے وہ ان دونوں کو کہتے کمرے سے باہر نکلی تھی۔

وہ سب ٹیرس پر گاؤں تکیے لگائے کچھ لیٹے اور کچھ ٹیک سے بیٹھے تھے۔ نور کے پیچھے ہنستے ہوئے ضرار کو آتا دیکھ اذبان فوراً سیدھا ہوا تھا۔ کیا ہوا اچانک آپ کو؟ اذبان کو نور اور ضرار کو ایسے دیکھتے ہوئے آزان نے کہا تھا۔

"میری ننھی چڑیا بہت معصوم ہے۔ اور بہت پیاری پیاری باتیں کرتی ہے۔ مجھے ڈر ہے کوئی اسے اُڑا کر نہ لے جائے۔" بے خیالی میں کہتے اذبان کو اچانک اپنی بے اختیاری کا خیال آیا اور سیدھا ہو کر بیٹھا۔ جبکہ آزان نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔ اس کا بھائی آج کل ضرار کی وجہ سے ڈسٹرب تھا۔ وہ یہ بات محسوس کر سکتا تھا۔

"آپ کو یاد ہے زارا باجی۔ جب میں چھوٹا تھا اور ہر جگہ تھوک پھینکتا تھا۔ آپ نے کہا تھا تھوک پھینکنے سے میرا تھوک ختم ہو جائیگا۔ اور میں ڈر کے مارے منہ پر ہاتھ رکھ دیتا تھا کہ کہی سچ میں نہ ختم ہو جائے۔ اس ڈر

سے مجھ معصوم نے تھوک پھینکنا بند کرد"یا۔عدیم نے منہ بناتے اور ہنستے ہوئے زارا سے کہا تھا۔جبکہ اندر سے وہ زارا کے جانے پر اداس تھا۔

"ہاں تو تم بھی تو اتنے گندے تھے۔پان کھانے کی ایکٹنگ میں جگہ جگہ تھوک پھینک دیتے تھے۔"زارا نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

"یاد ہے سنبل چاچی کتنا مارا کرتی تھی اسے اور یہ بجو کے پاس بھاگتا تھا فوراً"۔علی نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا ۔

"جوتے کے تسمے تک بجو باندھ کر دیتی تھی انہیں۔ان کی شادی کے بعد خود سے باندھنا سیکھے تھے سب نے ۔"عائشہ نے کہا تھا۔

"مجھے یاد کروگے تم لوگ؟ جیسے بجو کو کرتے تھے؟"زارا نے آنسوؤں پر بندھ باندھتے کہا تھا۔

"تم کونسا چاند پر جا رہی ہو؟ کل جاؤ گی پرسو پھر ٹپک پڑو گی۔"زارون نے کہا تھا۔

"میں تو آپ کے جانے کے بعد فلک کو پہلی فرسط میں آپ کے کمرے میں پھینکوں گی،اس کی خراٹیں سُن سُن کر کان جواب دے گئے ہیں میرے۔"نور نے کہا تھا۔

"زارا باجی میں تو آپ کے جاتے ہی آپ کا یلو والا جوڑا لے لوں گی،کب سے انتظار کر رہی ہوں میں کہ آپ جائے اور وہ سوٹ میرا ہو۔"عبیر نے نور کو آنکھ مارتے کہا تھا۔جبکہ ان سب کی ہی آنکھیں بھیگنے لگی تھی۔

Urdu Novels Ghar

کتنا مشکل ہوتا ہے نہ جن کے ساتھ پورا بچپن گزارا ہو۔ انہیں چھوڑ جانا۔ زارا کی باتیں اس کا پورے گھر میں شور شرابا مچانا۔ اپنی شادی کا کہہ کہہ کر کاموں سے بچنا۔ اس سے لڑائیاں کرنا۔ وہ سب ہی اپنے اپنے آنسوں روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور اچانک علی نے عدیم کی طرف اشارہ کیا جو منہ جھکائے بیٹھا تھا۔ شدت ضبط سے چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"عدیم کیا تم رو رہے ہو۔۔۔؟" رندھی ہوئی آواز میں زارا نے کہا۔ اس کا اتنا کہنا تھا اور عدیم کی پانی سے بھری آنکھوں سے آنسوں گرنا شروع ہو گئے تھے، اسے دیکھتے ہی اب سوائے اذبان اور عابص کے سب ہی رونے لگے تھے۔

زارا نے اسے گلے لگایا تھا۔ "رو کیوں رہے ہو پاگل۔ ابھی بھائی نے کہا تو کل جاؤں گی پر سو پھر ٹپک پڑونگی۔ اس کے بالوں کو سہلاتے زارا نے کہا تھا۔ وہ سب ہی ایک دوسرے کے قریب بیٹھے۔ ایک دوسرے کو چپ کرا رہے تھے۔ پلوشے کی رخصتی پر بھی سب سے زیادہ عدیم رویا تھا۔ اور زارا کی رخصتی پر بھی سب سے زیادہ اس نے ہی رونا تھا۔

"بجو کے وقت بھی تو سب نے کہا تھا کے وہ آتی رہیں گی۔ پر دو سال تک ہم ان کے بغیر رہے تھے۔" عدیم نے آنسوں صاف کرتے معصومیت سے کہا تھا۔

"احمر بہت اچھا ہے۔ دیکھنا زارا ہم سے ملنے آتی رہے گی۔" اب کی بار پلوشے نے عدیم کو گلے لگاتے کہا تھا۔ "چلو اب چپ کرو سب۔"

وہ بچپن کے بھی کیا حسین دن تھے جب کسی بھی چیز کو پانے کی فکر بھی ہمیں بے فکری سے متعارف کرواتی تھی۔ بچپن سے جوانی تک لڑتے جھگڑتے وقت پنچھی بن کر اڑ جاتا ہے، بہنیں پھر یاد آتی ہیں۔

شادی ہال میں خوب گہما گہمی مچی تھی۔پلوشے زیادہ سب کی نظروں میں نہیں آ رہی تھی۔عادل کے بارے میں پوچھے جانے والے سوالوں کے جواب میں وہ بس خاموشی سے بات بدل دیتی۔

فیروزہ بیگم،روبی بیگم اور سنبل بیگم نے ایک جیسے کپڑے پہنے تھے۔جبکہ لڑکیاں سبھی لہنگے پہنے ہوئے تھیں۔اور لڑکے بلیک شلوار قمیض پر پرنس کورٹ پہنے ہوئے تھے۔

"زارون کی منگنی کب کر رہی ہو فیروزہ؟ایک خاتون نے فیروزہ بیگم سے پوچھا تھا۔

"بس زارا کی شادی سے فارغ ہوتے ہی انشاءاللہ۔" مسکراتے کر کہتے انھوں نے کہا تھا۔اور بارات آ جانے کا شور اٹھنے پر وہ باہر کی طرف بڑھی تھیں پر شہزاد صاحب کی نم آنکھیں دیکھ وہی ٹھہر گئی تھیں۔

وہ ٹکٹکی باندھے زارا کو دیکھے ہی جا رہے تھے جو برائڈل روم میں گھبرائی ہوئی بیٹھی تھی۔سُرخ رنگوں اور زیور سے سجی وہ گڑیا اُن کی تھی۔

کیا میری لاڈلی بڑی ہوئی ہے؟

جو اس کو لینے آنگن میں آج بارات کھڑی ہوئی ہے؟

ابھی کل ہی کی تو بات ہے یہ چھوٹی چھوٹی آنکھیں کھولے ٹکر ٹکر مجھ کو دیکھ رہی

ننھے ننھے قدم جمائے آنگن میں یہ چلتی تھی

بھائی بہنوں سے جب لڑتی تھی گھر بھر میں ادھم مچایا کرتی تھی

ماں سے ڈانٹ کھا کر بھی یہ چپکے چپکے ہنستی تھی

شوخی لہجے کا خاصہ تھی آنکھوں میں شرارت واضح تھی

آج سرخ جوڑے میں سجی جو بیٹھی ہے

یہ وہ لڑکی تو نا لگتی ہے

چہرے پر نہ شرارت ہے لہجے میں نا کوئی شوخی

ڈری سہمی یہ بیٹھی لڑکی کیا اس آنگن کی بیٹی ہے

آج میری لاڈلی بڑی ہوئی

کہ اس کو لینے آنگن میں آج بارات کھڑی ہوئی۔

اپنی نم آنکھیں صاف کرتے اس کے سر پر ڈھیروں پیار کرتے وہ باہر کی طرف گئے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے رُخصتی کا شور اُٹھا تھا۔

"زارا باجی کے سر پر قرآن میں رکھوں گا۔" عدیم نے زارون سے ضد کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟ تو کس خوشی میں رکھے گا میں بھائی ہوں، میں رکھوں گا۔ اپنی بہنوں کی شادی میں پورا کرنا اپنا شوق۔" زارون نے چڑتے ہوئے کہا تھا۔

"میری بہنیں جیسی ہیں نا اتنی آسانی سے یہ دن نہیں آنے والا۔ پتہ نہیں میں زندہ رہو یا نہ رہو۔ اس لیے قرآن تو بس میں ہی سر پر رکھوں گا۔ اب ہٹ بھی جائیں میں بھی موڈ میں آؤ۔"

"بدتمیزوں اُدھر ہو کر لڑلو۔ میرا پورا لہنگا برباد کر رہے ہو۔ آج تک کبھی جس بہن کو منہ لگایا نہیں، اس کے سرپر قرآن رکھنے کے لیے لڑ رہے ہیں۔" مہرون لہنگے میں نفاست سے کیے گئے میک۔اپ میں اس وقت زارا قیامت لگ رہی تھی۔

جبکہ بلیک شیروانی پہنے چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ ڈیسینٹ سا احمر بھی اس وقت سب کی نظروں کا مرکز تھا۔

"دلہن ہو کر تو زبان پر قابو رکھ لو یہ نہ ہو احمر یہیں چھوڑ جائے۔" زارون نے ہنستے ہوئے کہا۔ وہ کہیں سے بھی عام دلہنوں کی طرح چہرہ جھکائے بیٹھتی ہوئی نہیں لگ رہی تھی۔

"آپ زیادہ مت بولیں۔ اگر تصویریں خراب ہوئی نہ تو واپس شادی کروانی ہے میں نے۔" زارا نے ایک نظر احمر کو دیکھتے پھر زارون کو کہا تھا۔

جبکہ احمر کو اس کی پٹر پٹر باتیں کرتی ہوئی دلہن ہمیشہ کی طرح اچھی لگی تھی۔

جبکہ سوائے مریم کے زارا کی کوئی نند اس وقت اسٹیج پر نہیں تھی۔ وہ دونوں ہی اپنے سُسرال والوں کی آؤ بھگت میں لگی ہوئی تھیں اور باقی کسر اُن کے روتے دھوتے بچوں نے پوری کردی تھی۔

اب پلوشے کے بیٹے کو ہی دیکھ لو کتنا معصوم سا ہے۔ دیکھنے سے ہی تمیز والا لگتا ہے اور ایک ہمارے ہیں جب تک گلا پھاڑ پھاڑ رو کر ماں کا میک اپ نہ خراب کر دیں چین نہیں پڑنا انہیں۔" ماہم نے چڑتے ہوئے کہا تھا۔

"دفعہ کرو امّی کو پکڑاؤ فلحال اپنا یہ بینڈ اور اسٹیج پر چلو رخصتی ہونے والی ہے۔ میری ساس نے ویسے ہی پنگے ڈالے ہوئے ہیں کہ ابّو نے سالی کے وہاں پیسہ دیکھ کر ہاں کی ہے۔ اب بھلا پوچھنا ان کا سُسرال میں بھگت

رہی ہوں انہیں۔ اور یہ احمر کے لیے بھی اپنی توپ بیٹیوں کا سوچ کر بیٹھی تھی۔" زرنش نے چڑتے ہوئے کہا اور اپنی بیٹی بھی عابدہ بیگم کو پکڑوائی۔

"ویسے امّی حد ہے۔ خالہ کو اتنا خیال نہیں آیا زارا کی نندیں ہیں ہم دو چار تصویروں کا ہمیں بھی کہہ دیں۔ ابھی تو بہو گھر نہیں آئی ہے۔ ابھی سے ہی سر پر چڑھا رہی ہیں۔ یاد رکھیئے گا اُن کے فوٹو گرافر نے ایک تصویر نہیں لی میری اور ماہم کی۔ مریم کی بھی اس لیے آگئی کہ فلک کے ساتھ تھی۔ اور کچھ اُن بیگم کو ان لوگوں سے چپکنے کا شوق بھی بہت ہے۔"

"اچھا اچھا اب بس کرو۔۔۔ تجھے تصویریں لینی تھیں تو کہہ دیتی فیروزہ نے کونسا منع کیا تھا۔ جا اب اسٹیج پر جا میں دیکھتی ہوں بچوں کو۔ ایک تو سب نے دماغ خراب کر دیا ہے۔ میرا بلڈ پریشر تم لوگوں نے ہی ہائی کر دینا ہے۔"

"اچھا نہ اب پریشان نہ ہوں۔ ہم جاتے ہیں اسٹیج پر آپ فکر نہیں کریں۔" ماں کا بلڈ پریشر ہائی ہوتا دیکھ ماہم نے فوراً بات سنبھالی تھی۔ اور دونوں بہنیں اسٹیج کی طرف گئی تھی۔

****

"ایکسکیوز می مس۔۔؟" وہ اسٹیج کی طرف بڑھ رہی تھی کہ کسی کی آواز پر رکی۔

"جی!" سنجیدگی سے کہتے وہ مڑی تھی۔

"آئی ایم ڈاکٹر شہروز۔ زارون کا فرینڈ آپ کی یونی کے ہی ہاسپٹل میں ہوتا ہوں۔ بہت دفعہ آپ کو دیکھا ہے وہاں پر کبھی بات کرنے کا موقع نہیں ملا"۔ ڈاکٹر شہروز نے ہاتھ بڑھاتے کہا۔ ڈاکٹر شہروز جو کافی

عرصے سے علیشبہ سے بات کرنا چاہ رہا تھا اسے اکیلا پاتے ہی چلا آیا۔ پر اس سے پہلے وہ کچھ کہتی کوئی اور بیچ میں بول پڑا۔

"ہمارے وہاں لڑکیاں ہر کسی سے ہاتھ نہیں ملایا کرتی شہروز۔" عابص نے غصے میں شہروز کا ہاتھ پکڑتے کہا جو اس نے علیشبہ سے ملانے کے لیے بڑھایا تھا۔ اسٹیج سے ہی کچھ فاصلے پر کھڑے عابص نے شہروز کو علیشبہ کی طرف بڑھتے دیکھ لیا تھا۔ اور خود بھی وہی پہنچ گیا۔ وہ کافی دیر سے شہروز کا علیشبہ کو شوخ نظروں سے دیکھنا محسوس کر رہا تھا۔ اور شہروز اور علیشبہ کو ساتھ کھڑا دیکھ وہ احساس جو اس نے سب سے چھپائے ہوئے تھے۔ اپنے آپ ہی ظاہر ہو گئے۔

"نائس ٹو میٹ یو ڈاکٹر شہروز۔" جبکہ علیشبہ نے عابص کو ایک نظر دیکھتے ڈاکٹر شہروز سے کہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی ایک طرف عابص اس سے بات تک نہیں کرتا۔ بچپن سے اب تک وہ اسے صرف ٹونٹ ہی کرتے آیا تھا۔ پر اب وہ اس کے ہر معاملے میں کیوں بولنے لگا تھا۔ اس نے صرف عابص کو دکھانے کے لیے ڈاکٹر شہروز کو جواب دیا تھا۔ ورنہ وہ وہاں سے ایسے ہی جانے والی تھی۔

"می ٹو۔ کافی دن سے یونی نہیں آئی آپ؟ میں نے سوچا پوچھ لوں۔" ڈاکٹر شہروز نے آہستہ آواز میں عابص اور علیشبہ کو دیکھتے ایسے کہا جیسے وہ اتنے دنوں سے علیشبہ کا ہی انتظار کر رہا ہو۔

ڈاکٹر شہروز کی بات سُن علیشبہ کو بھی عجیب لگا۔ وہ اس شخص سے پہلی بار براہِ راست مل رہی تھی۔ اور وہ کچھ زیادہ ہی پھیل رہا تھا۔ پر اس سے پہلے وہ کچھ کہتی عابص بول پڑا۔

"شادی کی وجہ سے کوئی بھی نہیں آ رہا تھا اس لیے یہ بھی نہیں آئی۔ علیشبہ تم جاؤ سب کے پاس۔" عابص نے ماتھے پر بل لاتے علیشبہ کے کہنے سے پہلے ہی جواب دیا تھا۔ اور ساتھ ہی علیشبہ کو وہاں سے جانے کا بھی کہا تھا۔ اسے کس کا بات پر غصہ آ رہا تھا یہ شہروز کے ساتھ ساتھ علیشبہ کے لیے بھی سمجھنا مشکل تھا۔

"شہروز اور اس کی فیملی کو اگر فیملی ایونٹ پر بلایا تھا۔ تو میرا خیال ہے اسے یہ بھی سکھا دیتا کے فیملی ایونٹ اٹینڈ کیسے کرتے ہیں۔" وہ وہاں سے نکل کر زارون کے پاس گیا تھا۔ اور اسے بازو سے پکڑ کر سائیڈ پر لے جا کر کہا۔

"کیوں کیا ہوا ہے؟" اسے اس قدر طیش میں دیکھ زارون نے ٹھنڈے لہجے میں پوچھا تھا۔

"علیشبہ سے بلاوجہ فری ہو رہا تھا وہ، اب کیا کوئی بھی آدمی اُٹھ کر ہمارے گھر کی لڑکیوں سے فلرٹ کرے گا۔" ایک ایک لفظ چبا کر کہتے عابص نے زارون کا بازو چھوڑا تھا۔ اور ایک ہاتھ سے ماتھا مسلا تھا۔

"دیکھ زارون شہروز اچھا لڑکا ہے۔ میرا بھی دوست ہے۔"

"پر وہ اس قابل نہیں کے فیملی ایونٹ میں بلایا جائے۔"

"شہروز علیشبہ سے فلرٹ نہیں کر رہا عابص۔ وہ سیریس ہے علیشبہ کے لیے۔ زارا کی شادی کے بعد وہ پرپوزل لے جانا چاہتا ہے وہاں۔ میں تجھے بتانا چاہ رہا تھا اس دن تا کہ اگر تو علیشبہ کے لیے کوئی فیلینگ رکھتا ہے تو میں شہروز کو منع کر دوں۔ پر تیرے جواب کے بعد میں نے اسے کہہ دیا تھا کے زارا کی شادی کے بعد وہ چاہے تو اپنا پرپوزل بھیج سکتا ہے وہاں۔" ہلکی آواز اور ٹھنڈے ٹھار لہجے میں زارون نے عابص سے نظریں چراتے کہا تھا۔

اور پیروں کے نیچے سے زمین نکلنا کسے کہتے ہیں عابس نے آج جانا تھا۔

"تت تو ایسا کیسے کر سکتا ہے زارون۔۔۔؟ تجھ تجھے تو سب پت پتہ تھاناں۔۔؟ تو نے کیوں کیا آخر یہ؟ تت تو سب جانتا تھا۔۔۔ سب جانتا تھا ناتو؟" بے یقینی سے کہتے وہ چند قدم پیچھے ہوا تھا۔ چہرہ لٹھے کی مانند سفید تھا۔ اور وہ بغیر پیچھے دیکھے بیرونی دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

زارون نے سر جھٹکتے نور کو دیکھا تھا۔ جو اشارے میں اس سے کچھ پوچھ رہی تھی۔ جبکہ زارون نے دور سے ہی اس کی طرف مُسکراہٹ اچھالی تھی۔ جو نور کے ساتھ ساتھ پلوشے کے ساتھ کھڑی صباح نے بھی دیکھی تھی۔

زارا کی رخصتی خیر خیریت سے سرانجام پائی تھی۔ پر زیتون محل کے مکین بہت سی کہانیاں بُن رہے تھے۔ جو جانے انجانے میں کہیں نا کہیں الجھتی جا رہی تھیں۔

حصہ چہارم

الجھتی ڈور

Urdu Novels Ghar

رات کے اس پہر جب زیتون محل میں سناٹوں کا راج تھا۔ تو کوئی اپنے دل کی آگ دنیا کی آگ سے بجھانے کی کوششوں میں تھا۔ بلیک شرٹ پر بلیک ہی پینٹ پہنے بکھرے ہوئے بال اور بے ترتیب سا انداز لیے عابص نعمان اپنی پچھلی زندگی کے گزرے ماہ و سال کو سوچ رہا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ علیشبہ اسے پسند نہیں تھی۔ بس وہ اُس وقت ایسا کچھ نہیں چاہتا تھا۔ وہ علیشبہ کو اپنے انتظار میں نہیں بٹھانا چاہتا تھا۔ اور اس کی سوچ کے مطابق تو علیشبہ کو حاصل کرنا بہت آسان ٹاسک تھا۔ وہ جب چاہتا اسے حاصل کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ تو ہمیشہ سے ہی اس کی تھی۔ پھر آخر کیوں وہ یکدم بدل گئی۔ اس کی آنکھوں میں عابص نعمان کی محبت کی چمک ماند پڑ گئی۔ کیا اس کا رویہ اتنا بُرا تھا کہ وہ اسے بھول جاتی۔ کیا اس نے خود کو علیشبہ سے وقتی طور پر بچانے کے لیے جو راستہ چُنا تھا۔ اس راستے نے اسے ہمیشہ کے لیے اس سے دور کر دیا تھا۔

وہ سگریٹ کا دھواں ہوا میں اُڑا رہا تھا کہ کسی نے بہت آرام سے اس کے ہاتھ سے سگریٹ لی اور بجھا کر چھت کی ریلینگ سے باہر پھینک دی۔ وہ چونکا اور گردن مُوڑ کر دیکھا۔ زارون آرام سے اس کے برابر میں کھڑا چھت کی ریلینگ سے نیچے جھانک رہا تھا۔

"اس سب کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟" جب تیرے دل میں اس کے لیے کچھ نہیں ہے تو مجنوں کیوں بنا پھر رہا ہے۔۔؟ ایک مہینہ ہونے کو آیا ہے زارا کی شادی ختم ہوئے اور تو سب سے ایسے چُھپ رہا ہے، جیسے زارا کی نہیں تیری رخصتی کر دی گئی ہو۔ آخر کیوں تو سب کو پریشان کر رہا ہے عابص۔۔؟ سنبل چاچی بھی کافی پریشان ہیں تجھے لے کر مجھ سے کہہ رہیں تھیں کہ میں تجھ سے پوچھوں آخر تجھے کیا ہوا ہے۔ جو تو نے کھانا پینا چھوڑا ہوا ہے۔ گھر بھی لیٹ آنے لگا ہے۔ کسی سے بات چیت نہیں کرتا کمرے میں بند رہتا ہے۔ اور اب یہ نشے شروع کر دیے ہیں۔" چبتے ہوئے لہجے میں کہہ کر اس نے عابص کے سپاٹ چہرے کو دیکھا تھا جو نیچے آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھ رہا تھا۔

"تو ہے اس سب کی وجہ زارون، صرف اور صرف تو۔" تپتی ہوئی آنکھوں سے زارون کو دیکھتے اس نے کہا تھا۔ "تو جانتا تھا سب اس لیے آیا تھا نا اس دن۔۔؟ تجھے سب پتہ تھا۔ آخر تیری نظروں سے کوئی بات کیسے چُھپ سکتی ہے؟ تو صرف مجھے یہ جتانا چاہتا تھا کہ تو کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اب یہاں ہمدردی جتانے کیوں آیا ہے۔۔؟ دفعہ ہو جا یہاں سے اس سے پہلے میں۔۔۔" ریلینگ پر زور سے ہاتھ مارتے اس نے اپنا غصہ کم کرنا چاہا تھا۔ غصے سے اس کی ماتھے کی رگیں کچھ ابھر گئی تھی۔

"تو نے کیا مجھے نجومی سمجھا ہوا ہے۔۔۔۔؟ جو کب سے ایک ہی راگ الاپ رہا ہے۔ تجھے سب پتہ تھا، تجھے سب پتہ تھا۔۔۔۔ مجھے کیسے پتہ ہو گا؟ میں کیا رات میں بیٹھ کر دلوں کو جاننے کے منتر پڑھتا ہوں۔۔۔؟ مجھے شک تھا اس لیے تجھ سے پوچھا تھا۔ پر جناب نے کیا کہا تھا؟ میں کچھ نہیں سوچتا اگر کچھ ہے بھی تو مجھے اس میں شامل مت کر۔ دوبارہ یہ نام بھی میرے سامنے نہیں لینا وغیرہ وغیرہ۔" زارون نے چڑتے ہوئے کہا۔

"تو کیا کرتا میں ہاں۔۔؟ اس کی عزت بہت اہمیت رکھتی ہے میرے لیے۔ میں اس طرح سے یہ سب نہیں چاہتا تھا۔ اسے اگنور بھی اسی لیے کرتا تھا کہ اگر وہ سامنے ہو تو میں کچھ ایسا نہ کہہ دوں۔ آخر کوئی کیوں نہیں سمجھا، نہ تو اور نہ ہی وہ۔ کیا چاہتے تھے تم لوگ کہ میں ٹین ایجر لڑکوں کی طرح کرنجی حرکتیں کرتا۔۔؟" تھکے ہوئے لہجے میں کہتے اس نے ضبط کیا تھا۔ ورنہ دل چاہ رہا تھا زارون کا منہ توڑ کر رکھ دے۔

"نہ کرتا تو کوئی کرنجی حرکت پر کم سے کم اپنا رویہ ہی بہتر رکھتا اس کے ساتھ۔ اب تیر کمان میں سے نکل چکا ہے۔ سنبل چاچی سے بات کرتا کہ وہ رشتہ بھیجے تیرا وہاں۔ ورنہ تو سگریٹ ہی پھونکتے رہنا۔ لڑکی کوئی اور لے جائیگا۔ اور اگلے ہفتے میری منگنی ہے۔ اُمید ہے اپنا چہرہ مبارک درست کر کے آپ میری منگنی کی

تیاریاں کروائیں گے۔"زارون کہتے ہوئے فوراً سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔کیونکہ عابص خونخوار چہرہ لیے اس کی طرف بڑھا تھا۔

"میری ساری کشتیاں جلا کر تجھے اپنی منگنی کی پڑی ہے بے غیرت انسان۔اللہ کرے وہ صباح تیرا جینا حرام کردے۔"اس کو بھاگتا دیکھ عابص نے سیڑھیوں سے نیچے جھانکتے کہا۔جہاں سے زارون کی پھر آواز آئی۔

"اگر تو بدعائیں نہیں بھی دیگا تب بھی اس نے میرا جینا حرام کرہی دینا ہے۔میں پوری تیاری کے ساتھ جارہا ہوں اس جنگ میں۔البتہ ابھی ایک کشتی بچی ہے۔اس سے پہلے وہ والی بھی ڈوب جائے سنبل چاچی سے بات کرلے۔۔۔!"

"ہاں۔۔۔اتنا آسان ہے نا یہ سب۔"عابص بڑبڑاتا ہوا واپس اپنی جگہ پر آکر کھڑا ہوا تھا۔سر درد سے پھٹ رہا تھا۔پر فلحال وہ وہی تازی ہوا میں کھڑا رہنا چاہتا تھا۔

****

"ضرار کے کیا حال ہیں روبی؟جب سے گیا ہے چاچا کے وہاں پلٹ کر آیا ہی نہیں۔"سنبل بیگم نے سبزی کاٹتے ہوئے روبینہ بیگم سے پوچھا جو کیبنیٹ میں نا جانے کیا کھنگال رہی تھی۔

"ہاں کہہ کر تو گیا تھا کہ آئیگا واپس۔بس کچھ دن اور ہیں۔اب تو ویسے ہی کراچی پوسٹنگ ہوگئی ہے اس کی۔پھر تو گھر بھی مل جائیگا تو وہی رہیگا۔"

"اچھا۔۔!" کچھ کھینچ کر کہتے سنبل بیگم نے پھر سوال کیا۔ "ویسے بڑا ہی پیارا بچہ ہے۔ کوئی لڑکی وڑکی نہیں دیکھی تیری بھابھی نے اس کے لیے۔۔؟ اب کی بار چُھری والا ہاتھ گال پر ٹکا کر پوچھا۔

اور روبی بیگم کے کیبنیٹ میں کھنگالتے ہوئے ہاتھ کچھ رُکے، پھر مُڑ کر کمر پر دونوں ہاتھ دھرتے افسوس بھری نظروں سے سنبل بیگم کو دیکھتے دائیں بائیں سر ہلایا اور کہا۔ "نہیں بلکل بھی نہیں، ہمارے وہاں بچے شادی کے معاملے میں آزاد ہوتے ہیں۔ جب چاہے گا اور جس سے چاہے گا اُسی سے کریگا۔" لفظوں پر زور دے کر کہتے ہوئے وہ وہاں سے نکلی۔

جبکہ برتن دھوتی فیروزہ بیگم کی دھیمی دھیمی ہنسی سنبل بیگم با آسانی سن رہی تھیں۔

"زارا کے کیا حال ہیں فیروزہ۔۔؟ بات ہوئی تیری آج۔۔؟ کل بھی اس موئی نور کو کہا کہ پھون (فون) ملا ذرا پوچھوں تو حال چال۔ پر اب وہ بات کہاں یہاں کے بچو میں بھاگ گئی کہیں۔ مجھے فکر تھی بچی کی نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ پھر پلوشے بھی تو یہاں آئی بیٹھی ہے۔ خدا نہ کرے کوئی انہونی نہ ہو۔ ایک بہن تو ویسے ہی گھر آئی بیٹھی ہے۔ پر یہاں کسی کو پرواہ کہا ہے۔ اللہ بخشے میری اماں کو جب تک زندہ تھیں کسی کی مجال نہیں تھی شیر بانو کو انکار کرنے کی۔" وہ فریج میں سے پان نکالتے بغیر رکے بولتی ہی جا رہی تھی کہ فیروزہ بیگم بیچ میں بول پڑی۔

"فکر نہیں کریں پھپھی جان۔ زارا اللہ کے کرم سے بہت خوش ہے۔ ایک دو دن میں آئی گی رہنے کے لیے پھر زارون کی منگنی تک یہیں رہے گی۔ فیروزہ بیگم نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

البتہ شیر بانو پھپھی جان پان لیے تخت پر جا بیٹھی تھیں۔ جہاں احمد بیٹھا موبائل میں کارٹون دیکھ رہا تھا۔

"اب بھلا کوئی پوچھے ایسے کوئی طلاقیں ہوتی ہیں۔ ننھے ننھے بچے ہیں پلوشے کے ابھی باپ اور بھائی جوش میں فیصلہ کر رہے ہیں بعد میں کون پالے گا انہیں۔ زارون کی آج منگنی ہو رہی ہے کل کو شادی ہو گی۔ اس کے بعد وہ اٹھا پائیگا بہن اور اس کے بچوں کا بوجھ؟ شہزاد کو اللہ لمبی عمر دے پر اب جوان جہان جان تو ہے نہیں، جو اتنی بڑی ذمہ داری لینے جا رہا ہے۔ کھیل سمجھ رہے ہیں طلاق کو۔" بڑبڑاتے ہوئے شیر بانو پھپھی جان اور بھی کچھ کہتی کہ نور غصے میں وہاں آئی تھی اور احمد کو اٹھا کر اندر دادا جان کے کمرے میں لے گئی تھی۔

البتہ فیروزہ بیگم کچن میں سر جھکائے برتن دھو رہی تھیں۔ اور سنبل بیگم غصے سے لال ہوئی سبزیاں کاٹ رہی تھیں۔ دادا جان گھر پر نہیں تھے اور کمرے میں موجود دادی جان پلوشے کو تسلیاں دے رہی تھی کہ شیر بانو کی تو عادت ہے۔ تو اس کی باتوں کو دل پر مت لینا۔

احمد کو کمرے میں چھوڑ کر نور واپس باہر آئی تھی۔ چہرہ ضبط کی شدت سے لال تھا اور اس نے آخر وہ ہمت کر ہی لی جو ایک مہینے سے کوئی نہیں کر پا رہا تھا۔ شیر بانو پھپھی جان کی وجہ سے خاندان میں بھی چہ مگوئیاں ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ جس سے سب واقع میں پریشان تھے۔ پر انہیں کہنے کی ہمت کسی میں بھی نہیں تھی۔

"ہماری گھر کے بڑوں نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر لیا ہے۔ یہاں سب ہی آپ کی بہت عزت کرتے ہیں شیر بانو دادی۔ پر میں چاہتی ہوں آپ بھی ایسا ہی کریں عزت کے بدلے عزت دیں۔ آئندہ میں امید کروں گی کہ آپ کوئی ایسی بات نہیں کریں گی، جس سے اس گھر کے کسی بھی فرد کو تکلیف ہو۔ خاص کر بچوں کے سامنے اس طرح کی باتیں نہ کیا کریں۔ احمد بہت مشکل سے نارمل ہوا ہے۔ آپ کی باتیں اسے

ذہنی طور پر ڈسٹرب کرتی ہیں۔ باقی آپ بڑی ہیں خود ہی بہت سمجھدار ہیں۔ بجائے میری بات کا برا ماننے کے میں امید کرونگی آپ میری بات سمجھیں گی۔" مٹھیاں بھینچتے لال چہرے کے ساتھ آنسوں ضبط کرتے اس نے بہت مشکل سے بھرائی ہوئی آواز میں اپنی بات مکمل کی تھی۔ اور سیڑھیاں عبور کرتی اپنی کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

جبکہ کچن کے دروازے پر سنبل بیگم کے چہرے پر ایک طرح کی خوشی اور فیروزہ بیگم کا چہرہ ویران تھا۔ ان کی بیٹی کو اس زیادہ بھی سننا اور سہنا پڑ سکتا تھا۔ آخر کب تک زیتون محل کے مکین پلوشے کی ڈھال بنیں گے؟ داداجان کے کمرے میں موجود پلوشے جسے دادی جان سینے سے لگائے ہوئے تھیں، اس کی آنکھوں سے آنسوں اب تیزی سے گرنے لگے تھے۔ عائشہ منہ کھولے سیڑھیاں عبور کرتی نور کو دیکھ رہی تھی۔ البتہ عبیر اور فلک احمد کے ساتھ کھیل رہی تھیں۔

شام ہوتے ہی شیر بانو پھپھی نے نور کے جواب پر الگ ہی واویلا کھڑا کر دیا تھا۔ داداجان کے آنے کے بعد انہوں نے ایک کی چار کر کے انہیں سنائی تھی۔ اور اپنے نہ رکنے والے آنسو اور ناک ڈوپٹے سے پونچھتی جا رہی تھیں۔

"جب تک تیری سرکش پوتی مجھ سے معافی نہیں مانگ لیتی قاسم مراد علی میں نہیں رکوں گی یہاں۔ آج ہی میری ٹکٹ کرواؤ میں آج ہی واپس جاؤں گی حیدرآباد"۔ ڈوپٹے سے ناک رگڑتے انہوں نے کہا تھا۔

"یار انہوں نے اپنے ڈوپٹے کو ناک صاف کرنے کے آلہ ہی سمجھ لیا ہے۔ کتنی گندگی مچائی ہوئی ہے۔" عدیم نے اب کے بار بار ڈوپٹے سے ناک صاف کرنے پر فلک کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

وہ تو اپنے ہی خیال میں گم تھی۔ عدیم کے کہنے پر اچانک چونکی اور گردن گھما کر اسے دیکھ اپنا چشمہ درست کیا۔ جو اس کے چونک جانے سے اپنی جگہ سے ہل گیا تھا۔ "تو آپ اپنا منہ صاف کر لیجیئے گا اس سے، پھر وہ آپ کے منہ صاف کرنے کا آلہ بن جائے گا۔" ناک چڑھاتے اس نے عدیم سے کہا۔

"تمہارے ڈوپٹے کو بناؤں گا میں اپنا منہ صاف کرنے کا آلہ۔" عدیم نے بھی ناک پر سے مکھی اڑاتے کہا۔

"چپ کرو دونوں آواز نہیں آ رہی مجھے ٹھیک سے۔" عائشہ جو اپنے کان اور آنکھیں کھڑکی پر جمائے کھڑی تھی۔ دونوں کو نون اسٹاپ بولتا ہوا دیکھ۔ غصے میں بولی۔

"کہہ کیا رہی ہیں وہ۔۔۔؟" عبیر جو احمد کو گود میں لیے گھوم رہی تھی سرگوشی نما آواز میں پوچھا۔

"نور سے معافی منگوانے کا کہہ رہی ہیں اور کیا کہیں گی۔" عائشہ نے دونو ہاتھ جھاڑتے کہا جیسے کوئی معارکہ سر کر لیا ہو۔ اور کھڑکی پر سے ہٹی تھی جہاں سے اب فلک اور عدیم اندر جھانک رہے تھے۔ ویسے بھی وہ زیتون محل کی آفیشیل جاسوس تھی۔

"نور نے تو اتنے مہذب الفاظ استعمال کئے تھے، یہاں تو صباح باجی کو ہونا چاہیئے تھا۔ لگ پتہ جانا تھا شیر بانو دادو کو۔" عدیم کھسیانی ہنسی ہنستا بولا تھا۔

"کیوں یہاں رش لگایا ہوا ہے سب نے۔۔؟" عابص کی آواز پر سب سیدھے ہو کر کھڑے ہوئے۔ اور ایک دوسرے سے اشاروں میں پوچھنے لگے کے بتائیں یا نہیں۔ ویسے بھی آج مہینے بعد وہ کمرے سے نکلا سب کے بیچ آیا تھا۔ آخر کار عائشہ نے شروع سے آخر تک سب اسے بتا ہی دیا۔ جس پر وہ سر ہلا تا وہی آگے کی کاروائی کا انتظار کرنے لگا۔ جو بھی ہو یہ سب دلچسپ تھا۔

"نور کہاں ہے؟" پلوشے نے عبیر سے پوچھا۔

"اپنے کمرے سے نکلی ہی نہیں ہیں جب سے۔" عبیر نے جواب دیا جس پر پلوشے سر ہلاتے اس کے کمرے کی طرف بڑھی۔

شیر بانو پھپھی کو کہہ تو آئی تھی پر دل دھک دھک کر رہا تھا۔ ہینڈز فری کان میں گھسائے وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی کہ پلوشے اندر آئی۔

"کہاں غائب ہو صبح سے؟ جب اتنا ڈر لگتا ہے تو اتنی چوڑی کیوں بنی تھی اس وقت۔۔؟" پلوشے نے اس کے لال شرمندہ سے چہرے کو دیکھ کر کہا اور پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"بہت غصے میں ہیں کیا؟ دادا جان بھی ناراض ہیں کیا؟ بجو مجھے تکلیف ہوتی ہے جب کوئی آپ کے بارے کچھ غلط کہتا ہے۔ میرا دل کرتا ہے میں اس کا منہ نوچ لو۔ اور مجھے ڈر لگتا ہے اگر آپ کی جگہ میں یا ہم میں سے کوئی اور ہوتا تو اسے بھی یہ سب برداشت کرنا پڑتا؟ میرا دل چاہتا ہے میں چیخ چیخ کر روؤں اور ساری دنیا سے پوچھوں کے صحیح ہو یا غلط برداشت صرف عورت کیوں کرے؟ اسے قربانی کا بکرا کیوں سمجھا جاتا ہے؟"

"اللہ نا کرے کبھی تم میں سے کسی کے ساتھ کچھ بُرا ہو۔ اور دادا جان یا کوئی بھی تم سے ناراض نہیں ہے۔ بلکہ روبی چاچی اور سنبل چاچی تو بہت خوش ہیں۔ چلو اسی بات پر دونوں کا ایکا تو ہوا۔ ورنہ کافی عرصے سے ایک دوسرے سے چڑی ہوئیں تھیں دونوں۔ پر نور ادھر میری طرف دیکھو اور ایک بات ذہن نشین کر لو ۔ میں نے خود کو لوگوں کی ان باتوں کے لیے تیار کر لیا ہے۔ تم میرے لیے لڑنا بند کر دو۔ کب تک اور کس کس سے لڑو گی میری جان۔"

"ہمیشہ تک اور ہر اس شخص سے لڑوں گی جو آپ کے بارے میں غلط بیانی کرے گا۔" منہ پھلا کر کہا تھا۔

"اچھا پھر یہاں ڈری کیوں بیٹھی ہو۔۔؟ چلو دادا جان بلا رہے ہیں تمہی"ں۔ پلوشے نے ہنسی روکتے کہا۔

"ابھی تو آپ نے کہا کوئی ناراض نہیں پھر کیوں بلا رہے ہیں؟" نور نے آنکھیں بڑی کرتے ہوئے کہا۔

"نیچے چلو خود ہی پتہ لگ جائے گا۔" پلوشے کندھے اچکاتے نیچے چلی گئی۔

ڈرائینگ روم میں تقریباً گھر کے سبھی افراد موجود تھے۔ نور نے گہری سانس لی اور اندر قدم رکھا۔ دادا جان نے اسے اپنے پاس بلایا جہاں ان کے برابر میں ہی شیر بانو دادی بیٹھی تھی۔ پھر نور سے معافی مانگنے کا کہا۔ وہ خود بہن کے مزاج کی وجہ سے مجبور تھے۔ ورنہ جانتے تھے نور نے ایسا کچھ غلط نہیں کیا۔ نور نے اپنی پانی سے بھری آنکھوں سے ایک شکوہ کناہ نظر دادا جان اور اپنے بابا پر ڈالی اور پھر کہا۔

"آئی ایم سوری شیر بانو دادی۔ اگر آپ کو میری کوئی بھی بات بری لگی تو کیونکہ معافی مانگ لینے سے کچھ نہیں جاتا۔ پر آپ کو پتہ ہے میری امّی نے ہمیشہ مجھے ایک سیکھ دی ہے۔" روبی بیگم کو ایک نظر دیکھا اور پھر کہنا شروع ہوئی۔

"کوئی آپ سے چھوٹا ہو یا بڑا ہمیشہ اس سے نرمی سے بات کرنا۔ اپنے چھوٹوں کی دل آزاری مت کرنا۔ انہیں سیکھ دینا جج مت کرنا۔ کیونکہ ہمارے بڑوں کو بعض دفعہ اندازہ ہی نہیں ہو پاتا کہ ان کا کہا ایک جملہ اُن سے چھوٹوں کو تکلیف پہنچا سکتا ہے۔ کبھی کبھی ہمارے بڑے ہمیں اپنی باتوں سے ایسی چوٹ دے دیتے ہیں جو دل پر جا لگتی ہے۔ اور دل سے سیدھا روح کو چھلنی کر دیتی ہے۔ پر افسوس صرف یہ ہے کہ انہیں اس بات کا اندازہ ہی نہیں وہ کرتے کیا ہیں۔ آپ جب پلوشے بجو کے بارے میں اس طرح سے کہتی

ہیں تو آپ کو اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ ان کے دل پر کیا گزرتی ہے۔ فیروزہ تائی دل ہی دل میں کتنا روتی ہے ۔اس گھر کا ہر فرد اس وقت اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لینا چاہتا ہے۔ کیونکہ آپ بڑی ہیں۔ آپ کا مزاج مختلف ہے۔ پر اس وقت ہر کوئی اپنی برداشت آزما رہا ہوتا ہے۔ پر جب آپ نے احمد کے سامنے وہ سب باتیں کی اور پلوشے بجو کی آنکھ سے آنسوں گرا تو میری برداشت ختم ہو گئی۔ میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ پر اگر آپ عمر اور رشتے میں ہم سے بڑی ہیں تو اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ آپ کے پاس سرٹیفیکیٹ ہے کسی کی دل آزاری کرنے کا۔ کسی کی ذات کے پرخچے اُڑا دینے کا۔ یا اُن کی کسی ایک بات کو پکڑ کر انہیں اُسی بات پر جج کرنے کا۔ بس! بات یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کا ایک اُصول ہے اگر آپ عمر میں کسی سے بڑے ہیں تو اُسے کچھ بھی کہہ دیں۔ کوئی مسئلہ نہیں پر اگر وہی شخص آپ کو اُسی طرح جواب دے تو وہ بدلحاظ اور پتہ نہیں کیا کیا کہلایا جاتا ہے۔ میں بس صرف یہ کہنا چاہتی ہوں۔ کہ اگر آپ واقع میں چاہتی ہیں کہ آپ کے چھوٹے آپ کا ادب کریں۔ آپ کو عزت دیں۔ تو پہلے آپ کو بھی یہ دینا ہو گا۔ اور اگر کچھ نہیں تو کم سے کم ان کی عزتِ نفس کا ہی خیال کر لیں۔ کیونکہ دور بدل گیا ہے۔ وقت بدل گیا ہے۔ اگر آپ اب بھی یہی سوچتی ہیں کہ آپ خود سے چھوٹوں کو جو مرضی کہیں گی اور وہ پھر بھی آپ کی عزت کریں گے تو شاید آپ نے اس دور کو جانا نہیں۔ میری کسی بھی بات کا مقصد آپ کو تکلیف پہنچانا نہیں۔ پر اب ہمارے بڑوں کو یہ جاننا ہو گا کہ کبھی کبھی ان کا ایک جملہ کسی کی پوری زندگی پر اثر دکھا سکتا ہے۔ اپنے سے چھوٹوں سے شفقت سے پیش آئیں ان کی اصلاح کریں دل آزاری نہیں۔"

سر جھکا کر نور نے اپنی بات مکمل کی تھی۔ زبیر صاحب نے اسے شفقت سے دیکھا تھا۔ ان جیسا ہی تو انداز تھا اس کا۔ اس نے ان سب کو وہ باتیں سکھا دی تھی۔ جو وہ کبھی نہیں کہہ پائے بس ہمیشہ سوچتے رہے۔

روبی بیگم لاکھ ماڈرن صحیح پر انہوں نے اپنے بچوں کی پرورش میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔ بلکہ وہ فیروزہ بیگم اور سنبل بیگم سے اس معاملے میں ہمیشہ آگے رہی تھیں۔

شیر بانو پھپھی جان کو اندر ہی اندر اس کی باتوں نے بے حد متاثر کیا تھا۔ پر وہ کیا کرتی یہ اس عورت کی بیٹی تھی، جس نے ان کی بیٹی کا حق چھینا تھا۔ اگر زبیر صاحب بضد ہو کر روبی بیگم سے شادی نہیں کرتے تو آج یہاں ان کی اپنی بیٹی ہوتی۔ انہیں شروع سے ہی روبی بیگم پسند نہیں تھیں۔ روبی بیگم خاندان میں ویسے ہی بہت کم لوگوں کو پسند تھیں۔ پر آج دل ہی دل میں انہوں نے روبی بیگم کی پرورش کو خوب سراہا تھا۔ پر بظاہر وہ ناراض ہی تھیں۔

****

"اذبان بھائی آپ کی ہاؤس جاب شروع ہو چکی ہے۔ ہمیں ٹریٹ تو دے دیں یار۔" آزان نے لیپ ٹاپ پر کام کرتے اذبان کو کہا۔

"بہت جلد دے دونگا فلحال بزی ہو یار۔" اذبان نے نرمی سے کہا۔ اور جوس کا گلاس لبوں سے لگایا۔

"اذبان بھائی پر سونور اور عائشہ آ رہی ہیں، جب دے دیجئے گا۔ ویسے ہی وہ لوگ آئیں گی تو کہیں باہر تو لے جانا پڑے گا۔ ایک خرچے میں دو کام نمٹ جائیں گے۔" ہادیہ نے باتوں باتوں میں اسے مطلع کیا۔

"ہمم ڈن۔۔!" لیپ ٹاپ پر ہی نظریں گاڑھے اس نے بظاہر لاپرواہی سے کہا۔ پر دل کے ایک کونے میں گھنٹیاں ضرور بجی تھیں۔

ہادیہ علیشبہ اور آزان ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کرنے لگے۔

"ویسے اتنا ٹھنڈا ری ایکشن بنتا نہیں تھا۔" آزان نے منہ پر ہاتھ رکھتے شرارت سے کہا۔

جبکہ ہادیہ اور علیشبہ ہلکی ہلکی آواز میں ہنسنے لگی۔

اذبان نے ایک نظر اپنے بہن بھائیوں کے ہنستے ہوئے چہرے اور شرارت سے بھری آنکھوں میں دیکھا۔ اور اپنی مسکراہٹ چھپاتے نفی میں سر ہلاتے وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ آخر اس کے گھر میں سب ہی اندر اندر اس کی نور کو لے کر پسندیدگی کے بارے میں جانتے تھے۔

"تمہارے مسئلے کا کیا بنا۔۔؟ ہادیہ نے علیشبہ سے کہا جو اذبان کے جانے کے بعد ٹی۔وی آن کیے اس کے سامنے بیٹھی تھی۔" چہرہ پہلے سے کافی مرجھایا ہوا تھا۔

"کون سے مسئلے کا؟" لاپرواہی سے چینل بدلتے اس نے کہا۔

"یہ جو تم سب کے سامنے نارمل ہونے کی ایکٹنگ کر رہی ہو نا علیشبہ اسے میرے سامنے تو نہ ہی کرو۔" ریموٹ اس کے ہاتھ سے چھینتے ہادیہ نے پھولے ہوئے منہ کے ساتھ کہا۔ غصّے میں اس کا منہ خود ہی پھول جاتا اور اس وقت وہ کسی معصوم بچے کی طرح دکھتی تھی۔

"ہم کسی اور ٹاپک پر بات نہیں کر سکتے ہادیہ؟ میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی۔" کشن گود میں رکھے بالوں کو کان کے پیچھے کرتے نم آنکھوں سے کہا۔

"شکل دیکھی ہے اپنی تم نے کبھی کبھی تو ایسے لگتا ہے جیسے رو دو گی۔ اور عابس بھائی کو تو فلحال چھوڑو۔ یہ ڈاکٹر شہروز کا کیا معاملہ؟ وہ کیوں تمہارے پیچھے پڑ گئے ہیں۔۔؟"

"میں نور کو بھی بتا چکی ہوں۔ اور تمہیں بھی کہہ رہی ہوں۔ میں نہیں جانتی یہ کیا معاملہ ہے۔ میں تو ان سے پہلی بار ملی ہی زارا باجی کی رخصتی میں تھی۔ اب تم لوگ اس بات کو زیادہ نہ بڑھاؤ۔ پلیز!" آخر میں اس کی طرف دیکھتے التجا کی تھی۔

"فلحال تو میں تمہیں چھوڑ رہی ہوں۔ پر جب نور آئی گی تو ہم اس ٹاپک پر بات کریں گے۔ آئی سمجھ میری بے وقوف بہن۔" ہادیہ نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال اسے تھپکی دی تھی۔

"کیا بات کرنے سے مسئلے ہو جایا کرتے ہیں۔ اگر ہاں تو پھر لوگوں کے کیوں نہیں ہوتے۔ اور اگر نہیں تو کیا فائدہ اگر میں ساری زندگی بھی اس شخص کے لیے روتی تڑپتی رہوں۔" ہادیہ کے گلے لگے اس نے صرف یہ سوچا تھا۔

****

"تائی اماں زارا باجی آئی ہیں۔۔!" عبیر نے کچن میں کام کرتی فیروزہ بیگم کو کہا۔

"اچھا اکیلی آئی ہے یا احمر ساتھ آیا؟" جلدی جلدی ہاتھ صاف کرتے پوچھا۔

"احمر بھائی باہر سے چھوڑ کر چلے گئے اندر نہیں آئے۔" عبیر نے جلد بازی میں کہا اور باہر چلی گئی۔

زارا دادی جان سمیت فیروزہ بیگم، روبی بیگم، سنبل بیگم اور پلوشے کے ساتھ تخت پر بیٹھی تھیں۔ جبکہ ساری لڑکیاں تخت کے ارد گرد چیئر لگا کر بیٹھی تھی۔

شادی کے چند دنوں بعد ہی اسے اپنے سسرال سے بہت سی شکایتیں ہونے لگی تھی۔ جسے وہ پورا زور لگا کر سنا رہی تھی اور فیروزہ بیگم کو بات بات پر یہی ایک جملہ کہتی۔

"آپ کی بہن میں آخر کیا دکھا آپ کو امّی؟ وہ تو ایسے ری ایکٹ کرتی ہیں، جیسے میں ان کی بہو نہیں سوتن ہوں، جو ان کا بیٹا لے اُڑوں گی۔"

پر سب کا ایک ہی جواب تھا۔ "شادی کے شروع کے دنوں میں برداشت کرنا پڑتا ہے تم بھی برداشت سے کام لو۔" اور پھر باقی سب بھی بجائے اسے سمجھانے کے یا اس کی حوصلہ افضائی کرنے کے اس کی کوئی بات سنے بغیر ہی اسے صبر اور برداشت کی تلقین کرنے میں لگے تھے۔ جو دور بیٹھے قاسم مراد علی کافی دیر سے سن رہے تھے۔

آخر کار شام میں آنگن میں تخت پر شام کی چائے دینے جب زارا ان کے پاس آئی تو انہوں نے اسے اپنے پاس ہی بٹھا لیا۔ انہیں وہ واقع بہت بجھی بجھی لگی۔ ورنہ زارا تو شور شرابا ڈالے بغیر رہ ہی نہیں سکتی تھی۔

"کیا بات ہے لڑ کر آئی ہے؟" دادا جان نے اسے اپنے پاس بٹھاتے کہا۔

"جی!" سر جھکائے شرمندگی سے سچ کہتے ہوئے ایک لفظی جواب دیا تھا۔

"احمر سے یا اپنی ساس سے؟" چائے کا گھونٹ بھرتے انہوں نے کہا۔

"اپنی ساس کی وجہ سے احمر سے؟" منہ کے زاویے بگاڑتے پھر کہا اور تخت پر دونوں پیر اونچے کر کے بیٹھ گئی۔

"آپ کو پتہ ہے دادا خالہ کا اتنا تلخ رویہ ہے میرے ساتھ۔ میرے بنائے گئے کھانے میں سو سو نقص نکالتی ہیں۔ ہر وقت کہتی رہتی ہیں میں پھوہڑ ہوں۔ اور جب میں نے احمر سے کہا تو کہتے ہیں۔ تم کچھ کرتی ہو گی اس لیے ہی کہتی ہیں اور ان کا مزاج ہی ایسا ہے عادت ڈال لو۔ اور میں آئیندہ انہیں کوئی شکایت نہ کروں۔ آپ بتائیں اب کیا میں کانوں میں روئی ٹھونس لوں۔ خالہ واقع میں بڑی تلخ قسم کی عورت ہیں۔ میرا خون جلتا ہے۔ جب وہ کوئی ایسی بات کرتی ہیں۔ صحیح ساس بن کر دکھایا ہے خالہ نے۔ پہلے تو بڑا کہتی تھیں۔ زارا میری بیٹی ہے وغیرہ وغیرہ۔ جبکہ میں ان سے کوئی بد تمیزی نہیں کرتی پر پھر بھی آخر کب تک برداشت کروں گی۔ ان سے بات کرتے ہوئے بھی الفاظ کا چناؤ کرنا پڑتا ہے۔ ہر لفظ میٹھا کہو نہیں تو شوگر لیول گر جاتا ہے اُن کا۔" اس کے بجھے چہرے کو دیکھ وہ سمجھ گئے تھے کہ اس وقت وہ گہرے رنج میں ہے۔

"میٹھے الفاظ تیکھے لہجوں پر پردہ نہیں ڈال پاتے بچے۔ لہجہ میٹھا کر لے پھر تیکھے الفاظ بھی اثر نہیں دکھائیں گے۔ وہ تمہاری ساس ہے۔ اسے ساس ہی سمجھو۔ اور یہ بھلا کس نے کہہ دیا کہ ساس بہو کا رشتہ بُرا ہی ہوتا ہے۔ تم انہیں یہ بتاؤ کہ، تم زارا شہزاد ایک اچھی لڑکی ایک اچھی بہو ہو۔ ایک نہ ایک دن تمہارا صبر انہیں منوا ہی لیگا۔ کیونکہ تمہاری ساس ایک اچھی عورت ہے۔ اسے بس عورت ہی سمجھو اپنی راہ کا کانٹا نہیں۔"

"دادا ساس کو تو برداشت کر لوں۔ پر احمر انہیں تو احمر اور میرا کہیں ایک کے ساتھ جانا نہیں پسند۔ اب کیا اس گھر میں صرف ایک احمر بھی میرے نہیں ہو سکتے کیا؟" منہ پھلائے بھری ہوئی آنکھوں سے انہیں دیکھتے شکوہ کیا تھا۔

وہ پوتی تھی ان کی ان کے جگر کا ٹکڑا۔ اس کے ایسے کہنے پر ان کا اپنا دل بھر آیا تھا۔ پر اس وقت اسے حوصلے کی ضرورت تھی۔ وہ اسے وہی دینا چاہتے تھے۔

"گھر عورت بساتی ہے میری بچی۔ اور احمر صرف تمہارا ہے۔ پر اس کے لیے تم نئی ہو۔ محض ایک مہینے کا ساتھ سالوں کے ساتھ پر بھاری بھلا کیسے پڑ سکتا ہے؟ پر ایک بات تمہیں سمجھنی پڑے گی۔ اس پر جتنا حق تمہارا ہے۔ اتنا ہی اس کے گھر والوں کا بھی ہے۔ اور پھر وہ تو ہے بھی اپنے گھر کا سب سے چھوٹا اوپر سے اکلوتا بیٹا۔ اس لیے اس کی ماں اور بہنوں کا لگاؤ اس سے کچھ زیادہ ہے۔ تمہاری خالہ تمہاری ساس نہیں بن رہی میری بچی۔ در حقیقت وہ تم سے ڈر رہی ہیں۔ انہیں یہ ڈر ہے کہ کہیں تم اُن سے اُن کی عمر بھر کی جمع پونجی ان کا اکلوتا سپوت چھین نہ لو۔"

"پر دادا میں ان سے کیا چھینوں گی؟ آپ نہیں جانتے احمر اپنی امی کا چمچہ ہے۔ اسے ان کے علاوہ کوئی اور دکھتا ہی نہیں۔"

"تو پھر تم بھی ان کی چمچی بن جاؤ۔" اب کی بار انہوں نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

"دادا آپ بھی بس مجھے ہی کہے جا رہے ہیں۔ امی بھی بس مجھے ہی کہہ رہی ہیں۔ اگر میں یہ چاہتی ہوں، کہ احمر مجھے سُنیں میرے ساتھ وقت گزارے بجائے اپنی امی اور بہنو کے تو کیا غلط ہے؟"

"غلط کچھ نہیں ہے۔ پر تم ایک گھر میں جاتے ہی سب بدلنا چاہ رہی ہو۔ یہ بدلاؤ منٹوں یا گھنٹوں میں نہیں لایا جاتا۔ عورت کو بہت صبر سے انتظار کرنا پڑتا ہے۔ یہ گھر عورتوں کے صبر سے ہی تو بستے ہیں۔ جس دن عورت صبر کرنا چھوڑ دے گھر ٹوٹ جایا کریں گے۔ پر افسوس یہ ہے عورت ہی عورت کے لیے یہ راستہ مشکل بنا دیتی۔ جس دن اس دنیا کی تمام عورتیں ایک دوسرے کا امتحان لینا چھوڑ دیں گی آدھی سے زیادہ دنیا نے تب ہی خوش ہو جانا ہے۔ اور تمہاری ساس یا احمر برے نہیں ہیں۔ بس وہ تمہیں اچھا نہیں سمجھ رہے۔ اب یہ تم پر ہے۔ تم کیسے اپنے رویے اور عمل سے ان کا دل جیت لیتی ہو۔ عورت دل جیتنے میں بڑی

ماہر ہوتی ہے زارا۔ چاہے تو منٹوں میں دل جیت سکتی ہے چاہے تو صدیاں نفرتوں میں صرف کر دیتی ہے۔ اب تم انہیں یہ بتاؤ تم زارا شہزاد قاسم مراد علی کی پوتی ایک اچھی بیوی اور اچھی بہو ہو۔ احمر سے شکایتیں کرنا چھوڑ دو کیونکہ ایسے وہ تم سے بدزن ہو جائے گا۔ شکایتیں کر کے دیکھ چکی اب صبر کر کے دیکھو۔ احمر کو اپنی آنکھ سے سب دیکھنے دو۔ اور اپنی طرف سے اس گھر کے لوگوں کا دل جیتنے کی پوری کوشش کرو۔"

"میں کوشش کرونگی دادا۔" ہلکی سے مسکان چہرے پر سجاتے نئے عزم کے ساتھ اس نے کہا۔

"کوئی بھی بات ہو۔ اپنے دادا سے کرنا میں تیری ماں نہیں جو ڈانٹ پھٹکار کر تجھے چپ کروا دوں میں تیرے دل کی ہر بات سنوں گا۔ دل کا بوجھ صحیح انسان کے ساتھ بانٹ لینے سے ہلکا ہو جاتا ہے۔" اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے انہوں نے کہا۔

"آپ اتنے اچھے کیوں ہے دادا جان؟" ان کے گلے لگتے وہ کچھ دیر ان کے ساتھ ایسے ہی بیٹھ گئی تھی۔

آنگن کو دیکھتے دونوں دادا پوتی کی آنکھیں بھیگ گئی تھی۔ آخر یہ بیٹیاں اتنی جلدی سر جھکائے اپنا آنگن چھوڑ کیوں دیتی ہیں۔ پر بیٹیاں سرکش اچھی بھی بھلا کسے لگتی ہیں؟ شاید یہی زمانے کی ریت ہے۔

✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻

"عدیم بھائی لے جائیں نہ بُک سٹور تک۔" عبیر نے منت کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کو پتہ ہے میں نے ایک ناول میں پڑھا تھا۔ جو لوگ دوسری کی مدد کرتے ہیں نا انہیں بہت ثواب ملتا ہے۔" اب کی بار فلک نے معصومیت سے کہا تھا۔

"الحمد اللہ بچپن سے ہی ثواب کمارہاہوں۔ابھی ایک چھوٹے بچے کی چپس کھانے میں مدد کی ہے، پگلے کے آنسو نکل آئے خوشی کے مارے۔"عدیم نے فلک کو دیکھتے اسی کے انداز میں آنکھیں پٹپٹاتے شوخی سے کہا
۔

"یاخدایہ کن معصوموں کی بد دعاؤں اکھٹا کررہاہے بے شرم۔شرم نام کی کوئی چیز بچی ہے یاوہ بھی بیچ آئے ہو"۔ سنبل بیگم ہمیشہ کی طرح غلط وقت پر صحیح جگہ پہنچ چکی تھی۔اور اپنی چپل دور سے عدیم پر پھینکی تھی جو اس کے کندھے پر جالگی تھی۔

"امّی مذاق کررہاتھاسچ میں۔"وہ فوراًصوفے سے کھڑا ہوا تھااور لاؤنج میں داخل ہوتی پلوشے کے پیچھے چھپا تھا۔

"تیرے مذاق تو میں ابھی ٹھیک کرتی ہوں بچے۔بہت شوق ہے ناتجھے نیکیاں کمانے کے۔ماں کی جوتی کھانے کا بھی بڑا ہی ثواب ہے۔ہٹ جاپلوشے اس کے آگے سے میں اس کی ثواب کمانے میں مدد کرو۔" سنبل بیگم نے دوسری چپل ہاتھ میں لیتے کہا تھا۔

"بجو نہیں۔۔"پلوشے کو کندھے سے پکڑے اپنی جان بچانے کی پوری کوشش کرتے وہ فوراًلاؤنج سے بھاگا تھا۔

جبکہ پلوشے بیچاری ہکابکاسب کو دیکھ رہی تھی۔ایک طرف عبیر اور فلک اپنے قہقہوں کا گلا گھونٹ رہی تھی ۔اور دوسری طرف نور اور عائشہ ان روز روز کے تماشوں کو اگنور کرتے اپنے اپنے موبائلز میں مگن تھیں۔ پلوشے بھی نفی میں سر ہلاتے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

عدیم کے وہاں سے جاتے ہی ان کا رخ عبیر اور فلک کی جانب ہوا تھا۔ جو اس طرح ہنستی ہوئی انہیں زہر لگ رہی تھی۔

"تم دونوں ابھی تک فیڈر پیتی ہو جو دو قدم چل کر بک اسٹور نہیں جاسکتی ہیں؟ بس ہر وقت مہارانیوں کو موٹر سائیکل یا گاڑی میں لے جاؤ۔ پیدل چلتے تو موت آتی ہے انہیں۔" جاتے جاتے عبیر اور فلک کی بھی کلاس لگانا وہ نہیں بھولی تھی۔

"مجھے لگا پچی کہیں گی گھوڑے جتنی بڑی ہو گئی ہو۔ پر لگتا ہے ڈائیلاگ بدل دیا ہے انھوں نے۔" نور نے موبائل پر سے نظر اٹھا کر عائشہ کو کہا اور پھر عبیر اور فلک کو دیکھتے خوب قہقہے لگائے۔

مطلب وہ دونوں جان کر انجان بنی ہوئیں تھیں۔ جبکہ حقیقت میں اُن دونوں کا سارا دیہان انہی پر تھا۔ عبیر اور فلک تپ کر اپنے اپنے کمروں میں گئی تھیں۔ زارا کی شادی کے بعد سے فلک پلوشے کے ساتھ زارا کے کمرے میں شفٹ ہو گئی تھی۔

"میں حمیرا کے گھر جا رہی ہوں کسی کو چلنا ہے تو جلدی سے تیار ہو کر آ جائے پھر نہ کہنا فیروزہ تائی صباح باجی کو جوڑا دینے گئی اور ہمیں نہیں بتایا۔" فیروزہ بیگم نے لاؤنج میں آتے سب سے کہا۔

"میں چلو فیروزہ تائی؟ مجھے ملّی سے ملنے ویسے بھی جانا تھا۔" نور یہ بہترین موقع بلکل بھی گنوانا نہیں چاہتی تھی تو فوراً بولی۔

"میں بھی چلتی ہوں ویسے بھی آج کچھ خاص کام نہیں۔" عائشہ بھی جھٹ سے بولی۔

Urdu Novels Ghar

"ہاں ہاں ضرور چلو۔ ورنہ حمیرا کہے گی اکیلی آگئی، کسی کو بھی ساتھ نہیں لائی اب اُسے کیا پتہ یہاں سب کے نخرے ہی ختم نہیں ہوتے۔" فیروزہ بیگم نے روبی بیگم اور سنبل بیگم کو دیکھتے ناراضگی سے کہا۔

کیونکہ روبی بیگم کی دوست کی بوتیک کی آج ہی آپننگ تھی۔ اور وہ بہت پہلے سے انوائیٹڈ تھیں، جبکہ سنبل بیگم کا سر درد آج کل کچھ زیادہ ہی ہونے لگا تھا۔ کبھی کبھی تو وہ سر درد کی وجہ سے ساری ساری رات نہیں سو پاتی تھی۔

"چل تو نور اور عائشہ کو لے جا دل نہ چھوٹا مت کر پھر باقی کی تیاری تو سب نے مل کر ہی کی ہے منگنی کی، سنبل بچاری تو ساری رات سر درد لے کر بیٹھی رہی ہے۔ آج عابص کو کہوں کہ لے کر جائے اپنی ماں کو کسی اچھے ہسپتال آخر اتنا سر درد ہوتا کیوں ہے اسے۔" دادی جان جو پان دان میں سے پان بنا رہی تھیں فیرزہ بیگم کو کہا۔

"جی امّی جیسا آپ کہیں۔ میں نے آج تک کبھی برا منایا ہے جو اب میں نے برا منانا ہے۔" انہوں نے دھیمے لہجے میں کہا پر چہرے سے خفگی اب بھی نہیں گئی تھی۔

"امّی میں اور زارا ابھی احمد کی دوائی لینے جا رہے ہیں۔ آپ کی واپسی سے پہلے تو انشاء اللہ آ جائیں گے، بس جاتے ہوئے آپ ہمیں ہسپتال تک چھوڑ دیں واپسی میں عابص آ جائے گا۔" پلوشے نے عبایا پہنتے کہا اور وہ سب گھر سے نکلے۔

****

"ارے نور عائشہ! خیریت ہے بڑے بڑے لوگ آئے ہیں۔" صباح نے نور اور عائشہ کو دیکھتے چہکتے ہوئے کہا جو فیروزہ بیگم کے ساتھ اندر داخل ہوئیں تھیں۔

"جی بس دیکھ لیں۔ ویسے ہی فیروزہ تائی کب سے آپ کو منگنی کا جوڑا دینے آنا چاہ رہی تھیں۔ آج میں اور عائشہ بھی فری تھے اور پھر ماریہ سے بھی بس کچھ کام تھا تو ان کے ساتھ چلی آئی۔ آپ کیسی ہیں؟" نور نے صباح کے گلے ملتے اس کی خیریت بھی دریافت کی۔

"ٹھیک ہوں۔ ویسے اور کوئی نہیں آیا تم دونوں کو اکیلے آنے دیا سب نے؟" صباح نے تعجب سے پوچھا۔

"باقی سب تو اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ ویسے ہی زارا باجی کی شادی کی وجہ سے پڑھائی کا بہت حرج ہوا ہے سب کی۔" عائشہ نے کہا۔

"ہاں پر زارون بھائی آئے ہیں۔ ان کا بڑا دل چاہ رہا تھا آپ سے ملنے کا۔" نور نے آنکھ مارتے کہا۔ "پیچھے کہاں دیکھ رہی ہیں؟ وہ گاڑی پارک کر رہے ہیں آ جائیں گے۔" صباح کے حیران چہرے کو دیکھ نور نے ہنسی دباتے کہا۔

"اچھا میں ملّی کو بلاتی ہوں۔" حمیرا بیگم اور فیروزہ بیگم اپنی باتوں میں مصروف تھیں کہ صباح نے نور سے کہا۔

"صباح باجی میں ملّی سے ملنے اس کے کمرے میں ہی چلی جاتی ہوں۔ اس سے ایک کام ہے یہاں تو پھر باتوں میں بیٹھ جائیں گے۔ آپ یہیں رک کر زارون بھائی کو کمپنی دیں۔ آخر وہ آپ کے لیے ہی آئے ہیں۔ اور یہ عائشہ تو صرف بڑوں کی گوسپز سننے آئی ہے۔" شرارت سے کہتی وہ آگے بڑھی تھی۔

جبکہ صباح ناسمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اگر یہ سب اداکاری تھی تو کمال کی تھی اور اگر سچ تھا تو اس پر حد تھی بے اعتباری کی۔

زارون اور نور کی بے تکلفی اسے کھٹکتی تھی۔ پر وہ چاہ کر بھی کوئی ایسی بات نہیں ڈھونڈ پا رہی تھی، جس سے وہ ان دونوں پر شک کرتی۔ اور پھر اسے پلوشے کی کہی بات یاد آئی تھی۔

"تم نور اور زارون کی طرف سے دل مت خراب کرو صباح۔ زارون نور کو بہنوں کی طرح چاہتا ہے۔ ہماری زندگی میں کچھ لوگ ہوتے ہیں جن سے ہم اکثر باقیوں کی نسبت زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ اور ہم ان سے پیار بھی بہت کرتے ہیں۔ پر اس کا کوئی غلط مطلب ہو یہ ضروری تو نہیں۔ تم اپنا دل ان دونوں کی طرف سے صاف رکھو۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو اپنے بھائی بہنوں کی طرح چاہتے ہیں۔ اور آخر ایک ہی گھر میں بچپن سے ساتھ بھی تو رہے ہیں"۔

زارا کی بارات والے دن صباح نے جب پلوشے سے نور اور زارون کے مطلق بات کی تو اس نے کہا۔

"یہ ہر وقت کون سی دنیا میں کھوئی رہتی ہو تم؟" اپنے پیچھے آواز سن کر وہ ڈر کر اچھلی اور پیچھے مُڑ کر زارون کو دیکھا جو شریر سی مسکراہٹ لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

صباح ایک پل کو پزل ہوئی پر آخر تھی تو صباح، اس کی زبان اس کی بھلا کہاں سنتی تھی۔

"اُسی دنیا میں جہاں آپ جیسی مخلوق نہیں پائی جاتیں۔" آنکھیں گھما کر کہا کر چڑانے کے انداز میں کہا۔

جبکہ زارون جو کچھ اچھا سننے کا خواہشمند تھا۔ اُس کی بات سن کر اس کا خون ہی خول گیا۔ "تم اس قابل ہی نہیں کہ تم سے بندہ بشر پیار سے بات کرے۔" بڑبڑاتے ہوئے وہ علی کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ جب

اپنے پیچھے صباح کی آواز سنی اور اس کی بات سن کر مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ یہ لڑکی واقع میں نہیں سدھر سکتی۔

"ہاں جیسے آپ نے تو پھول جھڑے ہیں اپنی اس مبارک زبان سے۔ جیسا سوال کرینگے ویسا ہی جواب ملے گا۔" صباح کو بھی اسے زمین پر رکھنا خوب آتا تھا۔ دادی جان صحیح کہتی تھی وہ دونوں ایک دوسرے کی ٹکر کے تھے۔

کچھ دیر بعد ہی وہ ٹیرس پر تنہا کھڑی تھی۔ حمیرا بیگم کچن میں مصروف تھیں اور فیروزہ بیگم بھی وہی ان کا ہاتھ بٹانے بیٹھی تھیں۔ علی کچھ سامان لینے باہر گیا تھا۔ جبکہ ماریہ اور نور کی نا جانے کون سے باتیں تھیں، جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ ہاف بال کیچر میں مقید تھے جبکہ کچھ اُڑ اُڑ کر چہرے پر آرہے تھے۔ ڈھلتی ہوئی شام کے اس خوبصورت منظر میں وہ بھی اسی کا حصّہ لگ رہی تھی۔ زارون کچھ دیر تک اسے ایسے ہی دیکھتا رہا پھر اس کے برابر میں آکھڑا ہوا۔ صباح پہلے تو چونکی پھر واپس آسمان دیکھنے میں مشغول ہو گئی۔

"صباح۔۔!" سرگوشی کی گئی تھی۔

"ہممممم!" آسمان کو دیکھتے ہوئے ہی کہا۔

"کیا تم خوش ہو اس رشتے سے؟" اس کے اڑتے ہوئے بالوں کو دیکھ کہا۔

گردن موڑ کر زارون کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ پھر واپس آسمان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں مطمئین ہوں زارون۔ کم سے کم مجھے اب یہ ڈر نہیں کے میری زندگی میں کہیں کوئی عادل بھی آسکتا ہے۔ ہر لڑکی

اپنے لیے ایک ایسا لڑکا چاہتی ہے جو اس کی عزت کرے اس کی قدر کرے، جسے رشتوں کی اہمیت کا پتہ ہو ۔جو دنیا سے لڑ جانے کی ہمت رکھتا ہو۔اور بقول پلوشے کے آپ میں یہ ساری خوبیاں ہیں۔"

"صرف بقول پلوشے کے۔اگر تم خود سے تعریف کے دو بول کہہ دو گی تو زبان نہیں گھس جائیگی صباح۔ "شکوہ کناں انداز میں کہا تھا۔جس میں نہ کوئی طنز تھا نہ کوئی شرارت۔بس سادہ سے ایک شکوہ تھا۔

اور پوری بات میں پہلی بار صباح نے اسے دیکھا تھا۔اور اس نے سوچا تھا۔یہ شخص کیا واقع میں اتنا اچھا ہے ۔اور اگر ہے تو وہ اپنے رب کا شکریہ کیسے کرے۔کیا زارون شہزاد واقع میں ایک پرفیکٹ لائف پاٹنر تھا یا احساسات اور جزبات بدلنے پر وہ ایسا محسوس کر رہی تھی۔

"مجھے پتہ ہے میں بہت ہینڈسم ہوں۔پر پہلے میری بات کا جواب دو محترمہ۔"زارون نے اسے ہوش دلایا جو یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ کچھ سوچ رہی ہے۔وہ کیا سوچ رہی ہے یہ جاننے کی اس نے کوشش نہیں کی تھی۔

"میں کیسے خود سے کہوں؟میں نے تو نہیں نا آپ کو آزمایا ہوا۔"ہلکی سے مسکان چہرے پر لائے بالوں کو پیچھے کرتے کہا۔

"تو پھر تم آزمالو۔میں چاہتا ہوں اگلی بار اگر تم میری تعریف میں کچھ کہو تو تمہیں بقول نا کہنے پڑے۔ "زارون نے روشن چمکتی ہوئی آنکھیں اس پر گاڑھے چلینجنگ انداز میں کہا اور ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھا۔جہاں کھانا لگایا جا رہا تھا۔

صباح اور زارون کی یہ پہلی سنجیدہ گفتگو تھی۔ جس سے زارون کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے بارے میں اب تک غلط رائے قائم کیے ہوئے تھے۔ اور ان دونوں نے ہی دل میں یہ عہد کیا تھا کے وہ ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش بہتر طریقے سے کرینگے۔

رشتوں میں اگر غلط فہمیاں بڑھنے لگیں تو ان کا توازن برقرار رکھنے کے لیے ایک دوسرے سے گفتگو میں پہل کرنی پڑتی ہے۔ اور زارون کو جب سے پلوشے نے صباح کے اُس کے بارے میں خیالات بتائے تھے۔ اس نے جب سے ہی غلط فہمی کی اس دیوار کو گرانے کا سوچ لیا تھا۔ نہ کہ عام مردوں کی طرح اسے اپنی انا کا مسئلہ بنایا تھا۔

"علی پھپھو تمہیں بُلا رہی ہیں۔" بے دھڑک اُس کے کمرے میں گُھستے عائشہ نے اُونچی آواز میں کہا تھا۔

گرے اور بلیک کلر کے کنٹراسٹ میں اُس کے کمرے کی ہر چیز ہی عالیشان تھی۔ اور کمرے کی موجودہ حالت سے صاف پتہ لگ رہا تھا۔ کمرے کا مالک کس حد تک نفاست پسند ہے۔ علی جس طرح خود ٹِپ ٹاپ رہا کرتا تھا۔ اُس کا کمرہ بھی ٹھیک ویسے ہی تھا۔

"تمہیں کب تمیز آئیگی کہ کسی کے کمرے میں بغیر اجازت داخل نہیں ہوتے۔۔" موبائل سے نظریں ہٹا کر ایک طنزیہ نظر عائشہ پر ڈالی۔ جو بلیک ٹراوزر اور پرنٹڈ لان کی قمیض میں بالوں کا ڈھیلا ڈھیلا جوڑا بنائے۔ ماتھے پر بل ڈالے آنکھیں چھوٹی کرے اب اسے دیکھ رہی تھی۔

اُس کی بات سنتے عائشہ دروازے سے جا لگی اور آنکھیں پٹپٹا کر۔ نہاہت ہی ادب سے چڑاتے کہا۔

"لیڈی ڈیانہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے کمرے میں دو قدم چل کر صرف یہ کہنے آ جاؤ کہ ملکہ الزبیتھ آپ کو بُلا رہی ہیں۔۔۔؟"

"عائشہ۔۔۔!" دانت بھیجتے علی نے کھینچ کر کہا۔ پر اتنی دیر عائشہ میڈم نے رُکنا کہا تھا۔

"جگّا جاسوس نے ہر جگہ کو اپنی ملکیت ہی سمجھا ہوا ہے، ایڈیٹ۔۔۔!" علی نے خود کلامی کرتے ہی کہا تھا۔

ڈائننگ ٹیبل پر حمیرا بیگم سب کو کھانا دینے میں مصروف تھی۔ جبکہ حسن صاحب زارون سے ہلکی پھلکی باتوں میں مصروف تھے۔ نور ماریہ اور صباح کو منگنی کی تھیم بتا رہی تھی۔ فیروزہ بیگم خاندان کی کچھ باتیں لیے بیٹھی تھیں۔ اتنے میں بریانی سے انصاف کرتی عائشہ نے کہا۔

"واہ پھپھو کیا بریانی بنائی ہے آپ نے۔ گھر جا کر فلک موٹو کو چڑانے کا بھی اب اپنا ہی مزہ آئے گا۔" انگلیاں چاٹتے عائشہ نے مزے لے کر کہا۔

"چڑانے کی کیا بات ہے۔۔؟ میں اپنے باقی بچوں کے لیے پارسل بھیج دوں گی۔" حمیرا بیگم اپنی تعریف پر خوش ہوتی بولی۔

چمچ منہ میں ڈالتے علی نے ایک نگاہِ غلط اس پر ڈالی۔ جس کی ناک مرچی لگنے کی وجہ سے لال ہوتی کافی مزاحیہ لگ رہی تھی۔

"یہ گھور کس کو رہے ہو تم؟" عائشہ نے آئیبرو اُچکاتے پوچھا۔

"اللہ معاف کرے تمہاری شکل ہے گھورنے والی۔۔؟" آنکھیں گھماتے علی نے کہا۔

"جیسے مجھے تو نازک حسینہ کا پتہ ہی نہیں۔" عائشہ بڑبڑائی۔

"جگا جاسوس پہلے اپنی بہتی ناک تو سنبھالو۔" علی بھی کہاں پیچھے رہنے والوں میں سے تھا۔

جبکہ باقی سب دونوں کو اگنور کیئے اپنا کھانا کھانے میں مصروف تھے۔

کھانے کے بعد کچھ دیر چائے پینے سب لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ کہ نور بہانے سے ماریہ کو لیے کمرے میں آئی۔ آخر جو کام کرنے آئی تھی وہ بھی تو ضروری تھا۔

"زندگی۔۔! میں جانتا ہوں تم مجھ سے ملنا نہیں چاہتی۔ پر میں بس ایک آخری کوشش کرنا چاہتا ہوں۔ کم سے کم مجھے آئیندہ زندگی میں یہ افسوس تو نہیں رہے گا نا کہ میں نے کوشش ہی نہیں کی۔ میں جانتا ہوں تمہارا دل میرے دل سے جڑا ہے۔ یہ مت سوچنا کے میں کیسے جانتا ہوں۔ کیونکہ محبت کرنے والے آنکھیں پڑھ لیا کرتے ہیں ماریہ۔ اور میں نے تمہاری آنکھیں پڑھ لی ہیں۔ بس ایک ہی التجا ہے تم سے، ایک بار صرف ایک بار کوشش کر کے تو دیکھو۔ مجھے لگتا ہے تمہارے گھر والوں کو منانا اتنا مشکل ثابت نہیں ہو گا۔ جتنا تمہیں منانا ہو رہا ہے۔ تم اپنا جواب نور کو دے سکتی ہو۔ پر میں اس بار صرف ہاں کا خواہشمند ہوں ماریہ۔ تمہارا طلب گار کیپٹین ضرار فیصل۔"

ماریہ کو ضرار کا پیغام پڑھاتے وہ اس کے جواب کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ ماریہ نے ایک نظر خط پر ڈالی، دوسری نظر نور پر اور پھر کمرے کے بند دروازے پر اور گہری سانس لیتے آنکھیں موند گئی۔

"کبھی کبھی زندگی میں خود کے لیے سوچنا پڑتا ہے۔ اپنے دل کی خوشی کے لیے کچھ کرنا پڑتا ہے ماریہ۔ ہم ساری زندگی دوسروں کو خوش کرنے یا ان کی برابری پر آنے کے لیے ضائع نہیں کر سکتے۔" سرگوشی نما آواز میں اس نے ماریہ سے کہا۔ جس کی بند آنکھوں کے پیچھے چُھپی ویرانی سے وہ ناواقف تھی۔

"میرا دل چاہتا ہے میں خود کو خوش کر لوں۔ سب کو چھوڑ صرف اپنی ذات کے لیے سوچوں۔ پر میں ڈرتی ہوں نور، بدنامی کے داغ سے ڈرتی ہوں۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔ جس کردار کو سلامت رکھنے کے لیے ہم لڑکیاں ساری عمر خود سے خانہ جنگی کرتی رہتی ہیں۔ اس کردار پر صرف ایک محبت کے لفظ سے حرف پڑ جاتا ہے۔ ہم زمانے بھر میں رسوا کر دی جاتی ہیں۔ مجھے رسوائی سے ڈر لگتا ہے نور۔ یہ محبت میرے لیے بڑی ظالم شے ثابت ہوئی ہے۔ اُس کا ساتھ پالینا کا سوچ کر دل خوش ہوتا ہے، تو گھر والوں کی بے اعتباری پر دل کٹ کر رہ جاتا ہے۔ گھر والوں کو خوش کرنے کا سوچتی ہوں تو اپنا آپ مردہ سا لگنے لگتا ہے۔" چہرہ جھکائے نم آنکھیں مسلتے جو آنسو ابھی آنکھوں میں ہی تھے انہیں رگڑ کر صاف کرتے کہا۔

"تم گھر والوں کے اعتبار کو توڑے بغیر بھی تو اپنی محبت حاصل کر سکتی ہو نا۔ تمہیں یہ خوف کیوں ہے، کہ وہ تم پر اعتبار نہیں کریں گے؟ بس ایک بار ماریہ صرف ایک بار ضرار کو اجازت دے دو تمہارے گھر پر پوزل لانے کی۔ مجھے یقین ہے پھپھو مان جائیگی۔" نور نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

ماریہ نے آنکھوں میں کرب لیے اسے دیکھا۔ "وہ میرا رشتہ کہیں اور کرنا چاہ رہے ہیں نور۔ پاپا کے ایک بزنس فرینڈ ہیں، بہت پہلے انہوں نے یہ بات کی تھی پر صباح باجی کا اس وقت کہی رشتہ طے نہیں ہوا تھا۔ پاپا نے وقت مانگا تھا۔ اب وہ لوگ جواب چاہ رہے ہیں۔ اور ممّی پاپا ہاں کرنا چاہتے ہیں۔ میں ضرار فیصل سے جبھی نہیں ملنا چاہتی تھی۔ اب تک وہ میرے لیے ایک خواب تھا۔ میں اس کی محبت کو اپنے اندر دل میں

کہیں دفنا دیتی۔ پر اس نے مجھے اس خواب کی تعبیر دکھا دی۔ میرا ٹوٹا ہوا دل اور توڑ دیا۔ اس نے ایسا کیوں کیا۔۔؟" پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے آج اس نے اپنی زبان سے پہلی بار اپنی محبت کا اظہار کسی کے سامنے کیا تھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا ملّی۔ ہم کوئی نہ کوئی راستہ نکال لینگے۔ یہ سب اتنا مشکل نہیں ہے۔ بس تم امید کا دامن تھامے رکھو۔" اسے کندھے سے لگاتے نور نے کہا۔

"کیا محبت انسان کو اتنا بے بس بھی کر سکتی ہے؟ کیا ہماری خوشیوں کا دارومدار صرف ایک شخص اور اس کی ذات بن سکتی ہے؟" اسے خود سے لگائے وہ یہ سب صرف سوچ سکی کہہ نہیں سکی۔

ماریہ سے بات کر کے نور کا دل کافی بوجھل تھا۔ ایک طرف ضرار الگ پریشان تھا۔ اور یہاں ماریہ کے حالات بھی کچھ ایسے ہی تھے۔ گھر جانے سے پہلے اُس نے آخری بار ماریہ کو گلے لگاتے ہلکی سی سرگوشی کی تھی۔

"بس تھوڑی سی ہمت کر لو یار۔" اُس کا کندھا تھپکتے نور گاڑی میں جا بیٹھی تھی۔ جبکہ ماریہ شل سی وہی کھڑی گاڑی کو جاتا دیکھ رہی تھی۔

****

غم زندگی، غم بندگی، غم دوجہاں، غم کارواں

میری ہر نظر، تیری منتظر، تیری ہر نظر، میرا امتحان!

گاڑی ڈرائیو کرتے صرف ایک ہی چہرہ اس کی آنکھوں میں تھا۔ آج اُس نے آنا تھا۔ وہ آج یونیورسٹی سے بھی شاید جلدی نکل گئی۔ یقینن وہ اب تک گھر آچکی ہو گی۔ سارے راستے وہ اُسے سوچتا ہوا آرہا تھا۔

"حد ہے اذبان۔۔!" اُسے سوچتے سوچتے دماغ ماؤف سا ہونے لگتا ہے۔ اسی چکر میں وہ غلط موڑ مُڑ چکا تھا۔ اور اب خد کو کوسنے لگا۔ "آپ مجھے پاگل کر دیں گی۔" اُس کا چہرہ تصور میں لاتے دھیمے سے ہنستے کہا۔ اس وقت گاڑی میں بیٹھے اس شخص کو خود سے باتیں کرتے اور ہنستے دیکھ کوئی بھی اسے پاگل یا سر پھرا سمجھ سکتا تھا۔

"اسلامُ علیکم! پھپھو کیسی ہیں آپ؟" ان کے بغلگیر ہوتے نور نے کہا۔

"وعلیکم اسلام! پھپھو فٹ ہے میری بیٹی کیسی ہے یہ بتاؤ۔۔؟" اور ہمیشہ کی طرح بڑے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے انہوں نے اس کا ماتھا چوما۔

"میں بھی بلکل فٹ۔" ان کے کندھے سے لگتے اُس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"امّی بعد میں کریگا اپنی بھتیجی سے لاڈیاں۔ ابھی یہ کچھ دنوں تک یہیں ہے۔ ہمیشہ ہم وہاں رُکتے ہیں اب اس کی باری۔" ہادیہ نے نور کے کندھے پر کہنی ٹکاتے کہا۔

"صرف ایک دن کی بات ہوئی تھی، اب زیادہ ڈرامے نہ کرو اور کچھ ٹھنڈا گرم پوچھو مجھ سے آخر کو مہمان ہوں میں۔" آنکھیں گُھما کر ہادیہ کو اتراتے ہوئے کہا۔

"ویسے آپس کی بات ہے۔ تمہیں پتہ ہے نہ چند سال بعد تم یہاں کی مہمان نہیں رہو گی۔ جیسے میں وہاں کی نہیں رہوں گی۔۔؟" اس کے کان میں سرگوشی کرتے اسے چھیڑتے ہوئے ہادیہ نے کہا۔

"شٹ اَپ ہادیہ! فضول گوئی نہ کیا کرو۔" اسے کبھی بھی ہادیہ کا اس طرح اس کے اور اذبان کے بارے میں مذاق کرنا اچھا نہیں لگا تھا۔ بقول نور کے اذبان بھائی کو جب پتہ چلے گا تم ایسی باتیں کرتی ہو تو کتنی ایمبیریسمنٹ ہو گی میری ان کے سامنے۔ پر ہادیہ نے آج تک کسی کی سنی ہے بھلا جو اب سنتی۔

"اسے چھوڑو چلو آؤ میں تمہیں اپنے کپڑے دیتی ہوں فریش ہو جاؤ۔" علیشبہ نے بیچ میں ہی دونوں کو روک دیا۔

دو سنگل سائز بیڈ، کمرے کے بیچ میں پڑے تھے۔ سامنے دیوار پر کچھ پینٹنگز اور فیملی پکچرز تھیں۔ ایک طرف چھوٹا سا ڈریسنگ ٹیبل تھا اور بالکنی کے ساتھ کانچ کی ایک نازک سے الماری رکھی گئی تھی۔ جس میں ان دونوں بہنوں کے بچپن کے کھلونے اور بہت سے سامان کے ساتھ ہادی کی دی ہوئی گھوڑا گاڑی بھی موجود تھی۔

"پیاری لگ رہی ہے نا یہاں۔۔؟" ہادیہ نے نور کو کہا جو اُسی گھوڑا گاڑی پر نظریں ٹکائے کھڑی تھی۔

"بہت پیاری لگ رہی ہے۔۔ آخر سجائی کس نے ہے؟" اپنے نہ ہونے والے کالر کھڑے کرتے اس نے کہا ۔

وہ دونوں ایک بار پھر شروع ہو چکی تھیں۔ جبکہ علیشبہ دیوار سے ٹیک لگائے آج ہوئے واقع کو سوچ رہی تھی۔ ڈاکٹر شہروز کا بلاوجہ اس طرح اُس سے فری ہونا اُسے کچھ کھٹک رہا تھا۔ پھر کچھ سوچتے گلا کھنکارتے اس نے کہا۔

"تم دونوں کو پتہ ہے آج ڈاکٹر شہروز ملے مجھے۔ وہ کچھ دن پہلے ایبٹ آباد گئے تھے اپنی فیملی کے پاس۔ مجھے کچھ تحفے دے رہے تھے، جو ان کی فیملی نے میرے لیے بھیجے تھے۔" گری ہوئی پلکیں اُٹھاتے اس نے کہا۔

وہ دونوں جو اپنی باتوں میں لگیں تھیں اب حیران ہوتے علیشبہ کو دیکھ رہیں تھیں جو انہیں یہ سب اب بتا رہی تھی۔

"اور تم نے کیا کیا۔۔؟ لے تو نہیں لیے کہیں؟ نور نے تیزی سے آگے بڑھتے اسے جھنجوڑتے ہوئے پوچھا۔

"دیکھو علیشبہ مجھے نہ یہ ڈاکٹر شہروز ذرا نہیں پسند۔ اگر تم نے آگے ایسا ویسا کچھ کہا تو اچھا نہیں ہو گا۔" ہادیہ نے انگلی دکھاتے کہا۔

"میں کیا کہتی کچھ عابص آ گئے تھے وہاں۔۔ اور ان کے آتے ہی میں بھاگ گئی فوراً وہاں سے پر مجھے سمجھ نہیں آتی آخر وہ چاہتے کیا ہیں۔۔۔؟"

"وہ ہم سب کو پاگل بنانا چاہ رہے ہیں، اور کچھ نہیں۔" نور نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"وہ تمہیں خوش دیکھ ہی نہیں سکتے کسی اور کے ساتھ۔ اور خبر دار اگر تم اتنے میں پگھل گئی تو۔ گن گن کر بدلے لینا پورے۔" ہادیہ نے بھی اپنی بات پر زور دیتے کہا۔

"جس سے کبھی آپ کو محبت ہوئی ہو، ان سے کبھی بدلے نہیں لیے جاتے ہادیہ۔ میں یہ سب بدلہ لینے کے لیے نہیں کر رہی۔" پر یہ بات وہ صرف دل ہی میں کہہ سکتی تھی۔

کچھ دیر بعد ہی وہ سب رات کو پہننے کے لیے کپڑے دیکھ رہی تھی۔ اذبان نے وعدہ جو کیا تھا ڈنر پر لے جانے کا۔ تیاری کے دوران آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ جن میں ہادیہ کو خضر بھائی کے ملک سے باہر اپنوں سے دور ہونے پر اعتراض تھا۔

"ہادیہ اگر ہادی بھائی بھی پڑھائی یا جاب کے سلسلے میں باہر چلے گئے تو پھر۔۔؟ ویسے بھی امّی کو تو بہت شوق ہے وہ ملک سے باہر پڑھائی کریں۔"

"جاب کرنے تو ہادی نے جانا ہی نہیں اور پڑھائی اس کی مکمل ہو چکی ہے۔ اس لیے میں کیوں سوچوں ایسا۔۔؟" کندھے اچکاتے بالوں میں برش پھیرتے اس نے کہا۔

"ارے بھئی آگے بھی تو بہت سے کورسس وغیرہ ہوتے ہیں ناں۔ اگر ان کے لیے وہ جانا چاہیں تو۔۔؟" سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھتے پوچھا۔

"تو پھر میں اُس سے کہوں گی مجھے چھوڑ دے۔ مجھ سے تعلق توڑ کر جہاں جانا چاہے جائیں۔" بالوں میں چلتے ہاتھ روک کر سنجیدہ لہجے میں کہتے وہ منہ دھونے واشروم میں جانے لگی۔ اُسے اب اس کا میک اپ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"توبہ ہے بھئی شام سے تیار ہو رہی ہو تینوں۔" کچھ دیر بعد آزان جنجھلاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ "اب بس بھی کرو شادی پر نہیں جا رہی تم سب۔" آزان نے کمرے میں آتے ہی کہا۔

ایک طرف علیشبہ اور نور مکمل تیار ہوئے موبائل لیے بیٹھی تھیں تو دوسری طرف ہادیہ میک اپ کر لینے کے بعد منہ دھو آئی تھی کیونکہ اسے اپنا میک اپ اچھا نہیں لگ رہا تھا، وہ اب سرے سے پھر تیار ہو رہی تھی۔

نور نے آئبرو سے ہادیہ کی طرف اشارہ کیا۔ کیونکہ وہ دونوں کب سے تیار تھیں۔

"بس کر جاؤ لگنا تم نے پھر بھی چڑیل ہی ہے۔" آزان نے اس کے ہاتھ سے برش چھینتے کہا۔

"نکلیں یہاں سے۔۔۔ امّی آزان بھائی مجھے تنگ کر رہے ہیں۔" ہادیہ وہی سے چیخی تھی۔

"استغفر اللہ۔ سو جھوٹے مریں ہوں گے تو تم پیدا ہوئی ہو گی۔ اور کم سے کم تم دونوں ہی نیچے چلی جاؤ۔" آزان نے چڑتے کہا۔

"میں سلیپرز چینج کر کے آتی ہوں مجھے لگ رہا ہے یہ شاید ٹوٹنے والے ہیں۔" علیشبہ سلیپرز چینج کرنے لگی۔ جبکہ نور صرف ہمم کہتے، موبائل پر نظریں جمائے کمرے سے نکلی۔

وہ شام سے آئی ہوئی تھی پر اذبان نے اب تک اسے نہیں دیکھا تھا۔ ابھی وہ اُنہیں بلانے کے لیے ان کے کمرے میں جانے ہی لگا تھا کہ وہ اُسے سیڑھیوں سے اُترتی دکھی۔ یلو شارٹ شرٹ اور وائٹ کیپری پہنے بالوں کی ٹائٹ فرنچ چوٹی بنائے۔ ڈوپٹہ ایک شانے پر ڈالے وہ موبائل میں دیکھتی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔

"اسلامُ علیکم۔۔!" اُس کے نیچے اترتے ہی اذبان نے دھیمی مگر جزباتیت سے بھرپور آواز میں کہا۔

وہ جو ہادی اور ضرار سے گروپ چیٹ میں لڑ رہی تھی۔ کیونکہ ضرار اُسے دھوکے باز اور نخریلی کہہ کہہ کر تنگ کر رہا تھا، موبائل میں حد درجہ گُم تھی کہ اچانک اذبان کی آواز اپنے اتنے قریب سُن کر وہ یکدم بوکھلا کر اچھلی تھی، اور اسی بوکھلاہٹ میں اُس کا موبائل زمین بوس ہو چکا تھا۔

اذبان نے اپنے سر پر ہاتھ مارتے ایک نظر اُس کے بوکھلائے ہوئے چہرے کو دیکھا اور نفی میں سر ہلاتے دو قدم پیچھے ہوا۔ اذبان کو دیکھتے نور کی بوکھلا کر چیزیں توڑ دینے کی ہمیشہ والی عادت۔

"میرا فون۔۔۔" صدمے سے چور آواز حلق سے بامشکل نکلی تھی۔

"ٹوٹ گیا۔۔۔" اذبان نے زمین پر بیٹھتے اس کا موبائل اُٹھا کر اُلٹ پلٹ کر دیکھتے بیچاری سی شکل بناتے کہا ۔اور نور کو دیکھا جسے دیکھ یہی گمان ہو رہا تھا کہ کسی بھی وقت رو سکتی ہے۔

"ٹوٹ گیا۔۔۔؟" صدمے سے چور ہلکی سی آواز میں پانی سے بھری ہوئی آنکھیں اُس پر گاڑھے پوچھا۔

"ریلیکس محترمہ مزاق تھا، دیکھو ٹھیک ہے کچھ نہیں ہوا آپ کے فون کو۔" اس کی شکل دیکھتے ناجانے کیوں اذبان کا زوردار قہقہ لگانے کا دل کیا تھا پر وہ اُس پر ہنس کر اپنے پیر پر کلہاڑی نہیں مار سکتا تھا۔

اُس کے ہاتھ سے جلدی سے موبائل لیے اس نے اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ اور گہری سانس پُر سکون سانس کے کر ایک نظر اذبان پر ڈالی۔ جو کریم کلر کے شلوار قمیض میں ہمیشہ کی طرح وجیہہ نظر آ رہا تھا۔

بس ایک نظر تھی۔ صرف ایک عام سی نظر، جو اذبان موسیٰ کی سانس روکنے کی طاقت رکھتی تھی۔ اس ایک نظر کے لیے وہ اپنی سانسوں کی ڈور اُسے تھما سکتا تھا۔

دونوں کی نظریں ٹکرائی تھی۔ایک کی آنکھوں کے جزبات کے سمندر نے دوسرے کو ٹھٹھکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"نور فاطمہ + اذبان = پرفیکٹ کپل۔"

"تم اذبان بھائی کے ساتھ کھڑی اتنی اچھی لگتی ہو کیا بتاؤ۔۔۔!"

"میں چاہتی ہوں تم ہماری بھابھی بن جاؤ۔"

"سوچو اگر انہوں نے تمہیں پرپوز کیا تو تم کیا جواب دو گی؟"

"وہ اتنے گڈلوکنگ، سمارٹ اور اچھے دل کے ہیں۔"

"کچھ سالوں بعد تم یہاں پر مہمان نہیں رہو گی۔"

ہادیہ اور علیشبہ کی کہے جملوں کی بازگشت اُس کے کانوں میں ہونی لگی تھی۔یکدم اُس نے نظروں کا زاویہ بدلا اور دھڑکتا دل سنبھالتے، پیچھے مُڑی جہاں سے آزان سیڑھیاں پھلانگتا آ رہا تھا۔اور اُس کے پیچھے ہی ہادیہ اور علیشبہ۔

خدیجہ بیگم اور موسیٰ صاحب سے ایک آخری بار چلنے کا پوچھتے۔وہ سب باہر نکل گئے تھے۔

****

چکراتے سر کو سنبھالتے وہ دیوار کا سہارا لیے پلنگ پر دھڑام کر کے گرنے کے انداز میں بیٹھی تھی۔

"ہائے یہ سر درد تو لگتا ہے جان لے کر چھوڑے گا۔ عائشہ پیناڈول تو دے جا گھنٹہ ہونے کو آیا ہے۔ پیناڈول دینے کا کہا ہے بنانے کا نہیں۔" عائشہ کو آواز دیتے کہا تھا۔ ایک تو پتہ نہیں کیوں پاکستانیوں کے ہر درد کا علاج بس پیناڈول ہی ہی کیوں ہوا کرتی ہے۔

پلوشے ان کی آواز سن چائے کا کپ تھامے اور ہاتھ میں پیناڈول لیے اندر آئی تھی۔ "عائشہ کو کچھ نوٹس کا پی کروانے تھے وہ فلک کو لیے وہاں گئی ہے۔ پیناڈول تھی نہیں ہادی ابھی لایا ہے۔ آپ چائے پیئے اور آج رات کو یاد سے چیک اپ کروانے چلی جائیں گا۔"

"ہاں ہاں چلی جاؤں گی۔ اس عمر میں یہ سر درد تو عام سے بیماری ہے سب کو ہوتا ہے۔ زارون کی منگنی سے تو فارغ ہو جائیں پہلے۔ عابص بھی کاموں میں لگا ہے ورنہ اسے لیے چلی جاتی۔" سر پر کپڑا باندھتی پیناڈول منہ میں رکھتے کہا تھا۔

"پھر آپ میرے ساتھ چلی جائیں۔ میں تو ویسے بھی فارغ ہوتی۔ ابھی عابص سے کہتی ہوں۔ کسی اچھے ڈاکٹر سے اپائنمنٹ لے لیں۔" کمرے میں بکھری چیزیں سمیٹتیں ہلکی سی مسکان چہرے پر سجائے پلوشے نے کہا۔

چائے کے گھونٹ بھرتی سنبل بیگم اُسے دیکھتی ایک ہی بات سوچے جا رہی تھیں۔ کیا نہیں تھا اس بچی میں۔ اگر اچھے لوگوں میں جاتی تو کتنی قدر کرتے اس کی۔ اور ایک منٹ کو تو انہیں اُس میں نور کی ہی جھلک دکھی ۔وہ بھی تو ایسی تھی۔ سب کے مسائل سلجھانے والی۔ سب کو اہمیت دینے والی۔ چائے کا کپ ٹرے میں رکھتے، انہوں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "عادل تیرے قابل نہیں تھا وشہ۔ تو میری ہیرہ بیٹی ہے۔ دیکھنا اللہ

تیرے نصیب بہت اچھی جگہ کھولے گا۔" سنبل بیگم کا انگ انگ اس وقت پلوشے کے لیے دعا گو تھا۔ ان کی طبیعت خرابی میں کتنا ساتھ دیا تھا اُس نے ان کا۔ اتنا تو ان کی سگی اولاد بھی نہیں کر پا رہی تھی۔

بیڈ شیٹ درست کرتے پلوشے کے ہاتھ تھمے تھے۔ اور اُس نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔ "آپ اب میرے بچوں کے لیے دعا کیا کریں چچی۔ میرے نصیب کو میں آزما چکی۔ بس آپ دعا کریں میں اپنی مدد آپ اُن کی کفالت کر سکوں۔" سنجیدگی سے کہتے وہ ٹرے اُٹھائے باہر نکلی تھی۔ لاؤنج میں روبی بیگم اور فیروزہ تائی زارون کی منگنی میں بُلائے جانے والے مہمانوں کی فہرست تیار کر رہی تھیں۔

"امّی جی شیر بانو پھپھی کی سارے بچوں کو بلانا ہے؟" روبی بیگم نے لسٹ ہاتھ میں لیے پوچھا۔

"آہستہ بول آہستہ۔ ابھی سُن لے گی تو ایک اور ہنگامہ کھڑا کریگی شیر بانو۔ اب اگر سارے بچوں کو بلانے بیٹھ گئے تو سو افراد تو یہ منوے ہی ہو جائینگے۔ سو روپے کے لفافے میں پانچ سو کا کھانا کھا جائینگے۔" ناک منہ چڑھاتے دادی جان نے کہا۔

"پر امّی جی اگر نہ بلایا تو شیر بانو پھپھی نے بہت رولے ڈالنے ہیں۔ اچھی خاصی تقریب خراب نہ ہو جائے کہیں۔" فیروزہ بیگم نے تھوڑی پر ہاتھ ٹکاتے کہا۔

"چل دو دو افراد لکھ دے۔" جان چُھڑانے کے انداز میں انہوں نے روبی بیگم کو کہا۔

"اور نجمہ کا نام لکھا ہے نا۔۔؟ زارا کی شادی کا کارڈ دیر سے بھیجا تھا تو ناراض ہو رہی تھی۔ دیکھا نہیں تھا پورے ہال میں کیسے تماشے کئے تھے۔ بھئی بڑے ترلے منتیں کی میں نے جب جا کہ کچھ ٹھنڈی ہوئی تھی۔" فیروزہ بیگم نے یاد دہانی کروائی۔

"ہاں ہاں لکھ دیا۔ حمیرا آپا کے سُسرال سے تو سبھی ہونگے۔ خدیجہ آپا کے سُسرال میں سے کس کس کو بلانا ہے۔۔؟"

"ہاں تو لکھ نام بتاتی ہوں۔۔" دادی جان نے سوچنے کے انداز میں کہا۔

اتنے میں دروازہ بجنے لگا اور فلک گیٹ کھول کر آئی۔ امّی پڑوس والی روزینہ آنٹی آئی ہیں۔

"لو جی اب گھنٹہ گیا۔ ایک تو اس عورت کے چکر نہیں ختم ہوتے۔" روبی بیگم نے ناک منہ چڑھا کر کہا۔

****

"تم کب آئی پھپھو کے گھر سے؟" ہادی نے گھر میں گھستے ہی نور سے کہا۔

"یونی سے ڈائیر کٹ گھر ہی آ گئی پر سوزاروں بھائی کی منگنی ہے اتنے کام ہے کرنے کو"۔ آنگن کی صفائی کرتے اُس نے کہا۔

"اوہو ایک تو ماسی سکینہ کیوں بن گئی ہو؟ اندر آؤ۔" بے چینی سے کہتے وہ اُسے لیے اندر گیا۔

"دادی جان امّی سب کہاں ہے۔ باہر آئیں کچھ بتانا ہے۔" خوشی سے دمکتی ہوئی آواز میں وہ ایک ایک کو پُکار رہا تھا۔

"کیوں اُتاولا ہوا جا رہا ہے۔۔؟" دادی جان نے پھولے ہوئے سانس کو سنبھالتے کہا۔

"دادی جان جرمنی کی اسکولرشپ ملی ہے مجھے اپنی یونیورسٹی والوں کی طرف سے۔ آج ہی لیٹر ملا ہے۔" لیٹر ہوا میں اُچھالتے جوش بھرے انداز میں اُس نے کہا۔

کچھ وقت ہی تو ہوا تھا اسے ایل ایل بی مکمل کیئے۔ اور اس نے اسکالرشپ پر آگے کے کچھ کورسسز کے لیے امتحان دیا تھا۔ جن میں اس کا نام آگیا تھا۔ آج ہی اُس کی یونیورسٹی والوں نے اُسے بُلا کر یہ خوشخبری دی تھی۔

"ہائے ماں صدقے ماں قربان۔ کب ہوا یہ مجھے کیوں نہ پتہ چلا۔" روبی بیگم ہادی کو چومتے اُس کی ڈھیروں بلائیں لیتی بولیں۔

زیتون محل کا ہر فرد ہی اس وقت خوشی سے ناچ رہا تھا۔ آخر وہ گھر کا پہلا سپوت تھا جو باہر اسکالرشپ پر جا رہا تھا۔ ورنہ خضر دبئی میں پچھلے کئی سال سے تھا۔ پر وجہ صرف بزنس تھا۔ ایک طرف عائشہ، عبیر، فلک عدیم بھنگڑے ڈالنا شروع ہو گئے تھے۔ جبکہ زارا اونچا اونچا کہہ رہی تھی کہ اُس نے جرمنی سے میک اپ منگوانا ہے۔ پلوشے کی آنکھوں میں اُس کے لیے فخر تھا۔ اور زبیر صاحب کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔

"کتنے سال کے لیے جانا ہے برخودار؟" شہزاد تایا نے کندھا تھپکتے اسے شاباشی دیتے کہا۔

"دو سال کا کورس ہے تایا جان۔ دو سال بعد انشاء اللہ واپسی ہو گی۔ ابھی تو ویزا پاسپورٹ سب کام کرنے کے ہیں۔ مجھے تو یہ یقین ہی نہیں تھا کہ میرا نام بھی آ جائیگا اس لیے سب سے چھپا کر رکھا۔" خوشی سے دمکتے چہرے کے ساتھ کہا۔

"اللہ منزل آسان کرے تیری ادھر دادی کے پاس تو آ۔ جب سے آیا ہے ماں سے چپکا کھڑا ہے۔" زیتون بانو نے بانہیں پھیلاتے کہا۔

بس دو لوگ تھے جو بلکل چپ تھے۔ قاسم مراد علی اور نور۔ جن کی خاموشی کی وجہ بھی جلد ہی سامنے آ جانی تھی۔

سب کے اپنے کمرے میں جاتے ہی ہادی نور کو لیے روبی بیگم اور زبیر صاحب کے کمرے میں گیا اور اُن کے سامنے اپنا مدعا رکھا۔ کہ وہ چاہتا ہے اس کے جانے سے پہلے اس کا ہادیہ کے لیے پرپوزل بھیجا جائے۔

"کون اپنی ہادیہ؟" زبیر صاحب نے صدمے سے کہا۔

"کیوں بابا آپ کسی اور ہادیہ کو بھی جانتے ہیں کیا۔۔؟" سر کھجاتے شرمندگی سے کہتے اس وقت اس کے چہرے پر صرف اور صرف خوشی کی رمق تھی۔ سب کچھ حاصل کر لینے کی خوشی۔ پر کیا قدرت کسی کو سب کچھ ایک ہی ساتھ دیا کرتی ہے۔ ہادی کی آنکھوں کی چمک کیا ماند پڑ جانی تھی۔

"کب سے چل رہا ہے یہ سب؟ اور کیا ہادیہ راضی ہو جائیگی۔" روبی بیگم نے سپاٹ چہرے سے دونوں بھائی بہن کو دیکھتے کہا۔

"ہو تو جانا چاہیئے۔ امّی پلیز آپ دیر نہیں کریں نا۔ میں اگلے مہینے چلا جاؤنگا۔ ابھی بہت کام ہیں کرنے کو۔ اوپر سے زارون کی منگنی سر پر کھڑی ہے۔ آپ بس کل ہی دادا جان سے بات کریں۔"

روبی بیگم کے سپاٹ تاثرات دیکھتے اس نے پھر کہا۔ "امّی کیا ہادیہ آپ کو پسند نہیں؟" ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے اس نے کہا۔

روبی بیگم نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔اس کی آنکھوں میں اس لڑکی کی محبت دیکھی اور پھر کہا۔"ایسی بات نہیں ہے۔وہ بس ذرا لاابالی سی لڑکی ہے۔خیر تم فکر نہ کرو میں کرتی ہوں بات ابو جی سے۔پر پہلے زارون کی منگنی ہو لینے دو۔زیادہ جزباتی ہونا بھی اچھا نہیں۔"اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے انہوں نے گہری سانس لیتے کہا۔

دراصل ہادیہ انہیں کسی بھی طرح سے اپنی بہو کے روپ میں فٹ ہوتی نظر نہیں آ رہی تھی۔پر پھر بیٹے کی خواہش اور خوشی ہر چیز حاوی ہو گئی تھی۔

البتہ نور ایک طرف خاموشی سے بیٹھی تھی۔کیا وہ ہادی کو ہادیہ کی کہی باتیں بتا دے۔پر فلحال وہ رنگ میں بھنگ نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔اور ہادیہ نے یوں ہی کہہ دیا ہو گا۔ورنہ ان دونوں کی ایک دوسرے سے محبت کے بارے میں وہ جانتی ہی تھی۔

جبکہ زبیر صاحب پر سکون دکھائے دیتے تھے۔وہ بہت خوش تھے۔اور ہادیہ ان کی بہن کی بیٹی تھی۔انہیں بھلا کیا اعتراض ہونا تھا۔

آنگن میں بیٹھے اُس کے ذہن میں بس ایک ہی سوال گونج رہا تھا۔آخر یہ محبت تھی کیا؟کیسے وہ سب محبت میں اتنا بدل رہے تھے۔ہادی،ہادیہ،ضرار اور اب ماریہ۔

"یہاں بیٹھی کون سے تارے گن رہی ہو نور؟" اُس کے برابر میں پیڈل پوپ کھاتے ہوئے بیٹھا تھا۔ نور نے گردن گھما کر ایک نظر عدیم پر ڈالی جو ہاتھ میں موجود قلفی سے بھرپور انصاف کر رہا تھا، پھر رُخ موڑ کر سنجیدگی سے پوچھا۔

"ایک سوال پوچھوں؟" ناخنوں کو دیکھتے ہوئے اُس نے سنجیدگی سے کہا۔

"سو بسم اللہ تم ایک نہیں دس پوچھو۔" قلفی کا آخری حصّہ پوری دلجمعی سے کھاتے ہوئے اُس نے جواب دیا۔

"پیار کیا ہے؟" اُس کی آنکھوں میں دیکھتے قدرے دلچسپی سے پوچھا۔ اُس نے قلفی کا آخری حصّہ منہ میں ڈالتے جیب سے رومال نکالتے اپنے ہاتھ صاف کئے پھر اپنا منہ اور ناک پونچھی اور باقاعدہ اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جس رومال میں سے میں ناک صاف کروں، وہ بھی اُسی سے ناک صاف کرلے۔ دیٹس کالڈ ٹُرو لوّ۔" اُس کی طرف رومالا اپنا رومال بڑھاتے عاشقانہ انداز میں کہا۔

"چھی۔۔۔ یہ ٹُرو لوّ ہے یا گندگی نالائق۔۔!" ناک چڑھاتے ایک تھپڑ اُس کے کندھے پر رسید کرتے نور نے غصے میں کہا تھا۔

"اپنے اپنے نظریے کی بات ہے۔" کندھے اچکاتے عدیم نے آنکھ ماری اور اپنا رومال واپس جیب میں ڈالتے اتراتے ہوئے اندر کی طرف بڑھ گیا۔

"ہے ہی ایک نمبر کا کمینہ۔ میں بھی اس ہاگی مارو سے پوچھنے بیٹھ گئی۔ آہ نور کیا ضرورت تھی اس لومڑ پر اپنا وقت ضائع کرنے کی۔" تلملاتے ہوئے وہ بھی اندر کی طرف بڑھی تھی۔

****

زارون کی منگنی فارم ہاؤس میں منعقد تھی۔ جس وجہ سے صرف قریب کے لوگوں کو ہی بلایا گیا تھا۔

"صباح باجی آپ مہینہ بھر کے لیے نہیں جارہی وہاں۔ دو بیگ کس خوشی میں لیے ہیں؟" علی صباح کے بیگ کو دیکھتے جھنجھلا گیا تھا۔

"ایک بیگ میں تو صرف ڈریس ہے میرا۔ پھر میک اپ، جوتے، جوئیلری وغیرہ ہیں۔ تم زیادہ انویسٹیگیشن نہ کرو۔" وہ جھنجلائی ہوئی پنکھے کے آگے ہاتھ پھیلائے مہندی سکھانے بیٹھی تھی۔ جو پارلر والی ابھی ہی لگا کر گئی تھی۔

"علی یہ ماریہ کا بیگ ہے۔ یہ بھی نیچے لے جانا۔" حمیرہ بیگم نے جلدی جلدی کہا۔ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ اور سب ہی اُن کے سُسرال سے تھے۔ سب کی خاطر داری کرتے کرتے وہ خود بھی وقت سے پہلے تھک گئی تھی۔ دوسری طرف ماریہ کے بھی ویسے ہی حالات تھے۔ اگر کوئی سکون سے تھا، تو وہ صباح تھی۔ جو دلہن ہونے کی وجہ سے کاموں سے بچی ہوئی تھی۔

"سب علی کرلے۔ خضر بھائی کا اچھا ہے۔ کام وائنڈ اَپ کرنے کے بہانے بہن کی منگنی میں ہی نہیں آرہے۔ صرف کام نہ کرنے کے بہانے ہیں۔" منہ بناتا بیگ اُٹھائے وہ بڑبڑاتے ہوئے نیچے جانے لگا۔

دوسری طرف زیتون محل کے حالات بھی کچھ ایسے ہی تھے۔باہر بس آ کھڑی تھی اور کسی کی کوئی تیاری نہیں تھی۔

"زارون بھائی آپ نے تو گاڑی میں آنا ہے، فیروزہ تائی کہہ رہی ہیں، یہ والا بیگ یاد سے لے آیئے گا۔ورنہ قدم نہیں رکھنے دینگی وہ فارم ہاؤس میں۔" عبیر نے بیگ اُس کے بیڈ پر رکھتے جلدی جلدی کہا۔اور اُس کی بغیر سنے چلے گئی۔

زارون دانت بھینچتا اپنے کمرے میں آنے والے اس تیسرے بیگ کو بس دیکھتا ہی رہ گیا۔

"ایسا لگ رہا ہے دولہا نہیں سامان لوڈ کرنے والا ہوں میں۔ موبائل چارجنگ پر لگاتے عابس کو دیکھتے کہا۔

"شکر کر منگنی ہو رہی ہے تیری، ورنہ جتنی تو نے بدعائیں لی ہیں آثار نہیں تھے تیری منگنی کے۔" تیوری چڑھاتے عابس نے کہا۔

کچھ ہی دیر میں دونوں گھروں سے بس منزل کی طرف نکلی۔پورے راستے لڑکیوں نے شور شرابا اور ہلا گلا مچائے رکھا۔

البتہ ایک گاڑی میں اذبان اور صباح کے ساتھ ڈاکٹر شہروز کی دونوں بہنیں۔عنابیہ اور دعا تھی۔عنابیہ نرم گو سی خوش شکل اور خوش اخلاق لڑکی تھی۔اور کانفیڈنٹ تو بلا کی تھی۔پہلی بار ہی ملنے پر اذبان اور صباح سے اُس کی خوب بن رہی تھی۔عنابیہ کو پہلی ہی گفتگو میں اذبان موسٰی بھا گیا تھا۔جس کا اظہار کرنے میں بھی اُس نے کوئی شرم محسوس نہیں کی تھی۔اُس کا کہنا تھا وہ باقی لڑکوں سے بہت مختلف ہے۔اُس کی پرسنیلیٹی واقع میں تعریف کے قابل ہے۔جس پر اذبان نے مسکراتے ہوئے صرف شکریہ کہا۔البتہ دعا

کچھ نکچڑی تھی۔شاید چھوٹے ہونے کی وجہ سے جو پیار اور اٹریکشن اُسے اپنے گھر والوں سے ملتی تھی۔وہ باہر والوں سے بھی ویسا ہی چاہتی تھی۔باقی گھر کی لڑکیوں نے گاڑی میں جانے سے انکار کر دیا تھا۔وہ سب بس میں ایک ساتھ انجوائے کرنا چاہتی تھی۔اور صباح عنابیہ کا بے جا ذبان کو مخاطب کرنا اور دعا کی بیزاری بس دیکھتی ہی رہ گئی۔اور دل ہی دل میں بس ایک ہی بات کہی۔ڈاکٹر شہروز کی بہنیں بہت بولڈ ہیں۔

دوسری گاڑی میں عابص،زارون اور ڈاکٹر شہروز تھے۔گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے عابص برداشت کی آخری حدوں پر تھا۔اُس کی کاٹ دار نظریں اب شہروز کو بھی محسوس ہونے لگیں تھیں۔اُسے تو اندازہ ہی نہیں تھا۔زارون نے ڈاکٹر شہروز کو پوری فیملی کے ساتھ مدعو کیا ہے۔وہ سمجھا اُس دن کی بات کے بعد زارون ایسی کوئی حماقت نہیں کریگا۔دل ہی دل میں زارون کو ہزاروں گالیاں دیتے وہ بامشکل گاڑی چلا رہا تھا۔ ورنہ اُس کا بس چلتا تو گاڑی میں موجود دونوں نفوس کا گلا ہی دبا دیتا۔

منگنی کا تھیم فیروزی اور رویئل بلو کلر تھا۔دولہا دولہن نے سکائے کلر کے ڈریس پہنے تھے۔جبکہ سارے کزنز اور باقی آنے والے مہمانوں نے رویئل بلو کلر کے۔ڈیکوریشن بھی اسی تھیم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے رویئل بلو اور سکائے بلو کلر کے فلاورز سے کی گئی تھی۔

زارون شلوار قمیض پر پرنس کوٹ پہنے کسی ریاست کے شہزادے کی مانند لگ رہا تھا۔جبکہ صباح سکائے بلو کلر کی جدید ڈیزائن کی میکسی پہنے بالوں میں سکائے بلو کا کلر کے نگینوں کا جھومر لگائے پاکستانی سینڈریلا لگ رہی تھی۔دونوں ہی کی جوڑی کو سب نے خوب سراہا تھا۔

اس وقت تک وہ دونوں اندر کمروں میں ہی تھے۔فیروزہ تائی زارا کے سُسرال والوں کا انتظار کر رہیں تھیں ۔ان کے آنے کے بعد دلہا دلہن کی اینٹری ہونی تھی۔

٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭

"میں نے کہا بھی تھا آپ سے بتادیں سب کو۔ اب اتنی گرمی میں خواری ہو رہی ہے۔" روتے ہوئے صہیب کو چُپ کراتے سویرا نے خفگی سے اپنے برابر میں بیٹھے خضر کو گھورا تھا۔

"کیا آپ کچھ دیر صبر نہیں کر سکتی؟" ظاہر ہے وہاں سے بغیر بتائے نکلنا آسان تو نہیں ہو گا۔ اور علی کو تو خود راستے نہیں پتہ اذبان کے ساتھ آئیگا وہ۔" کھڑکی سے جھانکتے ایک بار پھر سڑک کی دونوں طرف دیکھا تھا ۔

وہ تینوں سرپرائز دینے کے چکر میں ایئرپورٹ سے ڈائیرکٹ فارم ہاؤس ہی جانا چاہتے تھے۔ پر بد قسمتی سے جس ایئرپورٹ ٹیکسی میں وہ بیٹھے تھے۔ وہ ڈرائیور فارم ہاؤس تو دور کی بات صحیح طرح کوئی راستہ جانتا ہی نہیں تھا۔ آخر کار تنگ آکر خضر نے علی کو فون کر کے اپنے آنے کی اطلاع دی، تا کہ وہ لوگ انہیں فارم ہاؤس تک لے جائیں۔ پچھلے آدھے گھنٹے سے سویرا غصّے میں تپ بیٹھی تھی۔ چونکہ علی آنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

"مجھے تو انتہائی غصّہ ہے خضر بھائی پر۔ جب کام کا وقت تھا۔ تو کہتے رہے مصروف ہوں۔ اب فنکشن انجوائے کرنی کی باری آئی تو ہمارا مزہ بھی خراب کر دیا۔"

"سرپرائز دینا چاہ رہا ہو گا وہ۔ ویسے بھی مجھے شک تھا کہ وہ ایسا ہی کچھ کرے گا۔ پرانی عادت ہے اُس کی بغیر بتائے آنے کی۔" اذبان نے سٹئیرنگ موڑتے کہا۔ اور آس پاس کوئی گاڑی تلاشنی چاہی۔ اور جلد ہی کھڑکی سے جھانکتا خضر انہیں نظر آ گیا۔

انہیں دیکھ سویرا نے سُکھ کا سانس لیا اور صہیب کی گاڑی میں پچھلی چیزیں جلدی جلدی بیگ میں رکھنی لگی۔

****

"ہیلو۔۔!" عنابیہ نے گروپ بنائے کھڑی ہادیہ علیشبہ نور اور عائشہ کو مُسکراتے ہوئے کہا۔

"اسلامُ علیکم!" علیشبہ نے سلام کرنا مناسب سمجھا۔باقی سب نے بھی سر ہلا کر اُس کی پیروی کی۔

"اوہ سوری وعلیکم اسلام! کیسی ہیں آپ سب؟" شائستگی ان سب کو دیکھتے پوچھا۔

"ہم سب ٹھیک بلکل فٹ ہیں۔ آپ بتائیں انجوائے کر رہی ہیں۔ کہی بور تو نہیں ہو رہیں۔" عائشہ نے فرینک ہوتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ماشاءاللہ آپ لوگوں کی فیملی بہت نائس ہے۔وہ ایکچوئیلی میں اذبان کا پوچھنا چاہ رہی تھی وہ دکھ نہیں رہے آپ کو پتہ ہے وہ کہاں ہے؟" چہرے پر مُسکان سجائے عنابیہ نے بے چینی سے پوچھا تھا۔ جیسے وہ صرف اُسے ہی ڈھونڈ رہی ہو۔

ناجانے کیوں نور کی مُسکراہٹ اپنے آپ ماند پڑ گئی تھی۔ اُسے عنابیہ کا اذبان کے بارے میں اتنا بے تکلفی سے پوچھنا بلکل پسند نہیں آیا تھا۔اور یہ اُس کے چہرے پر واضح تھا۔اور یوں اس ملاقات میں نور کو اپنے آپ ہی عنابیہ بُری لگنی لگی تھی۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے علیشبہ کو دعا لگتی تھی۔

"بھائی کسی کام سے گئے ہیں۔ اگر کوئی بات ہے تو ہمیں بتا دیں۔" ہادیہ نے نور کا چہرہ دیکھتے فوراً جواب دیا تھا

۔

"آہاں نہیں کوئی کام نہیں۔ بس ویسے ہی اُن کی کمپنی بہت انجوائے کی میں نے۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں۔ جن کی کمپنی میں انجوائے کرتی ہوں۔ بائے داوے یور برادر از ویری سوئیٹ اینڈ ہینڈ سم۔ آئی ایم رئیلی انسپائر بائے ہز چارمنگ پر سنیلیٹی۔" چہکتے ہوئے کہتی عنابیہ کو سب نے ہی حیرانی سے دیکھا تھا۔

عنابیہ کا بے باک انداز نور سمیت عائشہ، علیشبہ اور ہادیہ کو بھی چونکا گیا تھا۔ وہ سب ہی ایک دوسرے کو دیکھتی خجل سی ہونے لگی تھی۔

جبکہ دوسری طرف ڈاکٹر شہروز کی طواف کرتی نظریں علیشبہ سمیت کسی اور کو بھی جھنجھلاہٹ پر مجبور کر رہی تھی۔ آخرکار تنگ آکر علیشبہ نے نظریں اُٹھا کر ڈاکٹر شہروز کی سمت بیزاریت سے دیکھا پر اُس سے پہلے دونوں کی نظریں ٹکراتی عابص اچانک ہی اُس کے آگے آکھڑا ہوا۔

"مِس عنابیہ شہروز شاید آپ کو بلانا چاہ رہا ہے۔ آئی تھنک آپ پہلے اسے جواب دے دیں۔ اُس کے بار بار یہاں دیکھنے سے یہاں موجود لوگ غیر آرامدہ ہو رہے رہیں۔" علیشبہ کے دائیں طرف کھڑے ہوتے اُس کی آواز اتنی اُونچی ضرور تھی کہ شہروز تک پہنچ جاتی۔ اور ڈاکٹر شہروز سمیت عنابیہ بھی بُری طرح شرمندہ ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی اُس کا بھائی کسے اور کیوں دیکھ رہا ہے۔ پھر بھی بغیر کچھ کہے سر ہلاتی وہاں سے ہٹی تھی۔

عائشہ جو کچھ نہیں جانتی تھی عابص کے رویے سے اُسے کچھ کچھ شک ہونے لگا تھا۔ آخر وہ اُس کا بھائی تھا۔ اور ڈاکٹر شہروز کی علیشبہ کو لے کر پسندیدگی سب ہی نوٹ کرنے لگے تھے۔ بلکہ آپس میں خوب ریکارڈ بھی لگانے لگے تھے۔

"اگر دوبارہ وہ گھورے تو ایک بیزار نظر اُس پر ڈالنے کی بجائے ایک پُر امید نظر مجھ پر ضرور ڈالنا۔ میں تمہاری امید کبھی نہیں توڑونگا۔" سر گوشی نما آواز میں کہتے وہ آہستگی سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔

جبکہ علیشبہ حیران ہوتے۔ اُس کی آواز کے سحر میں کھوئی کھڑی تھی۔ کیا کوئی اتنا جلد بدل جاتا ہے۔ یا پھر یہ سب صرف اُس سے ہمدردی ہے۔ اپنی سوچوں کو جھٹکتی وہ سب کے ساتھ صباح کے پاس جانے کے لیے مڑی اور نظر ایک بار پھر اُسی دشمنِ جاں سے جا ٹکرائی جواب بھی اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ یکدم آس پاس موجود لوگوں کو دیکھا اور فوراً نور کے پیچھے بھاگی۔

اُسے دیکھتے ایک دھیمی سی مسکان ہونٹوں پر سجائے عابص کی نظروں نے جب تک اُس کا پیچھا کیا۔ جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔

صباح منہ پھُلائے بیٹھی تھی کے زارا کے سُسرال والوں کی وجہ سے اُس کی اینٹری رکی ہوئی تھی۔

"ایک بات تو بتاؤ زارا۔ یہ تمہارے سُسرال والے چاند پر سے آرہے ہیں کیا؟ جتنی دیر انھوں نے لگائی ہے نہ میرا میک اپ سڑ جانا ہے اتنی دیر میں۔" غصے میں ہاتھ ہلا ہلا کر کہتی وہ کہی سے بھی دلہن نہیں لگ رہی تھی۔

"تو تمہیں کس نے کہا تھا من بھر کا میک اپ لگانے کا۔ لگ پھر بھی ویسی کی ویسی ہی رہی ہو۔ اور زارا احمر کو فون کرو کہاں رہ گئے ہیں بھئی۔" زارون نے صباح کو چڑاتے ہوئے کہا اور پھر زارا سے مخاطب ہوا۔

"پرنس کورٹ پہن کر خود کو سچ کا ہی پرنس سمجھ لیا ہے۔ جل ککڑے کہیں کے۔" صباح اونچی آواز میں بڑبڑائی تھی۔

"میری ساس نے جان بوجھ کر دیر لگائی ہوئی ہے۔" زارا کی بھی برداشت اب ختم ہونے لگی تھی۔ آنسوؤں کو اندر دھکیلتی خفا سے لہجے میں کہتی وہ بھی صباح کے پاس جا بیٹھی۔ اور احمر کا نمبر ملایا۔

"ہیلو! بس بس ہم پہنچ گئے ہیں۔ پانچ منٹ میں آرہے ہیں۔" احمر نے کال اُٹھاتے ہی جواب دے دیا کیونکہ زارا کی لاتعداد کالز سے اُسے اندازہ ہو گیا تھا۔ کہ اُس کی بیگم تپی بیٹھی ہے۔

"جلدی پہنچے۔" خفا سے لہجے میں تڑک کر کہتے اُس نے فون کاٹ دیا تھا۔ اور اب صباح سمیت زارا بھی منہ پُھلائے بیٹھی تھی۔

جبکہ پلوشے دھیمی ہنسی ہنس رہی تھی۔ خوش قسمت تھی وہ دونوں جنہیں ناراض ہونے کا خفا ہونے کا حق تھا ۔ ورنہ پلوشے جانتی تھی۔ یہ حق بھی ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔

اذبان کی کال پر زارون نے نور کو پاس بُلائے اس کے کان میں کہا"۔ میری بات سُن کر بلکل بھی ری۔ ایکٹ نہ کرنا۔ باہر خضر آیا ہے۔ کسی لڑکے کو لے کر باہر جاؤ سامان وغیرہ اندر لانا ہے۔ ری۔ ایکٹ نہیں کرنا اور ہنسنا تو بلکل بھی نہیں دانت اندر کرواپنے۔" اُس کے خوش ہوتے چہرے کو دیکھ زارون نے ہنستے ہوئے کہا۔

"لو اب بندہ خوش بھی نہ ہو۔ چلیں میں جاتی ہوں۔" دل تو اُس کا چاہ رہا تھا سب کو بتا دے پر فلحال باہر وہ لوگ انتظار کر رہے تھے۔

****

ہادیہ کو بہت ڈھونڈنے کے بعد وہ اُسے پول کے پاس سیلفی لیتی دکھی۔ اچانک ہی اُس کے پیچھے آ کھڑے ہونے کی وجہ سے وہ بھی اس کے سیلفی میں آ گیا۔

"کیا ہے۔پوری پکچر خراب کر دی۔ "چڑ کر کہتے ہوئے اُسے گھورا۔

"تمہارے لیے دو گڈ نیوز لایا ہوں۔ سُن کر خوش ہو جاؤ گی۔"

"تمہاری گڈ نیوز بھی تمہاری جیسی تھکی ہوئی ہی ہونی ہے۔ پھر بھی سناؤ۔ "کلک ہونے والی سیلفی کو دیکھتے اُس نے لاپرواہ سے انداز میں کہا۔

"میں سکالرشپ پر جرمنی جا رہا ہوں ہادیہ۔ اور امّی ہمارے رشتے کے لیے مان گئی ہیں۔ میرے جانے سے پہلے کم سے کم بات تو پکّی کروا کر رہینگی۔ "خوشی سے دمکتے ہوئے چہرے سے کہتے۔ اُس نے ہادیہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"کیا کہا تم نے۔۔؟ "بے یقینی سے اُسے دیکھتے پوچھا۔

"امّی ہمارے رشتے کے لیے مان گئی ہیں ہادیہ۔ "اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہادی نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"تتت تم جرمنی جا رہے ہو ہادی۔ اور تم نے مجھے بتانا تک گوارہ نہیں کیا۔۔؟ "ایک قدم پیچھے کو ہو کر ہادیہ نے بے یقینی سے کہا۔ دل میں چھن کر کہ کچھ ٹوٹا تھا۔ اُس کا اعتماد اُس کی اُمید اور اُس کی محبت۔ گہری آنکھوں میں موتی جھٹ سے چمکے تھے۔

اور ہادی کا چہکتا لب ولہجا اب سناٹوں کی زد میں تھا۔ "ہادیہ۔۔! "اُس نے سرگوشی کی تھی۔ پر وہ نہیں رُکی تھی۔

ہادیہ موسیٰ ہادی زبیر سے بد ظن ہو رہی تھی۔ اور ہادی جانتا تھا کیوں۔ وہ ایک ایسا حادثہ تھا جس سے ہادیہ آج تک باہر نہیں آ سکی تھی۔

ہادیہ کے تایا کی بیٹی جو اُس سے عمر میں کافی بڑی تھی۔ شادی کے چند مہینوں بعد ہی اُن کے شوہر نے یو۔کے جا کر دوسری شادی کر لی تھی اور پھر کچھ عرصے بعد جب سامعہ اور اُس کے گھر والوں کو اپنی توسط یہ بات پتہ چلی تو اُس شخص نے اُلٹا سامعہ کو ہی طلاق دے دی تھی۔ ہادیہ شروع سے ہے سامعہ کے بہت قریب رہی تھی۔ جب سامعہ کے ساتھ یہ سب ہوا تو وہ اپنا ہوش و حواس کھونے لگی۔ اور ایک دن وہ اپنے بستر پر مردہ پائی گئی۔ سامعہ کی موت کے صدمے سے بہت مشکل سے وہ باہر نکلی تھی۔ اُس وقت وہ صرف پندرہ برس کی تھی۔ اور ہادیہ نے خود سے ایک وعدہ کیا تھا۔ وہ کبھی کسی ایسے شخص سے شادی نہیں کریگی جو باہر رہتا ہو۔

اپنے بے قابو ہوتے آنسوؤں کو چھپانے وہ بھاگتی ہوئی اندرونی حصّے کی طرف گئی تھی۔ ذہن میں صرف ایک ہی سوال تھا۔ ہادی نے جان بوجھ کر ایسا کیوں کیا۔

****

پہلے اُس نے ہادی کو ڈھونڈنا چاہا جو نا جانے کہاں تھا۔ پھر اُسے ایک ٹیبل پر عابس بیٹھا نظر آیا۔ اپنی گھیر دار فراک سنبھالتے وہ اُس کی طرف بڑھی۔

"عابس بھائی آپ کو پتہ ہے باہر خضر بھائی آئیں ہیں۔۔؟ چلیں انہیں لینے جانا ہے۔" چہکتے ہوئے ایک ہاتھ سے اپنے لمبے گھنے بال پیچھے کرتے اُس نے کہا۔

"دماغ تو نہیں خراب ہو گیا تمہارا۔ خضر بھائی کہاں سے آ گئے۔۔؟" سنجیدہ تعاثرات چہرے پر سجائے عابص نے کہا۔

"کیا ہے بھئی دبئی سے ہی آئیں ہیں اب چلیں بھی اس سے پہلے تنگ آ کر خود ہی اندر آ جائیں وہ لوگ۔" چڑتے ہوئے نور نے کہا۔ "چلیں نا اب۔۔" دمکتے چہرے کے ساتھ نور نے کہا۔

"اُڑ کر چلا جاؤ صبر کرو بھئی۔۔" اُس کی جلد بازی پر عابص ہنس دیا۔ خضر کے آنے کی خبر سُن وہ خود بھی خوش ہوا تھا۔

سنبل بیگم جو سر درد کی وجہ سے ایک طرف ہی بیٹھی تھیں۔ نظر نور اور ساتھ کھڑے عابص پر گئی۔ جو چہک چہک کر عابص کو کچھ بتا رہی تھی۔ اور عادت سے بر خلاف عابص مُسکراتے ہوئے اُس کے ساتھ باہر کی طرف جا رہا تھا۔

سنبل بیگم نے مسکراتے ہوئے ماشاءاللہ کہا تھا۔ ان کے دماغ میں جو سوچ کافی عرصے سے پل رہی تھی۔ اُسے عملی جامعہ پہنانے کا وقت آ چُکا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں ہی عابص نعمان اور نور زبیر کو ایک ساتھ دیکھنا چاہتی تھی۔ یہ جانے بغیر کے اُن دونوں کے دل میں کیا ہے۔ وہ کیا چاہتے ہیں۔

اپنی گھیر دار فراک سنبھالتے ہوئے وہ عین دروازے تک پہنچی تھی اور گیٹ پر ہی اذبان کے ساتھ عنابیہ کو دیکھتے نور کی چمکتی ہوئی آنکھیں مُرجھائی تھی۔ آج تک اذبان نے کسی لڑکی کو خود سے اتنا فری نہیں کروایا تھا۔ اور عنابیہ اور اُس کی قُربت دیکھ نا جانے کیوں اُسے بُرا لگا تھا۔ آہستہ آہستہ چلتی وہ اُن تک پہنچی تھی۔ اذبان اُسے دیکھتے مُسکرایا تھا۔ پر اُسے نا جانے کیوں اُس پر غصہ آیا تھا کہ وہ عنابیہ سے اتنا فری کیوں ہو رہا ہے۔ اُسے سرے سے نظر انداز کرتی وہ خضر اور سویرا کی طرف بڑھی تھی۔

٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭

صباح کے ساتھ بیٹھی ماریہ نے ضرار کو اندر آتے دیکھا تھا۔ دونوں کی نظریں ٹکرائی تھیں۔ اُمید محبت مل جانے کی دعائیں کیا نہیں تھا اُن آنکھوں میں۔ ایک نظر ایک دوسرے کو دیکھتے دونوں نے آنکھیں پھیر لی تھیں۔

"زارا کی سُسرال والے چاند پر سے آئے یا نہیں۔۔؟" عدیم کا مذاق میں کہا ہوا جملہ زارا کے دل کے ایک کونے میں زور سے جا چُبھا تھا۔ زارا کی احمر کو لے کر افسردگی بڑھنے لگی تھی۔ عابدہ بیگم نے اُسے تو دو دن پہلے بھیج دیا تھا۔ پر احمر کو نہیں آنے دیا تھا۔ اور اب عین رسم کا وقت تھا اور احمر یہاں موجود نہیں تھا۔ زارا کی شادی کے بعد یہ پہلا فیملی فنکشن تھا۔ جس لیے بڑوں نے زارا کے سُسرال والوں کا پہلے آ جانا بہتر سمجھا۔ ویسے بھی زارا زارون کی بہن تھی۔ اگر صرف صباح کی طرف کا رشتہ ہوتا تو کوئی شاید اتنا انتظار نہیں کرتا۔

"صباح باجی زارون بھائی سمیت سب باہر چلیں سب بلا رہے ہیں۔" عائشہ روم میں موجود سب لوگوں سے مخاطب ہوئی تھی۔

"کیوں ایسے ہی باہر چلے جائیں پہلے اچھا سا گانا تو بجواؤ۔" صباح نے جراح کرتے کہا۔ جس پر زارون نے ایک اچٹتی نظر اُس پر ڈالی۔ اس لڑکی کا کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ جانتا خضر کی وجہ سے بُلا رہے ہونگے پر باقی سب نہیں۔

"صباح تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے باہر۔" پلوشے نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ روشن چمکتی ہوئی آنکھیں مُسکراتے ہوئے کتنی پیاری لگتی تھی۔

"میرے لیے۔۔؟سچ بتائیں واقع میں سپرائز ہے۔۔؟" منہ کھولے حیرانی سے پوچھا۔

"منہ بند کرلو اپنا کہیں سے جو دلہن لگ رہی ہو۔امّی کو کہا بھی تھا میں نے آپ کی بہو کے منہ پر ٹیپ لگا دیجیے گا آج کے دن۔پر میری سنتا کون ہے۔" زارون نے جان بوجھ کر زور سے بڑبڑاتے کہا۔

"کیا کہا آپ نے؟ آپ کے منہ میں ایلفی نہ ڈال دوں میں۔ آئے بڑے مجھے ٹیپ لگانے والے۔" صباح اور اُس کی پٹرپٹر چلتی زبان۔پلوشے نے ایک نظر اپنے دولہے بھائی اور اُس کی دلہن بنی دوست پر ڈالتے سر پر ہاتھ مارا تھا۔

"باہر چلیں ورنہ سپرائز ہوا ہو جائیگا۔" عائشہ نے بے چینی سے کہا۔سب کو ہی باہر جانے کی جلدی تھی ماسوائے دلہا دلہن وہ دونوں تو جنگ کی تیاری کئے بیٹھے تھے۔

"چلو باہر سب۔" زارون نے سب کو کہا اور ایک نظر صباح پر ڈالی اور بے ساختہ اُسے عابس کا کہا جملہ یاد آیا۔" اللہ کرے وہ صباح تیرا جینا حرام کر دے۔" جھرجھری لیتے کانوں کو ہاتھ لگاتے وہ بھی باہر کو چل دیا۔

بغیر آواز پیدا کئے وہ چُھپکے سے حمیرا بیگم کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔اور دھیمی آواز میں کہا۔" امّی! مجھے مِس نہیں کررہیں آپ۔۔؟" آنکھوں میں ہلکی سی نمی کے لیے وہ ان کے پیچھے کھڑا تھا۔اور حمیرا بیگم جو کسی مہمان سے محوِ گفتگو تھیں، خضر کی آواز سُن ساکت ہو گئی تھیں۔دل یکدم بھر آیا تھا۔سالوں بعد بیٹے کی آواز روبرو سنی تھی۔یہ پردیسی جاتے بھی رُلا کر ہیں اور آتے ہوئے بھی رُلا دیتے ہیں۔مُڑ کر بیٹے کو دیکھتے ممتا روتے ہوئے مسکرائی تھی۔سالوں بعد ماں کے گلے لگے وہ خوبرو مرد بھی آنسوں روک نہ پایا تھا۔شاید محبت اسی کا نام ہے۔محبت کی داستانوں میں نا جانے کیوں لوگ ایسی محبتیں لکھنا چھوڑ دیتے ہیں۔

صباح اپنا کامدار سوٹ سنبھالتے خضر تک پہنچی تھی۔ اور اپنے میک اپ کی پرواہ کئے بغیر آنسو پلکو کی باڑ سے بہا دیئے تھے۔ جنہیں پھر احتیاط سے ٹشو کی مدد سے صاف کیا تھا۔ اس وقت جو واحد کمی اُسے محسوس ہو رہی تھی وہ پُر ہو گئی تھی۔ "یہ میری زندگی کا سب سے خوبصورت سرپرائز ہے۔"

"جانتا ہوں۔" اُس کے سر پر تھپکی دیتے وہ مُسکرایا تھا۔ "ماریہ کہاں ہے۔۔؟ اُسے نہیں بتایا کسی نے؟" خضر نے صباح کو دیکھتے پوچھا۔ ماریہ جسے عبیر لینے گئی ہوئی تھی سب کو ایک ساتھ دیکھتے کچھ کنفیوز ہوئی تھی ۔ اور پھر سویرا اور عائشہ کی گود میں صہیب کو دیکھ ٹھٹھکی تھی۔ خضر بھیڑ میں سے نکل کر سامنے آیا تھا۔ وہ اُس کی سب سے لاڈلی بہن تھی۔ اس دنیا میں اگر اُسے کوئی سمجھتا تھا تو وہ خضر تھا۔ اس دنیا میں سب سے زیادہ پیار وہ ماریہ سے کرتا تھا۔ جس پر اکثر اپنی ماں سے ڈانٹ بھی کھاتا تھا کہ وہ اُسے بگاڑ رہا ہے۔ ہونٹ بھینچتے آنسوں سے بھری آنکھیں سے اُسے دیکھا تھا اور آرام سے اُس کے گلے لگ کر پلکیں آہستہ سے جھپکائی تھی۔

"آئی رئیلی مسڈ یو۔ آئی رئیلی ڈو۔ آئی مس یو سو مچ۔" اُسے کے گلے لگتے ہی کہا تھا۔

"آئی مس یو ٹو میرے بچے۔" اُس کے کندھے پر ہلکی سی تھپکی دی تھی۔ اُس ایک تھپکی سے ماریہ کو جیسے دنیا جہاں کا سہارہ مل گیا تھا۔ اگر خضر آ گیا تھا۔ تو مطلب سب ٹھیک ہونے لگا تھا۔ اُس کا بھائی صرف اُس کی خوشی دیکھتا تھا۔ اب بھی وہ صرف اُس کی خوشی ہی دیکھے گا وہ جانتی تھی۔

سویرا ابھی محفل میں موجود اپنے ماں باپ اور بہن سے مل کر بہت خوش تھی۔ جبکہ صہیب کو گود میں اُٹھانے کے لیے باقاعدہ جنگ شروع ہو چکی تھی۔

****

خضر اور سویرا کپڑے بدلنے اندر روم میں گئے تھے۔ باقی سب پکچرز وغیرہ میں لگے ہوئے تھے کہ اچانک ہی نجمہ بیگم جو کہ شیر بانو پھپھی کی بیٹی تھی۔ اور ایک وقت میں زبیر صاحب کو پسند کیا کرتی تھی۔ روبی بیگم اور نور کو ساتھ دیکھ طنزیہ لہجہ لیے بولیں۔

"ارے بھئی روبی بیٹا تو پردیس جا رہا ہے۔ بیٹی کو ہی بیاہ دو۔ کہیں ماں باپ کی طرح پسند کی شادی کرنے کا ارادہ تو نہیں نور۔۔؟" نجمہ بیگم نے نور پر بھری محفل میں طنز کرتی بولیں۔ واقع میں کچھ لوگ ہوتے ہیں ایسے بھی جو آپ کو کبھی بھی خوش نہیں دیکھ سکتے۔ روبی بیگم اور زبیر صاحب کا ہنستا بستا گھر بھی کچھ لوگوں سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔ زبیر صاحب کا پھیلتا ہوا بزنس اُن کے بیوی بچوں کی آپس میں محبت کچھ لوگ رشک سے دیکھتے تو کچھ جل کے۔

بھری محفل اس طرح کا انداز لیے نجمہ بیگم کی بات پر سب ہی کو غصّہ آیا تھا۔ پر سنبل بیگم جو بات عرصے سے دل میں دبائی بیٹھی تھیں۔ وہ بولنے کا اس سے بہتر موقع انہیں کوئی نہ ملا۔ "لو بھئی۔۔! روبی کو کیا ضرورت پڑی ہے نور کی فکر کرنے کی، میرا عابص ہے نا۔۔۔ میری تو ہمیشہ سے خواہش ہے نور میری بہو بنے۔ گھر کی بچی کو باہر کیوں بھیجے گیں بھلا ہم۔" سنبل چاچی کے کہے جملے نے سب کو ساکت کر دیا تھا۔

ایک پل کو تو نجمہ بیگم بھی صدمے سے دوچار ہو گئی تھیں۔ پھر کر ختگی سے بولی۔ "مطلب اندر ہی اندر سب طے ہے تم لوگوں میں۔۔"

جبکہ سنبل بیگم کی بات پر سب کو ہی اچھو لگ گیا تھا۔ عدیم کا تو نقلی کھانس کھانس کر بُرا حال تھا۔ البتہ نور، عابص، علیشبہ سمیت اذبان کا دل بھی زور سے دھڑکا تھا۔ چاروں کے ہی حواس جیسے صلب کر لیے گئے تھے۔ ایک پل کو تو انہیں لگا سنبل چاچی نے مزاق کیا ہے۔ پر ان کے چہرے پر مذاق کی دور دور تک کوئی رمق

نہیں تھی۔ چہرہ گھماتے نور نے علیشبہ کو دیکھا۔ جو خالی خالی نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہاں موجود سبھی لوگوں کو دھچکا لگا تھا۔ پر دادی جان کی اگلی بات نے جیسے ماحول کو کچھ ہلکا کیا تھا۔

"ارے نہیں نجمہ۔ یہ تو ایسے ہی مزاق کر رہی ہے۔ ابھی تو نور پڑھ رہی ہے۔ پھر اُس کے بڑے بیٹھے ہیں فیصلہ لینے کو۔ جاؤ بچوں صباح اور زارون کے پاس بیٹھو ابھی زارا کے سُسرال والے آجائیں پھر انہیں بھی لے آنا۔" دادی جان اب سب بچوں سے مخاطب ہوئی جو منہ کھولے نور عابص اور سنبل بیگم کو گھور رہے تھے۔

"جی دادو۔۔" سب نے ایک لفظی جواب دیا اور فوراً منظر سے غائب ہوئے۔

ٹولی کی صورت میں وہ سب اندر بڑھ رہے تھے کے عابص عادت کے بر خلاف بڑبڑاتا ہوا نور کے پاس آیا۔ "تمہاری چچی کا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا۔۔؟" عابص نے اُسے گھورتے کہا۔ خیر علیشبہ کے تاثرات نے عابص کو ایک انجانی خوشی ضرور دی تھی جو اُس کے چہرے سے اس وقت باقاعدہ طور پر جھلک رہی تھی۔

نور نے ایک اچٹتی نظر اُس پر ڈالی۔ "آپ تو اپنا منہ بند ہی رکھیں۔ اگر ابھی علیشبہ کے بارے میں سب بتا دیا ہوتا نہ تو ہم دونوں اس ایمبیریسمنٹ سے بچ چکے ہوتے"۔ اُس نے دانت بھینچے تھے، جس سے اُس کے ماتھے کی نسیں کچھ ابھر گئی تھی۔ پاس کھڑے اذبان نے اُس کے پھولے ہوئے چہرے اور ماتھے پر ابھرنی والی نسوں کو دیکھا تھا۔ اور پھر عابص کے ہنسنے کو۔ وہ ہنستے ہوئے اسے کچھ کہہ رہا تھا۔

"فکر نہ کرو پھر میری ماں نے عدیم شیطان کا نام لے لینا تھا۔ پھر پناہ مانگتی تم ان سے ساری زندگی۔" عابص نے ہنستے ہوئے عدیم کا کہا۔ جس سے نور کی بھی ہنسی چھوٹ گئی۔ یہ جانے بغیر کے وہاں موجود کچھ لوگ ان

دونوں کو بڑی غور سے دیکھ رہے ہیں۔ اور یہی تو بات تھی وہ صرف دیکھ رہے تھے۔ اگر سُن لیتے تو اُن کے بیچ ہونے والی باتیں انہیں پریشانی سے بچا لیتی۔

"عابص بھائی رحم کریں مجھ معصوم پر۔ اور بجائے دانت نکلانے کے علیشبہ کی فکر کریں سخت بد ظن ہے آپ سے۔"

"تم ہو نہ اُس کے لیے۔" آئیبرو اچکاتے عابص نے کہا۔

"جبھی کہوں آج بن مطلب مجھ سے بات کیوں کر رہے ہیں آپ۔ اور میں ایسے معاملات میں بلکل نہیں پڑتی کوئی اور بکرا ڈھونڈیں آپ۔" نخرے سے کہتی وہ آگے بڑھنے ہی لگی تھی کہ عابص کی بات پر رُک گئی ۔

ہاں ہادی اور اپنے اُس انجینئیر کزن کے لیے تو تم صدقہ جاریہ سمجھ کر یہ سب کرتی ہو نا۔" طنزیہ مُسکراہٹ چہرے پر لاتے عابص نے کہا تھا۔ جیسے اُسے بتایا ہو کہ وہ سب جانتا ہے۔ نور نے گھبراہٹ کو دفعہ کرتے ترچھی نظروں سے اُسے دیکھا تھا۔ اب اُس کے علاوہ کون کون کیا کیا جانتا تھا وہ نہیں جانتی تھی۔ نہ ہی اُسے جاننے کا شوق تھا۔ پر اب وہ خالصتاً چڑ گئی تھی۔

"حد ہے بھئی نور نا ہو گئی انیس سو سنتالیس کا پریم پتر لے جانے والا کبوتر ہو گئی۔ کرتی ہوں کچھ دیکھتی ہوں۔ کنفرم کچھ نہیں بتا رہی۔ اور نور اپنے کام کی اپنی مرضی کی فیس لیتی ہے۔ انڈرسٹینڈ۔۔!" اُس پر احسانِ عظیم کرتے ہوئے ناک چڑھاتے کہا۔

"جتنی چاہو فیس لے لو۔" سر خم کرتے عابص نے عادت کے بر خلاف کہا۔

اُس کے اس انداز پر نور مُسکرا گئی۔ "اب آپ دیکھیں کرتی کیا ہوں میں۔" کالر اچکاتی وہ سویرا کے کمرے کی طرف اسے بلانے گئی تھی۔

"پاگل لڑکی اتنی جلدی مان گئی۔" عابص ہنستے ہوئے بڑبڑایا تھا۔

وہ واقع سب کی مان لیتی تھی۔ پلوشے کی بنائی گئی ساری حدیں نور فاطمہ توڑنے لگی تھی۔ اُسے لوگوں کے دل میں اپنی جگہ بنانا آتا تھا۔ جانے انجانے میں وہ زیتون محل کے لوگوں کی ضرورت بنتی جا رہی تھی۔ ہنستی مُسکراتی زندہ دل لڑکی۔ جو سب کے کام آجایا کرتی تھی۔

****

صباح کو وہاں اکیلا دیکھ وہ اُس کے پیچھے آیا تھا، آخر جو بات کب سے اُسے چُبھ رہی تھی وہ اُسے کلئیر کرنی تھی۔

"تم خفا ہو مجھ سے۔۔؟" آج وہ اُسے عجیب لگی پہلے تو وہ سمجھا شاید فنکشن کی وجہ سے گھبرائی ہوئی ہے پر ناچاہتے ہوئے بھی پوچھ بیٹھا۔

"نہیں تو کیوں پوچھ رہے ہیں؟" اُس کی اچانک آمد اور پھر اس سوال پر وہ چونک کر سنبھلی تھی۔ سب اُسے اکیلا کمرے میں چھوڑ باہر مہمانوں کو ریسیو کرنے گئے تھے۔ خضر اور سویرا کپڑے بدل کر ابھی تک نہیں آئے تھے تو وہ تنہا بیٹھی اب تک زارا کے سُسرالیوں کی آمد کا انتظار کر رہی تھی۔

"عجیب برتاؤ لگا مجھے تمہارا۔" سر کھجاتے وہ اُسے بے چین سا لگا۔

"پہلے کون سا آپ سے میرے خوشگوار تعلقات رہے ہیں جو آپ کو اب عجیب لگا۔" اپنی ازلی انداز میں واپس لوٹتے ناچاہتے ہوئے بھی اُس کی بے چینی مٹانے کی کوشش کی تھی۔

"مجھے لگا شاید تمہارے دل میں میرے لیے بدگمانی جنم لینے لگی ہے۔ نئے رشتے نئے احساس لے کر آتے ہیں شاید یہی وجہ ہو تمہاری خاموشی کی۔" اب کی بار سنجیدگی سے اُسے دیکھتے کہا۔

"نہیں تو میں کیوں بدگمان ہوں گی۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" چہرے پر ہاتھ پھیرتے اُس نے خود کو نارمل کرنا چاہا۔

"چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل میں رکھنے سے محبت کرنے والے رشتوں کی مٹھاس ختم ہو جاتی ہے۔ مجھ سے تمہیں جو بھی مسئلہ ہو مجھ سے کہہ دیا کرو صباح۔" اُس کے آنکھوں میں جھانکتے پُرسکون لہجے میں کہا تھا۔ صباح نے نظریں اُٹھا کر اسے دیکھا پھر ہمت جمع کرتے کہا۔

"اگر آپ سے کہہ دو سچ سچ بتائیں گے؟" دلہن بنی وہ زارون کے دل میں اتر رہی تھی۔

"اللہ جانے کون سا خوفناک سوال کرنے لگی ہے یہ چلبلی چڑیل۔" دل ہی دل میں وہ بڑبڑایا۔

"ہاں بلکل تم پوچھ سکتی ہو جو تم چاہو۔" دل پر پتھر رکھتے زارون نے تھوک نگلتے کہا۔ نور ٹھیک ہی کہتی تھی وہ دراصل صباح سے ڈرتا تھا۔

"کیا آپ واقع نور سے بہت پیار کرتے ہیں؟ میں نے اکثر دیکھا ہے آپ کا اس کے لیے فکر مند ہونا۔ اس کی شرارتیں اس کا بولنا آپ کو کچھ برا نہیں لگتا۔ میرا مطلب ہے کہ۔۔۔" انگلیاں چٹخاتے اس نے بات جاری رکھی۔" آپ کا انداز اس کے ساتھ سب سے الگ ہوتا ہے عموماً آپ اتنے نرم مزاج ہوتے نہیں

ہیں جتنا آپ اس کے سامنے بنتے ہیں۔" آخر کار دل میں چھپتا کانٹا صباح نے نکال پھینکا تھا اگر اس نے اپنی زندگی زارون کے ساتھ ہی گزارنی ہے تو اسے زارون کے مطلق سب پتہ ہونا چاہیئے۔ زارون نے ٹھنڈی سانس فضا میں خارج کی، اور پھر اس کے سامنے آتے کہا۔

"کچھ لوگ ہمارے لیے بہت خاص ہوتے ہیں صباح اور نور میرے لیے انہیں خاص لوگوں میں سے ایک ہے۔ یہ بات بھی درست ہے کہ میں اس سے پیار کرتا ہوں۔" صباح کا سانس بے اختیار اٹکا تھا۔

"لیکن۔۔۔ لازمی نہیں ہر محبت کو رومینٹیسائز کیا جائے۔ میں بے وقوف نہیں ہوں صباح تمہارا مطلب سمجھتا ہوں۔ تمہاری آنکھوں کی سرد مہری بھی مجھ سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ چونکہ اب میرا اور تمہارا زندگی بھر کا ساتھ رہنے والا ہے تو میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں نور میری چھوٹی بہن ہے اور بس۔" صباح کا اٹکا ہوا سانس بحال ہوا۔

"اب تم سوچو گی کہ پھر اس سے باقیوں کی نسبت میں زیادہ محبت کیوں کرتا ہوں۔ پر سچ بتاؤ تو اس کا واضح جواب میرے پاس بھی نہیں ہے۔ کچھ بچے ہوتے ہیں ایسے جن سے باقیوں کی بانسبت آپ زیادہ پیار کرتے ہیں وہ آپ کو اپنے دل کے زیادہ قریب محسوس ہوتے ہیں۔ نور بھی میرے لیے ویسا ہی ایک بچہ ہے۔ میں گھر میں سب سے بڑا تھا سب کا خیال رکھنا بچپن سے ہی میری ذمہ داری تھی۔ اگر کسی کو کھیلتے چوٹ بھی لگتی تو مجھے جوابدہ ہونا پڑتا تھا۔ مجھ سے پوچھا جاتا تھا کہ میں اس وقت کہاں تھا میں نے ان کا خیال کیوں نہیں کیا حالانکہ میں بھی ہوتا تو بچہ ہی تھا۔ بس میں گھر کا سب سے بڑا بچہ تھا۔ پورے گھر میں صرف ایک پلوشے تھی جو میرا خیال کرتی تھی میں جو سب کا خیال رکھا کرتا تھا میرا خیال رکھنے والی بس ایک ہی

تھی۔ پھر وہ بھی چلی گئی پلوشے کی شادی کے بعد میں درحقیقت تنہا ہو گیا تھا۔ اس وقت میں سینٹر سے دس بجے گھر آیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے لاؤنج میں نور کو بیٹھے پایا اس نے مجھ سے پوچھا۔

"آپ کھانا کھالیں زارون بھائی میں گرم کر دیتی ہوں۔"

"تم کمرے میں نہیں گئی آج خیریت؟"

"میں تو ویسے ہی لیٹ سوتی ہوں اس لیے باہر ٹی۔ وی دیکھ رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے تم کھانا گرم کر دو میں آتا ہوں۔"

"درحقیقت باقیوں کی طرح وہ بھی مجھ سے اور عابص سے ہماری سنجیدگی کی وجہ سے کھنچی کھنچی ہی رہتی تھی۔ پر اس وقت نور میں چند سیکنڈ کے لیے مجھے پلوشے نظر آئی۔ اس کے بعد روز وہ مجھے کھانا گرم کر کے دیتی تھی۔ کھانے کے دوران مجھ سے پوچھتی تھی کہ میری پڑھائی کیسی جا رہی ہے۔ میں گھر میں اتنا کم کیوں ہوتا ہوں۔ وہ سرد دیوار جو بچپن سے میرے اور باقی کزنز کے درمیان حائل تھی جسے چاہ کر بھی میں کبھی توڑ نہیں پاتا تھا وہ نور نے توڑ دی تھی۔ بہت عرصے بعد میں سمجھ گیا کہ وہ جان بوجھ کر میرے لیے جاگا کرتی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ پلوشے کے بعد میں تنہا ہو گیا ہوں۔" گہری سانس لیتے نظریں صباح کے چہرے کی طرف کیں۔

"خیر اب تمہیں معلوم ہو جانا چاہیئے نور میرے لیے کیا ہے۔ پلوشے سے شاید اب میں ویسے اپنی دل کی بات نہیں کہہ پاتا جیسے نور سے کر لیتا ہوں۔ بزنس سے ریلیٹڈ بات ہو یا کوئی اور وہ اپنی عقل کے مطابق

مجھے مشورے دیتی ہے۔اور ساتھ ہی میری ماں بننے کی بھی بھرپور کوشش کرتی رہتی ہے۔آئی ہوپ اب تمہاری غلط فہمی دور ہو گئی ہو گی۔"

"پلوشے کہتی ہے نور اس سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔آج آپ کی باتیں سن کر مجھے یقین ہو گیا۔حیرت بس یہ ہے کہ جب سب کو نور میں پلوشے نظر آتی تھی تو مجھے کیوں نہیں۔۔؟میں کیوں کبھی اس کے ویسے قریب نہیں ہوئی جیسے باقی سب ہیں۔۔؟"

"کیوں کے آپ اپنے آپ کو بہت ہی کوئی توپ چیز سمجھتی ہیں محترمہ۔"آخر کار زارون کی زبان میں کھجلی ہوئی تھی اور زبان پھسل گئی تھی۔زبان دانتوں تلے دباتے وہ فوراً وہاں سے کھسکنے لگا تھا۔

"ایک منٹ رکیں ذرہ کیا مطلب تھا آپ کی اس بات کا؟"بھنویں اچکاتے تیکھے لہجے میں پوچھا تھا۔

"کک کچھ نہیں۔"زبان دانتوں تلے دبائی تھی۔"بے شک میں دلہا ہوں پر مجھے یہاں بہت کام ہیں لڑکی باتوں میں لگا دیا تم نے مجھے۔۔"زارون فوراوہاں سے کھسکا تھا۔

"میں نے باتوں میں لگایا جھوٹے ناہوں تو۔۔"ناچاہتے ہوئے بھی مسکراہٹ اُس کے چہرے پر آگئی تھی۔زارون کی حسین دلہن۔

اذبان اپنے دھڑکتے دل کو سنبھالتا پول ائیریا کی طرف گیا تھا۔بینچ پر بیٹھ کر آنکھیں میچیں تھی۔سینے میں عجیب جلن ہو رہی تھی۔وہ ہمیشہ زارون اور نور کی دوستی پریشان ہو جایا کرتا تھا۔پھر ضرار آیا پر وہ نور کا دودھ شریک بھائی تھا۔وہ ہمیشہ اللہ کا شکر کرتا تھا کہ اللہ اس معاملے میں ہمیشہ اُسے بچالیتا ہے۔اُس کا دل

زخمی ہونے سے بچالیتا ہے۔ پر عابص اُس کا تو اُس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ اُس گھر میں عابص بھی تو تھا۔ آنکھیں پل بھر میں ہی ویران ہو گئی تھی۔ وہ کتنا خوش ہوا تھا نور کو عنابیہ سے جیلس ہوتا دیکھ کر۔ جس محبت کو پانے کی خواہش اُس نے کبھی نہیں کری تھی۔ اُس محبت کے بچھڑ جانے کا خوف اُسے کھایا جا رہا تھا ۔ یا اللہ تو جانتا ہے سب۔ تو میرے دل کی حالت سے باخبر ہے۔ اس دل کی سُن لے۔ اس پر رحم کر اللہ۔ اس تکلیف کو گھاؤ بننے سے بچالے۔ آج پہلی بار ٹوٹے دل سے اُس نے اپنے رب کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے تھے۔ اور پھر اللہ کو تو ٹوٹے دل جوڑنا آتا ہے نہ۔

مجھے لگتا ہے اگر اب کی بار وہ خود بھی چاہے تو مجھے وہ نہیں مل سکتا۔ میں نے پہلے اپنے دل کو سمجھا لیا تھا اللہ پر یہ شخص پھر کیوں میرے قریب آیا مجھے جتلایا کہ یہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور اب۔ بس چند پل لگے اُسے بدلنے میں بس چند پل۔ عابص کو نور کے ساتھ اندر جاتے دیکھ علیشبہ نے سوچا۔

زیتون محل کی کہانیوں کے دھاگے ایک دوسرے میں جا اُلجھے تھے۔ اور دھاگے جہاں سے الجھتے ہیں اگر وہاں سے نہ سُلجھاؤ تو اور الجھنے لگتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کہانیاں آپس میں سلجھتی ہیں یا اور اُلجھ پڑتی ہیں

۔

آخری حصّہ

جشنِ بہاراں

زندگی اگر گاڑی ہے

توپہیے مرد اور عورت ہیں

دونوں کو سنگ چلنا ہے

مل کر اس کو چلانا ہے

نہ گراں نہ کوئی برتر

ہوتے ہیں دونوں ساتھ مگر

ہاں کام ہیں اُن کے الگ الگ

ہر ایک سفر میں دونوں ہی

ایک دوجے کا سہارا ہیں

منزل کو کبھی نا پائیگا

ساتھی کو جو چھوڑے الگ تھلگ

ڈیڑھ گھنٹے کی لمبی مسافت کے بعد آخر کار وہ اپنی منزل پر پہنچا تھا۔ گاڑی فارم ہاؤس میں پارک کرتے احمر اپنی والدہ اور بہنوں سمیت گاڑی سے باہر آیا تھا۔ جانتا تھا وہ ضرورت سے زیادہ لیٹ ہیں۔ اور زارون صرف اُس کی بیوی کا بھائی ہی نہیں اُس کی اپنی سگی خالہ کا بیٹا ہے۔ پر اُس کی شادی شدہ بہنوں کے شوہر اتنی دور آنے پر راضی نہ تھے۔ جس وجہ سے انہیں پِک کرتے اور ان کا انتظار کرتے اُسے کافی دیر ہو گئی تھی۔ عابدہ بیگم البتہ اپنے نواسے نواسیوں کو سنبھال رہیں تھیں۔ جبکہ اُس کی بہنیں اندر جانے سے پہلے اپنا حلیہ آخری بار شیشے میں دیکھ رہی تھیں۔

"اب بس بھی کریں آپ لوگ۔ ویسے ہی ہم لیٹ ہیں، اب آدھا ٹائم یہاں ضائع کر دینگے۔" احمر نے خفا ہوتے ہوئے کہا۔

"تو اب کیا کیسے بھی اُٹھ کر چلے جائیں؟ تمہاری بیوی کے خاندان کا پتہ ہے نا تمہیں؟ سب نے ایک سے بڑھ کر ایک ڈیزائنر جوڑا پہنا ہو گا۔ اب ہمارے میاں تو دلانے سے رہے ہمیں اتنے مہنگے جوڑے۔ اب حُلیہ ہی ٹھیک کر لینے دو۔" اُس کی سب سے بڑی بہن زرنش نے چڑتے ہوئے کہا۔ جس پر احمر خاموشی سے سر جھکا گیا۔ جانتا تھا شادی سے پہلے اُس کی بہنیں ہمیشہ زارا اور اُس کی چیزوں سے ہمیشہ اوبسیس رہتیں تھیں۔ اور اب زارا کی شادی کے بعد وہ اوبسیشن احساس کمتری میں بدل گئی تھی۔

"باجی ڈیکوریشن تو دیکھیں کتنی پیاری ہے۔ لگتا ہے بہت خرچہ کیا ہے فیروزہ خالہ نے۔" ستائشی انداز میں یہ جملہ کہنے والی اُس کی دوسری نمبر والی بہن ماہم تھی۔

"صباح والے بھی کم نہیں ہیں۔ اچھا خاصہ پیسہ ہے اُن کے پاس۔ جبھی تو خالہ نے زارون کی شادی کے لیے فٹ سے ہاں کر دی۔ ورنہ انہیں اپنی بہن کی بیٹی نہیں دکھی۔" یہ کہنے والی اُس کی سب سے چھوٹی بہن مریم تھی۔ جسے اسی بات کا غم تھا کہ خالہ کو وہ کیوں نہیں دکھی۔ جبکہ وہ تو زارا کی نند بھی تھی۔

"بس کرو اب بھائی کے سامنے نہ کروایسی باتیں۔" عابدہ بیگم نے تینوں کو خاموش کرواتے آہستہ آواز میں کہا تھا۔ مریم نے منہ بناتے بال ہاتھوں کی مدد سے جھٹکتے کچھ پیچھے کئے تھے۔

فنکشن کی جگہ پر پہنچ کر احمر نے اپنی متاع جان کو ڈھونڈنا چاہا تھا۔ جانتا تھا وہ سخت خفا ہے۔ اتنے میں فیروزہ بیگم کی نظر اُن پر پڑی اور وہ فوراً وہاں پہنچی۔

"اتنی دیر بھی کوئی کرتا ہے آپا۔۔؟ آپ کا سگا بھانجا ہے زارون۔" مصنوعی خفگی سے کہتے فیروزہ بیگم نے اُنہیں گلے لگایا تھا۔

"ارے ہم تو کب سے تیار تھے بس عین وقت پر ان دونوں نے کہا ہم بھی آپ کے ساتھ ہی جائینگے۔ ان دونوں نے بڑی دیر کر دی۔" عابدہ بیگم نے اصل مدعا اپنی بہن کے سامنے رکھا۔

"ارے اکیلی کیوں آئی ہیں یہ دونوں بیٹا اپنی ساس سُسر میاں سب کو لانا تھا نا۔" فیروزہ بیگم نے اب کی بار واقعتاً خفگی سے کہا۔

"آپ کو اپنی بھانجیوں کا خیال ہی کہاں خالہ۔ اب ہماری اپنی گاڑی تو ہے نہیں جو اتنا دور کا سفر کر لیتے۔ اور آپ کی طرف سے تو بس بھی جلدی نکلی تھی۔ پھر آخر احمر کے ساتھ ہی آنا پڑا۔ اگر یہ بھی صبح سویرے ہی

آجاتاتو آپ نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، جس سے ہم فنکشن میں نہیں آپاتے۔" زرنش نے ناراضگی جتلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں خالہ ویسے آپ کو آخر سوجھی کیا فارم ہاؤس میں منگنی کرنے کی۔" اب کی بار کہنے والی ماہم تھی۔

"بس بیٹا بچوں کی خواہش تھی۔ چلو تم لوگ آؤ بیٹھو۔ میں زارا کو بھیجتی ہوں۔ کب سے تم لوگوں کے انتظار میں زارون صباح کی اینٹری رُکی ہوئی ہے۔"

"خالہ زارا ہے کہاں ویسے۔۔؟" احمر نے بے چینی سے اُن سے پوچھا۔

"ارے وہ خضر نے آج آکر سب کو سرپرائز دیا ہے، توسب اندر کمرے میں ڈیرہ جمائے بیٹھے ہیں۔ صباح اور زارون بھی وہی ہیں۔ تم لوگ بھی جاؤ اندر سب سے مل آؤ۔"

فیروزہ بھابھی ذرا ادھر آئیگا۔" روبی بیگم کی آواز پر وہ فوراً اُن کی طرف دوڑی تھی۔ دلہے کی ماں ہونا بھی آسان کام نہیں تھا۔

"امّی میں اندر سے آتی ہوں۔" احمر کے پیچھے مریم بھی جانے لگی تھی، جس پر زرنش نے اُسے ٹوک دیا۔

"چُپ کر کے بیٹھی رہو یہاں۔ دیکھا نہیں ابھی کیسا شو آف کر کے گئی ہیں خالہ۔ کزن باہر سے آیا ہنہہ۔ ایک تو مجھے سمجھ نہیں آتی آخر ان کزنز میں ایسا ہے کیا جو ایک دوسرے سے چپکے رہتے ہیں۔ یہی بیٹھو تم۔ دیکھیں تو صحیح زارا میڈم کو ہماری یاد آتی ہے یا نہیں۔"

"لگتا ہے سب ایک ساتھ اندر ہی ہیں۔ مجھے تو کپڑے دیکھنے ہیں کیسے پہنے ہیں سب نے۔" ماہم نے ہر جگہ نظر دوڑاتے کہا۔ وہ سب کزنز اپنی ڈریس ڈیزائننگ اور تھیم کی وجہ سے کافی مشہور تھے۔ اور زارا کی شادی کے دوران تو جیسے یہ سب اور بھی بڑھ گیا تھا۔ اُن کی ایک دوسرے سے دوستی اٹیچمنٹ محبت ہر دیکھنے والی آنکھ کو کھٹکتی تھی۔ کچھ دیکھ کر خوش ہوتے اور کچھ جل جاتے۔

ابھی وہ اندر کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اُسے نور کے ساتھ گجروں کی ٹرے تھامے زارا باہر آتی دکھائی دی۔ روئیل بلو کلر کی لانگ گھیر دار فراک پر میسی جوڑا بنائے بلو سموکی میک اپ کئے وہ ایک حد تک حسین لگ رہی تھی۔ احمر کی نظریں اُس پر گئی تو پلٹنا بھول ہی گئی۔ زارا احمر کو دیکھتے اُس کے پاس آئی پر خفگی ہنوز برقرار تھی۔

"زارا باجی یہ مجھے دے دیں میں سب کو دے دیتی ہوں۔" نور ٹرے اُس سے لیتے احمر کو سلام کرتے باہر کی طرف چلی گئی۔

نور کے جاتے ہی ایک گہری سانس خارج کرتے اُس نے زارا کا نرمی سے ہاتھ تھاما۔ "آئی ایم سوری زارا۔ آئی نو میری یہاں غیر موجودگی سے تم بہت ہرٹ ہوئی ہو۔ پر میں امّی اور آپا کے بغیر بھی تو نہیں آ سکتا تھا۔ تم میری زندگی کی ساتھی ہو زارا میں تمہیں خفا نہیں دیکھ سکتا اور میں یہ بھی جانتا ہوں۔ تم سب سے زیادہ مجھے سمجھتی ہو۔ تم مجھے سمجھتی ہو نا؟" آخر میں نرم نظروں سے اُسے دیکھتے سوال کیا تھا۔ زارا نے نرمی سے اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ اُس کا شریکِ حیات تھا۔ وہ اُسے سمجھتی تھی۔ یہ کافی تھا کہ اُسے اپنی غلطی کا احساس تھا۔ نرم مسکراہٹ چہرے پر خود باخود ہی آ گئی تھی۔ اُس کا غصّہ منٹوں میں دور ہوا تھا۔

"چلیں زارون بھائی کب سے انتظار کر رہے ہیں آپ کا۔" اُس کا ہاتھ تھامے وہ اُسے اندر لے گئی تھی۔ زندگی اسی کا نام ہے خفا ہونا منانا اور پھر مان جانا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو شادی شدہ زندگی میں جب بڑا کیا جاتا ہے تو ہمیشہ نقصان ہی ہوتا ہے۔ اور زارا اور احمر اپنے رشتے کو خوبصورت بنانے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ بس شرط یہ ہے کے کوشش دونوں طرف سے ہونی چاہیئے۔

****

منگنی کے اختتام ہوتے ہی۔ ایک گاڑی مہمانوں کو گھر ڈراپ کر رہی تھی۔ کیونکہ آج کی رات اُن سب کا وہاں قیام کرنے کا ارادہ تھا۔ خضر کی موجودگی کی وجہ سے کافی سال بعد پورا گھرانہ ایک ساتھ مل بیٹھا تھا۔ ورنہ خضر کی کمی سبھی محسوس کرتے تھے۔

چینج وغیرہ کر کے وہ سب ہی پول کے گرد چیئرز لگائے بیٹھے آپس میں محو گفتگو تھے۔ کہ علیشبہ اپنے بار بار بجنے والا فون سے تنگ آتے آخر کال اُٹھالی اور نور کی نگرانی میں ایک کونے پر لگ کر بیٹھ گئی۔ تا کہ وہ فون کا جواب دے سکے اور یہ کہہ سکے وہ بار بار اُسے کال نہ کرے۔ پر بد قسمتی سے وہ عدیم کی نظروں میں آگئی تھی۔ اُس وقت تو وہ کچھ نہ بولا پر جب وہ دونوں واپس اپنی جگہ پر آبیٹھی تو عدیم نے شرارت سے بھرپور آنکھیں اُس پر گاڑھے کہا۔

"کیا بول رہا ہے اُتھل پُتھل۔۔؟" قہقہا لگا تا عدیم اس وقت علیشبہ اور نور کو شیطان لگا تھا۔ پر چونکہ اب عدیم نے سب کو بتا دینا تھا۔ تو ان دونوں نے بھی چُھپانے کے بجائے کہہ دینا زیادہ بہتر سمجھا۔ پر دل ہی دل میں اس وقت دونوں اُس پر خار کھائی ہوئیں تھیں۔

"کہہ رہا ہے آپ کے گھر میں موجود بندر کا گلا گھونٹ دیں سکون سے رہیں گی۔"علیشبہ نے ناک چڑھاتے کہا۔ ایک تو وہ ویسے ہی چڑی ہوئی تھی فنکشن کے اختتام سے اُسے رانگ نمبر سے کالز آرہیں تھیں۔ اور بقول نور کے یہ ڈاکٹر شہروز کا نمبر تھا۔ فون اُٹھانے پر کوئی جواب نہ پا کر علیشبہ نمبر بلاک کر چکی تھی۔

"یہ اتھل پُتھل کون ہے؟"عبیر نے بھنویں سُکیڑتے پوچھا۔ ساتھ بیٹھے باقی سب بھی اُن دونوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ خاص کر عابص وہ جو اذبان اور خضر کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔ انہیں چھوڑ باقاعدہ اپنا رُخ علیشبہ لوگوں کی طرف کیا تھا۔ جبکہ زارون اور نور نے پہلے عابص اور پھر ایک دوسرے کو دیکھتے ہنسی دبائی تھی۔

"یہ تو تم علیشبہ سے ہی پوچھو کہ یہ ڈاکٹر اُتھل پُتھل کون ہیں۔ ویسے آپس کی بات ہے بندہ چاہے وہ جتنا بھی ہینڈسم ہو۔ پر ہے وہ اُتھل پُتھل۔"پیٹ پر ہاتھ رکھے وہ نان سٹاپ ہنسے جارہا تھا۔

"اُف اللہ کس قدر بے شرم بھائی ہو تم۔ بہن کو کوئی غیر لڑکا فون کر کر کہ دماغ کھا رہا ہے اور تم بجائے اُس کی دُرگت بنانے کے گلا پھاڑ پھاڑ کر ہنس رہے ہو۔"نور نے جان بوجھ کر عابص کو سنانے کے لیے آواز اونچی رکھی تھی۔ جبکہ علیشبہ عدیم کے بار بار مزاق بنانے سے اب بُری طرح خائف ہونے لگی تھی۔ جو بھی تھا اُسے عدیم کا اس طرح کسی کا مزاق اُڑانا بلکل پسند نہیں آرہا تھا۔

عابص نا محسوس انداز میں علیشبہ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اُس کا دل اس وقت شہروز کا حشر بگاڑ دینے کا کیا تھا۔ کیونکہ لفظ ڈاکٹر سے وہ سمجھ گیا تھا بات کس کی ہو رہی ہے۔ اور نور سے بات کرنے کے بعد اُسے لگا تھا وہ علیشبہ کو سمجھائیگی کچھ کریگی پر وہ تو اُلٹا اُس کے ساتھ ہی مل گئی تھی۔ اچانک اُس کی نظر زارون اور پھر

نور پر گئی اور وہ دونوں اُسے دیکھ اپنی ہنسی پر قابو نہ رکھ پائے۔ انہیں خود پر ہنستا دیکھ عابس کا دل کیا تھا دونوں کا ہی منہ توڑ کر رکھ دے۔ پر صد افسوس وہ ایسا کر نہیں سکتا تھا۔

"اب میں اُس اتھل پتھل کی دُرگت بنانے جاؤ؟ نا بھائی نا اتنے بُرے دن نہیں آئے کہ اُس چلغوزے نما ڈاکٹر کی درگت بنانے عدیم نعمان بذاتِ خود جائے۔" ہنس ہنس کر عدیم کا بُرا حال تھا۔ وہ جیسے ہی شہروز کا علیشبہ کے لیے اُتاولا پن اور اور اُس کی بہنوں کے رویے سوچتا اُس کی ہنسی کو رُکنا اُس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔ اور وہ گلا پھاڑ کر بے تکا سا ہنسے جا رہا تھا۔ اس بات سے انجان کا اُس کا بھائی قہر آلود نظروں سے اُسے دیکھ رہا ہے۔

"بُری بات ہے عدیم۔ اس طرح کسی کا بھی مزاق نہیں اُڑاتے۔" علیشبہ نے عابس کی نظروں کو اگنور کرتے کہا تھا۔ اُف بیچاری معصوم علیشبہ۔ ہر بات سے انجان وہ بس کسی کا مزاق بنتا ہوا نہیں دیکھ پا رہی تھی ۔ اس بات سے انجان کے یہ سب مزاق ہی تو تھا۔

"ہاں بھئی مزاق نہ اُڑاؤں ان فیوچر علیشبہ کا سُسرال بھی ہو سکتا ہے وہ۔" اب کی بار آزان نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔ جبکہ اُس کی بات پر علیشبہ کا چہرہ یکدم ہی سفید پڑ گیا تھا۔

اور عابس اُس کا تو دل اپنے کزنز کو ہی لاٹھی سے مارنے کا کر رہا تھا۔ اُس کی لوّ اسٹوری میں وہ سب ہی ولن بننے کی بھرپور تیاری کئے بیٹھے تھے۔

جبکہ اُس کی بات سُن نور اور زارون کے دانت بھی اندر ہو چکے تھے۔ پھر کچھ سنبھل کر نور بولی۔ "تم اپنا بھائی سنبھال لو۔ ایسا نہ ہو وہ اُتھل پُتھل کی بہن تمہاری بھابھی ہی بن جائے۔" بات سنبھالنے کے چکر میں

وہ بگاڑ ہی بیٹھی تھی۔ جو بات پورا دن دل میں لیے بیٹھی تھی۔ جانے انجانے میں ہی صحیح وہ زبان پر آچکی تھی۔ جسے سُن ہادیہ، علیشبہ اور زارون سمیت کوئی اور بھی چونکا تھا۔

چندپل کو تو اذبان اُسے دیکھتا ہی رہ گیا کیا واقع یہ نور نے کہا تھا۔ اگر یہ بات نور نے کہی تھی تو کیا وہ عنابیہ سے انسیکیور فیل کر رہی تھی۔ یا پھر وہ کسی کو بھی یہ کہہ دیتی۔ اذبان کے عنابیہ کے ساتھ ہونے سے اُسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ آہ نہیں نور ایسی نہیں تھی۔ وہ اذبان کے معاملے میں بلاوجہ ایسے ہی نہیں بول سکتی۔ لیکن وہ اُسے اور عنابیہ کو اس حد تک نوٹ بھی کر سکتی ہے۔ اذبان کا دل خوشفہم ہوا تھا۔ پر ساتھ ہی ایک دھڑکا دل کو ضرور لگا تھا۔

جبکہ نور اپنی ہی کہی ہوئی بات پر یکدم شرمندہ ہو گئی اور دل ہی دل میں اپنی اس قدر بے ساختگی میں کہے ہوئے جملے پر لعنت بھیجتی اُن سب کو اگنور کیئے موبائل میں گُم ہو چکی تھی۔

اذبان کے اشارے پر آزان نے بھی اُسے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ "ایک تو بھائی ابھی سے ان سے ڈرتے ہیں۔ یا اللہ کیا ہو گا ان کا۔" اذبان اور نور کو دیکھتے آزان نے دل ہی دل میں کہتے آسمان کی طرف بیچارگی سے دیکھا تھا۔

وہ سب گروپس بنائے آپس میں باتوں میں مصروف تھے کہ پلوشے کی نظر ہادیہ پر گئی۔

"آج ہماری ہادیہ کیوں اتنی خاموش خاموش ہے؟" اُس نے ہادیہ سے پوچھا جو گُم صم سی ایک کونے پر بیٹھی تھی۔

ہادی جو خود کو نارمل دکھانے کے لیے علی سے ہلکی پھلکی باتوں میں مصروف تھا۔ ساتھ ساتھ ایک نظر وہ ہادیہ کے بُجھے چہرے پر بھی ڈال لیتا۔ پلوشے کے کہنے پر اُس کی نظریں بے ساختہ اُس پر گئی اور ہٹنے سے انکاری ہو گئی۔ کالا سادہ سوٹ اور پرنٹڈ ڈوپٹہ لیے چاند کی ہلکی ہلکی روشنی میں وہ اس قدر خوبصورت لگ رہی تھی کہ چندپل کے لیے وہ نظریں نہ ہٹا سکا۔

"کچھ نہیں بجو۔ تھک گئی ہوں بس۔" ہلکے سے مُسکراتے کہا تھا۔ پر پلوشے اُس کے اس جواب پر مطمئین ہر گز نہیں ہوئی تھی۔ وہ ان سب سے بہت وقت بعد ملی تھی پر اتنے ماہ میں اُسے ہادی اور ہادیہ کی ایک دوسرے کو لے کر پسندیدگی کا کچھ کچھ اندازہ ہو گیا تھا۔ پر بحر ال وہ چُپ ہو گئی تھی۔

****

"ہادیہ پلیز۔۔!" وہ اندرونی حصّے کی طرف بڑھ رہی تھی کہ ہادی اچانک اُس کے سامنے آگیا۔ اُس کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت فکر مندی سب دکھی تھی اُسے پر! پر وہ پھر بھی جا رہا تھا۔ اُسے چھوڑ کر۔ اُس کی محبت چھوڑ کر۔ سیکنڈز میں جیسے سب ختم ہونے لگا تھا۔ لمحوں میں سب دھندلا گیا تھا۔ محبت چاہت عشق سب چھوٹ رہا تھا۔ سب ٹوٹ رہا تھا۔ ہادیہ کی آنکھیں بھیگی تھی۔ پر کچھ لمحے اُسے تکنے کے بعد ہادی نے پھر کہا۔

"یہ میرا خواب ہے ہادیہ۔ یہ وہ خواب ہے جو میری ماں نے مجھے بچپن سے دکھایا ہے۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد پھر اُس کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔ کیا تم اپنا ڈر چھوڑ کر مجھے میرا خواب پورا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔

"میں کون ہو ہادی؟" بھیگی آواز میں کہا تھا۔ اُس کی ساری بات سرے سے نظر انداز کر کے بھیگی گہری آنکھیں اُس پر گاڑھے صرف ایک سوال پوچھا تھا۔

"محبت۔" بغیر رُکے بغیر سوچے ایک لفظی جواب آیا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہادی نے کہا تھا۔ "تم محبت ہو میری۔ زندگی کی چمک ہو میری۔ تم بس تم ہو ہادیہ تمہاری جگہ میری زندگی میں کوئی دوسرا شخص نہیں لے سکتا۔" ایک ہی جزب میں کہا تھا۔ ہر ممکن کوشش کی تھی اُسے اپنی محبت کی یقین دہانی کروانے کی۔

"کیا تم محبت کے لیے خوابوں کو پیچھے چھوڑ سکتے ہو۔ کیا تم ہادیہ کے لیے یہ کر سکتے ہو ہادی۔" اُمید تھی جو آنکھوں میں چمکی تھی۔ جیسے وہ اُس کے لیے سب چھوڑ ہی دیگا۔ جیسے وہ اُس کے لیے سب صحیح وقت پر چھوڑ دیگا۔

"ہادیہ۔۔!وہ میری ماں کے بھی خواب ہیں۔" اُس کی آنکھوں میں دیکھتے جیسے التجا کی تھی۔

اُمید کے آنسو اُس کی آنکھ سے بہہ گئے تھے۔ محبت ہار گئی تھی خواب جیت گئے تھے۔ ہادیہ موسیٰ ہادی زبیر کو ہار گئی تھی۔ ہلکے سے اپنے ہاتھ اُس کے ہاتھوں سے نکال لیے تھے۔

ہادیہ کے آنسوں کے چند قطرے ہادی کے ہاتھ پر گرے تھے۔ اُن جھیل سی گہری آنکھوں میں اُسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اُس کے ہاتھ ہاتھوں سے چھوٹے تو لگنے لگا دنیا چھوٹ رہی تھی۔ اُس کے آگے سے نکل کر وہ اندر جارہی تھی۔ ہادی نے ہلکے سے مُڑ کر دیکھا تھا۔ محبت جارہی تھی۔ چاند کی ہلکی ہلکی روشنی میں اُس کی محبت جیسے اُس سے بر سو دور جارہی تھی۔ دل ہچکولے کھا کھا کر رو رہا تھا۔

****

گیمینگ زون کی سیڑھیوں پر چائے کا مگ تھامے وہ یک ٹک سامنے اندھیرے میں درخت پر لگے جھولے کو دیکھ رہی تھی۔ آہستہ سے ضرار اُس کے پیچھے والی سیڑھی پر آ بیٹھا۔ اُس کی موجودگی کو جانتے ہوئے بھی وہ ایسے ہی بیٹھی رہی۔

"وہاں جانا چاہتی ہو؟" دھیمی آواز میں پوچھا تھا۔

"نہیں مجھے خوف آتا ہے۔" کھوئے کھوئے سے لہجے میں جواب دیا۔

"کس سے جھولے سے؟" حیرانگی سے اسے دیکھتے پوچھا۔

"اندھیرے سے اندھیرا گرا دیتا ہے ضرار۔" ماریہ اپنے آگے کے منظر کو دیکھ رہی تھی اور ضرار اپنے۔ اُسے اپنے سامنے موجود منظر سے خوف آ رہا تھا اور ضرار کو اُس سے۔

"آؤ میرے ساتھ چلو۔" کھڑے ہوتے آہستہ سے ہاتھ اُس کی طرف بڑھایا تھا۔

"کہاں؟" چہرے پر آئی چند لٹیں پیچھے کرتے ماریہ نے نہ سمجھنے والے انداز میں اُسے دیکھا۔

"اندھیرے میں۔" درخت پر بندھے اس جھولے کو دیکھتے ضرار نے کہا۔ "میں تمہیں اندھیرے میں گرنے نہیں دوں گا ماریہ۔ کیا تم میرے ساتھ چلو گی؟" آس سے پوچھا تھا امید کی آخری کرن تھی جو اگر ٹوٹ جاتی تو کبھی نہ جُڑ پاتی۔ اپنا ہاتھ تھوڑا اور آگے کیا تھا۔

اُس کے ہاتھ پر ایک نظر ڈالتے ماریہ نے اندھیرے میں چمکتے چاند کو دیکھا تھا۔ اور پھر چاند کے ٹھیک نیچے درخت پر لگے جھولے کو۔ "تم چاہتے ہو درخت پر موجود جن مجھ پر عاشق ہو جائیں۔۔؟" ہلکی سی مُسکراہٹ سے کہتے وہ کھڑی ہو گئی تھی۔ اپنے پیروں پر بغیر کسی کا ہاتھ تھامے اپنے لیے۔ اپنی محبت کے لیے اُسے اندھیرے میں گرنے سے بچنا تھا۔

ضرار نے ایک نظر اُس کے چہرے پر ڈالی ہاتھ پیچھے کرتے وہ کچھ سیڑھیاں اور اترتے آگے بڑھا تھا۔ "تمہارے پیچھے ویسے ہی ایک جن عاشق ہے۔ اب کوئی نہیں ہو سکتا۔ چلیں؟" چہرہ اوپر کرتے جزباتیت سے بھرپور آواز میں کہا تھا۔

آنسوؤں کو اندر دھکیلتے۔ وہ دل سے مُسکرائی تھی۔ اور روتے ہوئے ہاں میں سر ہلایا تھا۔ کتنا آسان تھا۔ صرف ہاں کہنا تھا۔ اُس کے پیچھے چلنا تھا۔ راستہ تو وہ اُس کے لیے بنا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اُس کے قدموں کی چھاپ پر اپنے قدم جماتے وہ اُس کے پیچھے اُن دو جھولوں تک پہنچی تھی۔ وہ دونوں وہاں بیٹھے خاموش تھے ۔ خاموشی کی بولی عشق میں بولی جاتی ہے۔ وہاں موجود چاند کی دھیمی روشنی میں عشق رقصاں تھا۔

ماریہ فیصلہ کر چکی تھی۔ اُس نے ایک بار قسمت کو ضرور آزمانہ ہے۔ وہ بہادر اور تیز دکھنے والی لڑکی دراصل اب بھی اندر سے بہت خالی اور ڈرپوک تھی۔ یہ ڈھارس تو اُسے خضر کی موجودگی سے ملی تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ تقدیر کیا چاہتی ہے۔

سب ہی کچھ دیر کے لیے ریلیکس ہونے کہیں نا کہیں بیٹھ گئے تھے۔ کیونکہ سورج نکلتے ہی گھر کے لیے روانہ ہونا تھا۔ سنبل بیگم کے سر میں درد ہوا تو اُن کے ساتھ سب ہی کے لیے چائے بنی۔ اور پھر چائے کا بھانپ اُڑاتے کپ تھے اور خواتین کی نہ ختم ہونے والی گفتگو۔

سب ہی چٹ پٹی گفتگو میں مصروف تھے۔ کہ خدیجہ بیگم کے ہادیہ کو کہا کہ وہ اذبان کو بھی چائے دے آئے ۔چائے کا کپ تھامتی وہ باہر آئی تو پول کے قریب اُسے وہ بیٹھا نظر آیا۔ قریب آنے پر اُس نے اذبان کے سامنے دیکھا۔ پول کی دوسری طرف نور فلک، عبیر اور عدیم کے ساتھ ٹینس کھیلتی دکھائی دی۔ آہستہ سے اذبان کے قریب بیٹھتے ہادیہ نے کہا۔

"آپ کب تک اُسے ایسے ہی دیکھتے رہیں گے بھائی۔ خاموش محبت ہار جایا کرتی۔ اُسے پسند کرتے ہیں تو اُسے بتائیں۔ ہم میں سے کسی کی بات پر اُسے یقین نہیں۔ ہماری بات کو وہ مزاق سمجھتی ہے۔ آپ کے کہنے کو تو مر کر بھی مزاق نہیں سمجھے گی سچ میں۔" ہادیہ نے چائے کا مگ اُسے تھماتے کہا۔

وہ اُسے دیکھنے میں اس قدر گُم تھا کہ ہادیہ کب آکر بیٹھی اُسے معلوم ہی نہیں ہوا۔ پھر کچھ سنبھل کر بولا۔ "اس وقت چائے۔۔؟" ہادیہ کی بات کرا گنور کرتے چائے کا کپ اُس سے لیتے کہا۔

"سنبل مامی نے بنوائی ہے۔ میں آپ سے کچھ کہہ رہی ہوں۔ محبت کرتے ہیں ناں نور سے؟" اذبان کو ایک نظر دیکھتے اُس نے کہا جواب سر جُھکائے بیٹھا تھا۔ نفی میں سر ہلاتے اُس نے پھر کہا۔ "اُسے بتا دیں بھائی اس پہلے دیر ہو جائے۔"

"اگر وہ یہ کہہ دے اُسے مجھ سے محبت نہیں ہے۔ تو ساری عمر خود کو فیس نہیں کرپاؤنگا ہادیہ۔ جس امید کے سہارے خوش ہوں وہ مجھ سے چھن جائیگی"۔ جُھکے سر کے ساتھ پول کے ٹھنڈے پانی میں پیر ہلاتے اُس نے کہا۔

"اگر وہ کسی اور کی ہو گئی تو کس کے سہارے خوش رہیں گے؟ بس تھوڑی سی ہمت کریں اور کہہ دیں۔ وہ آپ کو کبھی انکار نہیں کرے گی۔ یہ ہادیہ کا آپ سے وعدہ ہے۔" مصنوعی ہلکی سی مُسکراہٹ کے ساتھ اُس

نے دل میں کہا۔ "کم سے کم آپ کو اور علیشبہ کو تو وہ ملے جسے آپ دونوں چاہتے ہیں۔ اگر اب دیر کی تو آپ کے ساتھ ساتھ علیشبہ کے ساتھ بھی زیادتی نہ ہو جائے۔"

"میں کوشش کرونگا۔ تم ٹھنڈے پانی میں پیر مت ڈالو۔ میں بھی بس اندر جا رہا ہوں کچھ دیر اکیلا رہنا چاہتا تھا اس لیے یہاں آ گیا۔" اُسے پول میں پیر ڈالنے پر ڈپٹتے اُس نے گہری سانس لیتے کہا۔ وہ فلحال کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اُس نے کبھی اس بارے میں نہیں سوچا تھا کہ وہ لڑکی جسے وہ دل و جاں سے چاہتا ہے کسی اور کی بھی ہو سکتی تھی۔ اور شخص بھی وہ جو صبح و شام اُس کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا ہے۔ دل کو خدشات نے عجیب طریقے سے گھیرا تھا۔

"اوکے! میں ویسے بھی اندر جانے لگی تھی۔ اندر لیڈیز بڑی چٹ پٹی گفتگو کر رہی ہیں۔" آنکھ مارتے ہلکے پھلکے انداز میں وہ مُسکرائی تھی۔ "پر آپ اس بارے میں ضرور سوچیئے گا۔" وہاں سے اُٹھتے ہادیہ نے اذبان کو کہا تھا۔

وہ سب ہی اب واپسی کی تیاری کر رہے تھے۔ سارا سامان گاڑیوں میں احتیاط سے رکھا گیا تھا۔ واپسی میں سارے بڑوں کو گاڑی میں بٹھایا گیا تھا۔ جنہیں زبیر چاچو اور شہزاد تایا نے ڈرائیو کیا تھا۔ باقی حمیرا بیگم کی فیملی اپنی گاڑیوں میں اپنے گھر ہی روانہ ہوئی تھی۔ خضر اور سویرا لمبی مسافت طے کر کے آئے تھے۔ جس وجہ سے انہیں اب گھر جا کر آرام کرنا بہتر لگا۔ باقی سارے لوگ بس میں ہی ایک دوسرے پر سوتے گرتے پڑتے آئے تھے۔

****

زارون کی منگنی کو مہینہ سے اوپر گزر چکا تھا۔ سب ہی اپنی روٹین پر واپس آ گئے تھے۔ زارا اکثر فون کرتی اور زیادہ تر بات قاسم مراد علی سے ہی کرتی۔ دونوں دادا پوتی گھنٹوں بھرنا جانے کیا باتیں کیا کرتے تھے۔ باقی بچے یونیورسٹی میں مصروف ہو گئے تھے۔ پلوشے اپنی عدت کے دن پورے کر رہی تھی۔ کمرے سے بھی بلا ضرورت نہیں نکلتی تھی۔ احمد کو چند دن پہلے ہی اسکول ڈالا جا چکا تھا۔ باقی ایک احمد ہوتا اور پورا زیتون محل اُس کے پیچھے پاگل۔ کبھی عدیم کے ساتھ باہر آئسکریم کھانے چلا جاتا تو کبھی شہزاد صاحب کے ساتھ پارک۔ گھر بھر کا لاڈلی احمد آپنی نت نئی شرارتوں سے سبھی کو ہنسایا کرتا تھا۔ بظاہر سب ٹھیک ہی چل رہا تھا۔ پر پس منظر بہت سے رنگ بھرنا ابھی باقی تھے۔

ہادی کا ویزہ نہ لگنے کی وجہ سے وہ اُس وقت نہیں جا سکا تھا۔ اب کچھ دنوں میں اُس کی ٹکٹ کبھی بھی آ سکتی تھی۔ روز کی طرح آج بھی اُس نے ہادیہ کو ایک پیغام بھیجا تھا جس کا جواب ابھی تک موصول نہیں ہوا تھا۔ روبی بیگم گھر کے سارے بڑوں کے ساتھ ہادی کا رشتہ کے لے کر خدیجہ بیگم کے گھر گئی تھی۔ پر اس اچانک رشتے پر خدیجہ بیگم اور موسیٰ صاحب نے کچھ وقت مانگا تھا۔

دوسری طرف عابص سنبل بیگم سے علیشبہ کے بارے میں بات کر چکا تھا۔ پر وہ پہلے علیشبہ کو راضی کرنا چاہتا تھا۔ اور نور تو جیسے اپنا وعدہ بھول ہی گئی تھی۔ ایسا عابص سوچتا تھا۔ دراصل یہ زارون کا کیا دھرا تھا۔ عابص ٹھیک کہتا تھا اُس کے بارے میں۔

زارون اور صباح کی نوک جھوک اب بھی ویسے ہی جاری تھی۔ ماریہ اور ضرار اُس دن کے بعد سے ابھی تک نہیں ملے تھے۔ اور نہ ہی وہ یہ جانتی تھی کہ ضرار رشتہ کب لائیگا۔ جبکہ خضر کے آجانے کی وجہ سے حمیرا بیگم ماریہ

"زارون بھائی اب اگر آپ نے ڈاکٹر شہروز والا ڈرامہ ختم نہ کیا تو اچھا نہیں ہو گا۔ عابص بھائی پیچھے پڑ گئے ہیں میرے۔ اور علیشبہ بھی اب تنگ آگئی ہے۔ ڈاکٹر شہروز کا صفایا کریں تا کہ کم سے کم ان دنوں کی بات تو بنے۔ ویسے بھی اب سنبل چاچی سب جانتی ہیں۔"

"ہیں کیا؟ کیا کہا تم نے سنبل چچی کو کس نے بتایا؟" سیب کو دانت سے توڑتے زارون نے اچھنبے سے پوچھا۔ نور کو لگ رہا تھا کل وہ بس کچھ وقت کے لیے عابص کو تنگ کرنا چاہ رہا ہے۔ جبکہ در حقیقت زارون یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ عابص کس حد تک سنجیدہ ہے اس معاملے میں۔

"عابص بھائی نے بتایا اور کون بتائے گا۔ اور آرام سے بولا کریں نا بھئی اس گھر میں چلتی پھرتی دیواریں موجود ہیں جن کے لمبے لمبے کان ہیں۔"

"اور تمہیں یہ بات کس نے بتائی۔۔؟" آئبرو چڑھاتے زارون نے تفتیشی انداز میں اُس سے پوچھا۔

"عائشہ بتا رہی تھی اُس نے سنبل چاچی اور عابص بھائی کو بات کرتے ہوئے سنا ہے۔ اور عائشہ کی لائی ہوئی تمام خبریں سولڈ ہوتی ہیں۔ آپ کی اور صباح باجی کی خبر بھی تو وہی لائی تھی نا۔" آخر میں آنکھیں بڑی کرتے اُسے چڑاتے ہوئے کہا۔

"خیر میں منع کر چکا ہوں شہروز کو۔ پر اگر شہروز رشتہ لاتا ہے تو اس میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہو گا۔ اب یہ پھپھو اور علیشبہ ہی سوچینگے شہروز بہتر ہے یا عابص۔ چلو اب تم کافی بناؤ اور مجھے بھی پلاؤ۔" سیب کا آخری پیس منہ میں ڈالتے اُس نے آڈر دیا تھا۔

"ایسے آڈر صباح باجی کو دے کر دکھائیں نا پھر مانوں میں آپ کو کافی بناؤ ہنہہ۔" نور نے رونی صورت بنا کر زارون کو کہا اور کافی کا جار نکالنے لگی۔ وہ دونوں ہی رات کے اس پہر فروٹ سے انصاف کر رہے تھے۔ اور پھر موقع اچھا تھا تو نور نے ڈاکٹر شہروز والی بات بھی کر ڈالی۔

"وہ جو تمہاری صباح باجی ہیں نا۔ وہ ایک حسین چڑیل ہیں۔ مجھے واقع میں ان سے ڈر لگتا ہے۔" سرگوشی نما آواز میں چہرہ آگے کی ئے کہتے آخر میں اپنے ہنسی دباتے زارون نے کہا۔

"یہ چڑیل کس کو کہا آپ نے ہاں۔ میں بتاؤں گی انہیں کہ آپ نے انہیں چڑیل کہا ہے۔"

"میں نے حسین بھی تو کہا ہے بھئی۔ تم بس وہ بتا دو کافی ہے۔ صحیح قابو میں کیا ہوا ہے اس چلبلی چڑیل نے سب کو۔" پہلی بات نور سے اور آخری بات دل میں خود سے کہتے زارون چیئر پر بیٹھ کر کافی کا انتظار کرنے لگا تھا۔

جبکہ نور یہ سوچ رہی تھی کہ لو اسٹوریز دوسروں کی ہیں۔ اور پریشان اب وہ ہو رہی ہے۔ ابھی اُس نے ہادی سے بھی بات کرنی تھی۔ جو آج ہونا ممکن نہیں تھا۔ وہ آج کل کافی پریشان تھا۔ اور نور کے ذمے اب ہادی اور ہادیہ کی ملاقات کروانے کی ذمہ داری تھی۔ یہ سب سوچتے ہی آج کل کے اُس کے دن رات گزر رہے تھے۔

* * * * * * * * * * * *

روبی بیگم اس وقت اپنے دونوں بچوں سمیت ضرار کے گھر پر موجود تھی۔ وہ اکثر بیشتر ہی ضرار کے بُلاوے پر یہاں آجایا کرتی تھی۔ وہ کچن میں مصروف تھیں اور وہ تینوں اس وقت ضرار کے بیڈروم میں بیٹھے عاطف کے کراچی میں ہونے والے کونسرٹ کی پری بُکنگ کروا رہے تھے۔

روبی بیگم اور زبیر صاحب کی اجازت کے بعد نور اور ہادی کو تو کانسرٹ میں جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ پر باقی کسی کو نہیں ملی تھی۔ جس پر عائشہ عبیر فلک اور عدیم واٹس ایپ گروپ میں ان دونوں سے خوب بحث و تکرار کر رہے تھے۔ نور اُن سے بات کرتے ساتھ ساتھ ہی ضرار کا لیپ ٹاپ کھولے ٹکٹ کی پری بُکنگ کروا رہی تھی کہ ہادی بول پڑا۔

"نور میں جانے سے پہلے بس ایک آخری بار ہادیہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ کیا کسی طرح تم اُسے وہاں بُلا نہیں سکتی۔" ہادی نے صوفے سے ٹیک لگاتے آنکھیں مندتے کہا۔ لیپ ٹاپ پر چلتی نور کی انگلیاں کچھ تھمی تھی پھر بھنویں سُکیڑ کر اُسے دیکھتے کہا۔

"اچھا یہ جو باقی عوام رہ جائیگی نہ اُن سے کیا کہینگے۔ مجھے معافی دے دیں آپ۔ میں آپ کی ہادیہ سے واقع ملاقات کروانا چاہتی ہوں۔ پر ایسے مجھے بہت گالیاں پڑینگی۔ برائے مہربانی مجھ معصوم جان پر رحم کھائیں آپ سب۔" سر جھٹکتے اُس نے کہا۔

"پھر ٹھیک ہے میں یہ معاملا اپنے طریقے سے سُلجھا لونگا۔ پر اُس سے ملاقات کئے بغیر نہیں جاؤنگا۔" سرد آواز میں ضد تھی۔ بس وہ کسی بھی حال میں اُس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانے سے پہلے اس کے ساتھ کچھ وقت اور گزارنا چاہتا تھا۔ کچھ یادیں جن کے سہارے وہ دو سال گزار سکتا۔ وہ جانتا تھا اب تک اُس کا غصّہ ٹھنڈا ہو چکا ہو گا۔ وہ اُس کے خوف کو سمجھتا تھا۔ پر اُسے اس بات کا یقین تھا۔ ہادیہ اُس پر بھروسہ

ضرور کریگی۔ اور در حقیقت ہادیہ خود بھی اس معاملے کو لے کر کوئی واضح فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ ہادی پر بھروسہ کرنا چاہتی تھی پر نہیں کر پا رہی تھی۔

نور نے ہادی کو دیکھا پر گہری سانس اندر کھینچی اور ہلکی مُسکراہٹ کے ساتھ موڈ کو ہلکا کرتے کہا۔ "دیکھیں بھئی ہادیہ آئیگی تو علیشبہ بھی آئیگی اور خدیجہ پھپھو سے کیا کہینگے؟ وہ سوال جواب بہت کرتی ہیں جانتے ہی ہیں آپ۔" نور خود بھی چاہتی تھی وہ جانے سے پہلے ہادیہ سے مل لے۔ ساری باتیں کلئیر ہو جائیں۔ ویسے بھی خدیجہ بیگم نے ابھی تک ہادی کے رشتے کی ہاں نہیں کی تھی۔ اور وجہ ہادی کا بیرونِ ملک جانا ہی تھا۔

"میں اذبان سے بات کرونگا اس معاملے میں۔ وہ خدیجہ پھپھو سے خود ہی اجازت طلب کر لیگا۔" انگھوٹے اور شہادت کی انگلی سے سر کو دباتے ہادی نے کہا۔ جبکہ اذبان کے نام پر نور کو دو دن پہلے اذبان کا ہاسپٹل کی کینٹین میں عنابیہ کے ساتھ پایا جانا یاد آیا۔ سر جھٹکتے اُس نے کہا۔

"اووووویل اینڈ گُڈ۔ پر کیا کہینگے انہیں کہ میرا تمھاری بہن کے بغیر جانے کا بلکل موڈ نہیں ہو رہا۔ کیا میں اُسے اپنے ساتھ ڈیٹ پر لے جاؤ۔۔؟" تھوڑی پر ہاتھ رکھتے آنکھیں اُس پر جماتے نور ہادی کو جان کر تنگ کر رہی تھی۔ اور واقعتاً ہادی کا موڈ بحال ہو گیا تھا۔

"اتنا پاگل نہیں ہوا ہوں میں ابھی۔ میں تو کہونگا میری نام کی چھوٹی بہن ہادیہ اور علیشبہ کے بغیر نہیں جانا چاہتی۔ اس لیے تم ہادیہ اور اُس کے ساتھ فری میں ملنے والی علیشبہ کو بھیج دو پلیز۔" اپنا پلین نور کو سُناتے ضرار اور ہادی دونوں ہی نور کے صدمے سے کُھلے ہوئے منہ کو دیکھتے اپنی ہنسی روک رہے تھے۔ کیونکہ اس وقت اُس سے پنگا چنگا نہیں تھا۔ پر در حقیقت وہ خوش تھی کم سے کم ہادی کا موڈ تو بہتر ہوا تھا۔

"واہ یہ اچھا ہے۔ ہر بات میں فوراًنور کو زبردستی کا گُھسا دیں آپ بیچ میں۔" دانت بھینچتے کشن زور سے پٹکتے اُس نے کہا۔بظاہر تو وہ چڑی ہوئی تھی۔پر اندر ہی اندر ہادی کی ہادیہ کے لیے اس قدر بیتابی پر وہ دل سے خوش تھی۔

"ویسے اگر تم دونوں بُرا نہ مانو تو ایک بات میں نے بھی کہنی تھی۔" بالوں میں ہاتھ پھیرتے معصوم سی شکل بناتے ضرار نے کہا۔

"کیا۔۔؟" دونوں نے ایک ساتھ ہی اُسے دیکھتے پوچھا۔"وہ اصل میں زوبی سے میں نے کہا تھا وہ کسی طرح ماریہ کو بھی وہاں لے آئے شاید وہ بھی وہاں ہوں۔" سر کُھجاتے ضرار نے اُن سے کہا۔

"لو جی اب تم بھی۔۔؟" آنکھیں بڑی کرتے نفی میں سر ہلاتے نور نے کہا۔"عاطف کا کونسرٹ نہ ہو گیا بارات ہی ہو گئی کہ سب کو لے چلو۔ویسے شرم تو آ نہیں رہی دونوں کو مزے سے اپنی اپنی محبتیں ساتھ باندھیں لے کر جانے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔"

"شرم کیسی تم بہن سے پہلے دوست ہو یار۔کیوں ضرار ہادی؟" نے اُس کے کندھے پر ہاتھ ڈالتے شرارتاً کہا۔

"بلکل بہن کون ہے تم تو اپنا جگری یار ہو۔" آنکھ مارتے اب دونوں ہی اُسے مکھن لگا رہے تھے۔

روبی بیگم کی بنائے جانے والے کھانے کی خوشبوں اب کچن سے گزر کر پورے گھر میں پھیل رہی تھی۔ وہاں بیٹھے وہ تینوں ہی پریشانی اور سوالوں میں گھرے بیٹھے تھے۔ آنے والا کل کا کی زندگی کو کا موڑ پر لے جا رہا تھا کوئی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

****

داداجان آنگن میں تخت پر بیٹھے نیچے کچی زمین پر کھیلتے احمد کو دیکھ رہے تھے۔ سُنبل بیگم مالی کے ساتھ مل کر پودوں کی کھاد تبدیل کروا رہی تھیں۔ جبکہ روبی بیگم گھر کی صاف صفائی میں سکینہ بی کی مدد کروا رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ ڈانٹ ڈپٹ بھی جاری تھی۔ جبکہ فیروزہ بیگم چولہے پر رات کا کھانا چڑھا کر دادی جان کے پاس آبیٹھی تھیں۔ دادی جان لاؤنج میں کھڑکی کے سامنے ہی بیٹھی چھالیہ کاٹ رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ ایک نظر باہر آنگن میں بھی ڈال لیتی تھیں۔ اتنے میں انہیں آنگن میں نسیمہ بیگم دکھی جو اب اندر کی طرف آ رہی تھیں۔ عرصہ ہوا تھا انہیں اس گھر میں قدم رکھے۔ آخری بار پلوشے کے رشتے کے لیے آئی تھیں۔ اُس کے بعد اتنے سال گزر گئے۔ آج نا جانے کیا کرنے آئی تھیں۔

نسیمہ بیگم آج ایک بار پھر یہاں اپنے بیٹے کہ قسمت آزمانے چلی آئی تھیں اور کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا اُن کے پاس۔ ظہیر مراد پلوشے کو اپنے بچپن سے چاہتا آیا تھا۔ پلوشے کی شادی کے بعد بھی یہ چاہت ختم نہیں ہو سکی تھی۔ نسیمہ بیگم بیوہ خاتون تھی۔ ان کی شوہر کا انتقال کو سالوں گزر گئے تھے۔ ظہیر جب دسویں میں تھا جب اُس کے والد کا انتقال ہوا تھا۔

بچپن میں محلے کے تمام بچے ساتھ ساتھ ہی کھیلا کرتے تھے۔ رات میں اکثر وہ سب سائیکل چلایا کرتے تھے۔ انہیں دنوں ظہیر نے پہلی بار پلوشے شہزاد کو غور سے دیکھا تھا۔ دیکھتا تو دراصل وہ اُسے بچپن سے ہی آیا تھا۔ اُن دنوں ظہیر نے اُسے پہچانا تھا۔ اُسے معصوم سی پلوشے بہت اچھی لگی تھی۔ جو اپنے بھائیوں کو اپنی باری کی سائیکل چلانے دیتی۔ اپنے سے چھوٹے ہر کزن کا خیال رکھنا تو جیسے اُس پر فرض تھا۔ وقت گزرتا گیا اور وہ سب جوان ہو گئے۔ ظہیر کی پسندیدگی نا جانے کب محبت میں تبدیل ہوئی وہ جان ہی نہیں

سکا۔ پلوشے کے گھر والوں نے اُس کا رشتہ دینے سے جب انکار کیا تو کسی نہ کسی طرح اُس نے خود کو سمجھا لیا کے وہ اُس کی قسمت نہ تھی۔ پر پلوشے کی رخصتی کے ساتھ اُسے اس بات کا ادراک ہوا کہ پلوشے اکیلی نہیں گئی بلکہ اپنے ساتھ اُس کا دل بھی لے گئی ہے۔ اُس کی خاموش محبت اُس کا روگ بن گئی تھی۔ ماں اور بھائی کے لاکھ سمجھانے پر بھی وہ شادی نہیں کر سکا۔ اور برسوں بعد پلوشے کے حوالے سے محلے میں چہ مگوئیاں سُن کر اُس کا دل جیسے ایک بار پھر دھڑکنے لگا تھا۔

نسیمہ بیگم کے اس بار شادی کے اصرار پر وہ خاموش نہیں رہا تھا۔ اُس نے پلوشے شہزاد کا نام لیا تھا۔ نسیمہ بیگم نے بیٹے کو بہت سمجھانا چاہا کہ وہ طلاق یافتہ ہی نہیں بلکہ اُس کا ایک بچہ بھی ہے۔ پر ظہیر مراد کی اگلی بات نے تو جیسے ان کے چودہ طبق روشن کر دیئے تھے۔ وہ نہ صرف پلوشے بلکہ اُس کے بچوں کی ذمہ داری بھی کھلے دل سے نبھانا چاہتا تھا۔ نسیمہ بیگم نے یہ بات سمجھ لی تھی۔ اُن کے بیٹے کی زندگی میں اگر کوئی عورت آئیگی تو وہ پلوشے ہو گی۔ اور ایک بار پھر وہ اپنی جھولی زیتون محل کے فریقین کے آگے پھیلائے کھڑی تھی۔

"دیکھو زیتون بانو تم بھی جانتی ہی ہو میں کتنی سچی اور کھری بات کرنے والی عورت ہوں۔ اگر میں یہاں آئی ہوں تو اپنے بیٹے کی ضد کے آگے مجبور ہو کر نہیں آئی۔ اس لیے آئی ہوں کہ میں جانتی ہوں بغیر مرد کے بچوں کو پالنا کتنا مشکل ہے۔ میرے ظہیر کی کہانی تو آپ سب کو سنا ہی چکی ہوں۔ ایک بار اس گھر سے خالی دامن گئی تھی۔ اُمید ہے اس بار ایسا نہیں ہو گا۔ باقی پلوشے سے پوچھ کر آپس میں صلاح مشورہ کر کے جواب دے دینا۔" رسانیت سے کہتے انہوں نے پاس بیٹھی فیروزہ بیگم کو کہا تھا۔

وہ سب اس قدر حیران اور شاک تھے کہ کسی کی سمجھ میں کچھ آ ہی نہیں رہا تھا۔ فیروزہ بیگم تو بس ایک ہی بات سوچ رہی تھیں۔ کیا اللہ اس قدر مہربان تھا اُن کی بیٹی پر کے اس سب کے بعد بھی لاکھوں میں ایک لڑکا اُس کے لیے چُن بیٹھا تھا۔

قاسم مراد علی اور زیتون بیگم نے اُن سے وقت مانگا تھا۔ اس بار وہ پلوشے کی رضامندی کے بغیر کچھ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

****

"ظہیر مراد۔۔!" پلوشے نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ وا کئیے تھے پھر رُک گئی۔ خود پر ضبط کرتے آنکھیں میچیں اور پھر شہزاد صاحب اور قاسم مراد علی کو دیکھتے کہا۔

"مجھے۔۔۔ کسی سے بھی۔۔۔ کسی مطلب کسی بھی شخص سے شادی نہیں کرنی"۔ پھولے ہوئے تنفس سے گہری سانسیں لیتے شدت غم سے لال ہوتی آنکھوں کو جھپکاتے کہا۔ "دادا آپ۔۔۔ آپ فوراً انکار کر دیں گے۔ مجھے یا میرے بیٹے کو کسی کی بھی ضرورت نہیں۔ کم سے کم میں اپنوں بچے کو سہارا دینے کے لیے کسی سے شادی نہیں کر سکتی۔ بابا آپ نے تو کہا تھا آپ میری طاقت بنیں گے۔ پھر یہ سب کیوں۔ اگر۔۔۔ اگر میری دوبارہ شادی ہی کروانی تھی تو بہتر تھا عادل سے طلاق ہی نہ دلواتے۔"

"پلوشے پاگلوں جیسی باتیں مت کر۔ خوش قسمت ہے تو جو دوسری بار بھی اتنے اچھے گھر سے رشتہ آیا ہے۔ اور پھر ظہیر بچے کی ذمہ داری اُٹھانے کے لیے بھی تیار ہے۔ تجھے آخر مسئلہ کیا ہے۔۔؟" فیروزہ بیگم نے تیزی سے کہا تھا۔

"امّی۔۔۔میں اپنا جواب سنا چکی ہوں۔ دوبارہ کوئی بھی مجھ سے اس معاملے میں بات نا کرے۔" آنسوؤں کو درشتگی سے صاف کرتے وہ قاسم مراد علی کے کمرے سے چلی گئی تھی۔

جبکہ وہ سب ابھی تک شل بیٹھے تھے۔ اُن کے ہر حکم پر سر جھکا دینی والی وشہ یہ تو نہیں تھی۔ زندگی کی کرواہٹ نے اُسے بدل دیا تھا۔ پلوشے شہزاد اب بدل گئی تھی۔ اس بات کا ادراک وہاں بیٹھے چار لوگوں کو پہلی بار ہوا تھا۔

"پلوشے سے اب کوئی بات نہیں کریگا۔ وہ جو نہیں چاہتی وہ نہیں ہو گا۔" قاسم مراد علی زیتون بانو کو تھپکی دیتے اُٹھے اور فیروزہ بیگم کو دیکھتے پھر بولے۔ "اُس پر زور زبردستی کوئی نہیں کریگا۔ میری پوتی کی زندگی کا فیصلہ وہ اپنے آپ ہی کریگی۔ بچے اب بڑے ہو گئے ہیں شہزاد۔ ہمارے بچے اب بڑے ہو گئے ہیں۔" وہ بوڑھا شخص آنکھوں میں آنسوں لیے ہانپتے کانپتے کمرے سے باہر نکل رہا تھا۔

وہ سب جانتے تھے پلوشے کے جواب سے سب سے زیادہ دھچکا انہیں ہی لگا ہے۔ سالوں کا غرور بھی تو تھا کہ وہ اُن کی بات نہیں ٹالے گی۔ پر وقت بدلتا ہے اور بس پھر بدل ہی جاتا ہے۔ زیتون محل میں بھی وقت بدل رہا تھا۔

فیروزہ بیگم چُپکے سے اُٹھ گئی تھیں۔ ساری خوشی جیسے پل بھر میں معدوم ہو گئی تھی۔

ایک رات وہ یوں ہی کمرے سے باہر ٹہلتے ہوئے نکلی تھی اور قاسم مراد علی کو رات کے تین بجے آنگن میں بیٹھا دیکھ کر پلوشے کے قدم وہیں ٹھہر گئے تھے۔

زندگی گزانی تھی اُس نے۔ اور اس سب میں وہ یہ بھول گئی تھی کہ وہ زندگی جی بھی سکتی ہے۔

"دادا۔۔!س وقت یہاں کیا کر رہے ہیں؟"رات کے اس پہر انہیں باہر آنگن میں بیٹھے دیکھ وہ ٹھٹھکی تھی۔

"سوچ رہا ہوں آخر عادل سے رشتہ کرتے وقت ہم سے کہاں کہاں چوک ہو گئی جو اب میری پوتی کو اپنے دادے پر اعتبار نہیں رہا۔۔"تخت پر دونوں پیر اوپر کئے بیٹھتے ہوئے وہ پُر سوچ انداز میں گویا ہوئے۔

"دادا۔۔۔!"پلوشے نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔"آپ کو لگتا ہے میں اپنے ساتھ ہوئی زیادتیوں کا زمہ دار آپ سب کو سمجھتی ہوں۔۔؟"کرب سے پوچھا۔

"تو نہیں سمجھتی وشہ پر زمہ دار تو ہم ہیں نا۔۔یہی وجہ ہے کہ تو ظہیر کے لیے بار بار انکار کر دیتی ہے، کیونکہ تجھے اب ہمارے فیصلوں پر بھروسہ نہیں رہا ہے۔۔!"بے بسی سے اُسے دیکھتے کہا تھا۔وہ اپنی پوتی کو خوش دیکھنا چاہتے تھے۔ ظہیر کی والدہ آج پھر آئیں تھیں پر پلوشے اپنی بات سے ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی، انہوں نے سب سے تو کہہ دیا تھا کہ وہ پلوشے کو کچھ مت کہیں پر وہ ان کی پوتی تھی اگر وہ اپنے لیے صحیح فیصلہ نہیں لے پا رہی تھی تو وہ ٹھیک فیصلہ لینے میں اس کی مدد کرنا چاہتے تھے۔

"بھروسہ ہی تو صرف آپ سب پر ہے دادا۔۔۔دنیا پر بھروسہ نہیں ہے۔۔لوگوں پر بھی نہیں ہے۔۔" گہری سانس لیتے اس نے ان کا ہاتھ تھاما تھا۔"آپ چاہتے ہیں میں ظہیر سے شادی کر لوں؟اگر آپ کو یہ فیصلہ درست لگتا ہے تو ٹھیک ہے، پر میری ایک شرط ہے۔جب تک میں اپنے پیروں پر کھڑی نہیں ہو جاتی میں شادی نہیں کروں گی۔وہ کہتا ہے نا اُس نے سالوں تک میرا انتظار کیا ہے تو اُس سے کہیں وہ اگر وہ مزید انتظار کر سکتا ہے تو ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔"ان کے ہاتھ پر دباؤ دیتے اُس نے گہری سانس اندر کھینچی تھی۔ضبط کے باجود ایک آنسو پلکوں کی باڑ سے ٹوٹ کر گرا تھا۔

پلوشے کی یہ بات سُن کر گھر میں سبھی کہیں نا کہیں مطمئین ہو گئے تھے پلوشے کا پیغام بھی ظہیر تک دادا جان نے بذاتِ خود پہنچایا تھا اور اُسے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں تھا، ہو بھی کیسے سکتا تھا جب بغیر کسی امید کے اُس نے سالوں انتظار کیا تھا تو اس امید پر کہ وہ اسے مل جائیگی اس تھوڑے انتظار میں سوائے راحت کے اُسے کچھ نہیں دکھا تھا۔

****

حمیرا بیگم کچن میں ملازمہ کے ساتھ کھانا بنا رہی تھی۔ جبکہ سویرا کچھ دن سے اپنی والدہ کے گھر تھی۔ آج کل میں ہی اُس کی واپسی ہونی تھی۔ خضر باہر کھلی ہوا میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ صباح پلوشے سے فون پر بات کر رہی تھی۔ ظہیر والا قصّہ اب سب کو ہی معلوم ہو چکا تھا۔ اور ہر کوئی اپنی طرف سے پلوشے کو سمجھانے کی بھرپور کوشش میں لگا ہوا تھا۔ یہاں تک عائشہ نے تو اُس دن چھت والی بات کا حوالہ دے کر بھی کہا تھا کہ ظہیر بھائی واقع آپ کو پسند کرتے ہیں۔ پر پلوشے ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اُس نے انکار کیا تھا۔ اور پوری شدت سے کیا تھا۔

"ماریہ بیٹا جا کر تیار ہو جاؤ آج شام میں تمہارے پاپا کے فرینڈ فواد انکل آئیں گے اپنی فیملی سمیت۔ پہلے تو صباح کا رشتہ نہیں ہوا تھا تو ہم بھی چُپ ہو گئے اب خضر بھی یہاں ہے تو بس ہم چاہتے ہیں تمہارے فرض سے بھی سبکدوش ہو جائیں۔" حمیرا بیگم نے اُس کے بالوں کو سہلاتے پیار سے کہا تھا۔

ماریہ جہاں کھڑی تھی وہاں سے ہل بھی نہیں سکی۔ جھکا سر مزید جُھک گیا۔ "امّی میں۔۔۔۔۔وہ۔۔۔" وہ کہنا چاہتی تھی انہیں ضرار کے بارے میں سب بتانا چاہتی تھی۔ پر وہ نہیں کر سکی وہ اچھی بیٹی تھی اُس نے اپنا جھکا سر نہیں اُٹھایا تھا۔ آنسوؤں کا گولا حلق میں پھنس گیا تھا۔

اُسے آنسوؤں کے ساتھ اوپر جاتے اندر آتے خضر نے دیکھ لیا تھا۔ وہ جانتا تھا آج فواد انکل کس سلسلے میں آ رہے ہیں۔ ماریہ کے آنسوں حمیرا بیگم کے لیے جو معنی رکھتے تھے وہ خضر کے لیے وہ معنی نہیں رکھتے تھے۔ اُس کے آنسوؤں کا مطلب صرف اس گھر سے دور جانا یا شرمانہ گھبرانہ نہیں تھا۔ یہ اذیت میں بہتے ہوئے آنسوؤں تھے۔ کچھ تھا جو خضر کو عجیب لگ رہا تھا۔ اُس نے بعد میں ماریہ سے اس بارے میں پوچھنے کا سوچا اور فریش ہونے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

نمبر ملاتے اُس نے فون کان سے لگایا ایک بیل گئی پھر دوسری پھر تیسری۔ ضرار جو آفس کے کیبن میں بیٹھا تھا۔ فون کٹ کرنے کے لیے فون باہر نکالا۔ کیونکہ آفس میں وہ فون پر بات نہیں کیا کرتا تھا۔ پر ماریہ کا نمبر دیکھ اُسے یکدم جھٹکا لگا تھا۔ خطرے کی گھنٹی اُسے اپنے آس پاس بجتی ہوئی سنائی دی۔ چوتھی بیل پر اُس نے شاک سے نکلتے فون کان سے لگایا۔

"ماریہ؟" فون کان سے لگاتے ہی تصدیق کرنے کے لیے پوچھا۔

"ضرار۔۔" آنسوؤں پر بندھ باندھتے اُس نے اپنی سسکیوں کا گلا دبایا تھا۔ پر ہر کوشش پر پہلے سے زیادہ رونا آیا تھا۔

"ماریہ۔ سب ٹھیک ہے نا؟ کیا ہوا؟ رو کیوں رہی ہو تم؟ کچھ بتاؤ بھی؟ کچھ ہوا ہے کیا؟ کہاں ہو تم اس وقت ؟" گھبراہٹ میں ایک ساتھ ہی بہت سے سوال پوچھتے وہ اپنی جگہ سے اُٹھتے باہر کی طرف بڑھا تھا۔

"ضرار۔۔۔ می۔۔۔ میں نے ایک بار پڑھا تھا۔ عورت وفا صرف رشتوں سے کرتی ہے۔ بیٹی بہن ۔۔۔۔۔ بیوی ماں بن کر۔ عورت بس رشتوں کے لیے قربانی دیتی ہے ضرار۔ محبوب کے لیے اُس کے پاس صرف محبت ہی رہ جاتی ہے۔ میں اپنے رشتوں سے وفا کرنا چاہتی ہوں ضرار فیصل۔ میں اپنی محبت

رشتوں پر قربان کر رہی ہوں ضرار۔ میں غلط تھی۔ میں بہادر نہیں ہوں۔ میں اپنی ماں کی سامنے سر نہیں اُٹھا سکتی۔ میں اپنے باپ کو انکار نہیں کر سکتی۔ میں اپنے رشتوں کا سر نہیں جُھکا سکتی ضرار۔" آنکھوں سے بھل بھل آنسوں بہہ رہے تھے۔ ہونٹوں پر ہاتھ رکھتے اُس نے اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹا تھا۔

ضرار فیصل پارکنگ لاؤنج میں کھڑے جیسے زلزلوں کی ضد میں آ گیا تھا۔ وہ اُس عورت سے کیسے کہتا کہ اپنے رشتے میری محبت پر قربان کر دو۔ وہ جو رشتوں کے لیے اتنی بڑی قربانی دے رہی تھی وہ اُسے کیا کہتا ۔ آخر کیوں صرف وہ ہی کیوں۔ یہ محبت کا زہر اُسی کو پینا لازم کیوں تھا۔ اس زمانے میں بھی محبت مل جانا اتنا مشکل کیوں لگ رہا تھا اُسے۔

"ماریہ کیا تم مجھے بھول جاؤ گی؟" بچوں کے انداز میں کہا تھا۔ گاڑی سے ٹیک لگاتے اُس نے آسمان کی طرف سر کیا تھا۔ پانی کی ایک بوند اُس کی آنکھ سے گری تھی اور داڑھی میں جزب ہو گئی تھی۔ اور پھر نا جانے کتنی گرتی رہی اُسے اندازہ نہیں تھا۔ اُسے پرواہ نہیں تھی۔

دل جب کٹتا ہے تو بہت اذیت ہوتی ہے۔ اور پھر اُن دونوں کا تو محبت میں کٹ رہا تھا۔ وہ محبت جو زہر بن کر اب اُن کے خون میں گردش کر رہی تھی۔ آہستہ آہستہ آرام آرام سے وہ ہر نبض کاٹتی اور پیار سے مسکرا کر کہتی۔ بس اتنے میں ہی تھک گئے۔ جب طاقت نہ تھی زور نہ تھا تو کیوں کی تھی محبت۔ کیا تمہیں واقع محبت بچوں کا کھیل لگتا ہے۔ اور دل آنکھیں میچ کر کہتا "نہیں"۔ بس بچوں کا کھیل ہی تو نہیں لگتا۔

"کبھی نہیں۔۔" شدتِ غم سے نڈھال ہوتی آواز میں ماریہ نے کہا تھا۔ "پر میں کوشش کرونگی۔ لوگ بھول بھی تو جاتے ہیں نا ضرار۔ تم دعا کرو نا ہم یہ محبت بھول جائیں۔"

"تم مجھے بھول جانا چاہتی ہو ماریہ۔۔؟" آنکھیں میچتے لرزتی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

"ہاں میں محبت بھول کر۔۔ تمہیں بھول کر اپنے رشتوں سے وفا نبھاؤں گی۔"

"کیا بہت مشکل ہے پالینا؟ دنیا اب اتنی بھی کم ظرف نہیں ماریہ۔" ایک التجا تھی کوشش تھی۔ حوالہ تھا۔ ہمت دلانے کی ایک آخری کوشش جو وہ ہمیشہ سے کرتا آیا تھا۔

"میری دنیا تمہاری دنیا سے مختلف ہے ضرار فیصل۔ ہر لڑکی کی دنیا ہر لڑکے سے مختلف ہے۔" پلکیں بند کرتے آنکھوں میں موجود پانی گال پر بہایا تھا۔ آنکھیں بند کرتے سر پیچھے دیوار سے ٹکایا تھا۔

"تو کیا ہوا ہمارے دل تو ایک ہیں۔" ضرار نے بامشکل مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ پر وہ چاہ کر بھی نہیں مسکرا سکا۔ دل ایک ہوں بھی تو کیا فرق پڑتا تھا۔ دل کے ایک کونے سے جیسے اُسے جواب ملا تھا۔ وہ وہ فٹ پارتھ پر بیٹھ گیا تھا۔ آنکھیں بند کئے بس اُس کی سسکیاں سُن رہا تھا۔ اور اپنی دبا رہا تھا۔

وہ پلکیں میچتے اُجڑی ہوئی حالت میں زمین پر پڑی تھی۔ سوجا چہرہ بھیگی کالی گھنی پلکیں نیم متورم آنکھیں۔ پیلا زرد چہرہ۔ بس یہ تھی ماریہ حسن کی زندگی کی کہانی۔ یہاں محبت ختم ہوئی تھی۔ اب نئے رشتوں کا آغاز ہونا تھا۔

پھر شام ہوئی اسے بلایا گیا۔ ابھی وہ لوگ بس ایک فارمیلیٹی نبھانے آئے تھے۔ حمیرا بیگم اور حسن صاحب نے بھی فارمیلیٹی کے لیے بس اتنا ہی کہا کہ وہ آپس میں صلح مشورہ کرکے جواب دینگے۔ ماریہ کو تو جیسے قفل لگ گیا تھا۔ صباح فواد انکل اور ان کی بیٹی سے خوب باتیں کر رہی تھی۔ جبکہ ماریہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کہہ پائی۔ اُسے لگ رہا تھا جیسے قدرت نے اُس سے اُسکی آواز چھین لی ہے۔

Urdu Novels Ghar

خضر البتہ اس سب معاملے میں خاموش تھا۔وہ اس وقت ہر شخص کو بیٹھے صرف جانچ رہا تھا۔اپنے باپ کو اپنی ماں کو صباح کو اور سب سے زیادہ ماریہ کو۔ آخر کچھ تو تھا ماریہ میں جو ان سالوں میں بدل گیا تھا۔ جسے خضر سمجھنے سے قاصر تھا۔

"آپ نے ماریہ سے بات کی ہی اس معاملے میں۔۔؟"مہمانوں کے جاتے ہی ماریہ بھی اُٹھ کر جاچکی تھی۔ ان سب کے جاتے خضر سیدھا اپنے ماں باپ سے گویا ہوا تھا۔

"ہاں صبح بتایا تو تھا۔اور وہ پہلے سے جانتی ہے۔فواد بھائی پہلے بھی تو آچکے رشتہ لے کر۔"حمیرا بیگم نے بات کو ہوا میں اُڑایا تھا۔

"امّی میں پوچھ رہا ہوں۔آپ نے ماریہ کی رضامندی جانی ہے۔اُس سے پوچھا ہے وہ کیا چاہتی ہے۔"اب کی بار خضر نے ذرا اٹک کر کہا تھا۔

"ماریہ کو بھلا کیا اعتراض ہونا ہے۔تم صاف بات کرو کیا کہنا چاہ رہے ہو۔"اب کی بار حسن صاحب نے تحمل سے جواب دیا تھا۔

"میں بس یہ کہنا چاہ رہا ہوں بابا کہ ماریہ کی اجازت جے بغیر کچھ نہیں ہو گا۔"خضر نے دوک ٹوک انداز میں کہا تھا۔

صباح خاموشی سے وہاں سے اُٹھ کر کچن میں آگئی تھی۔جو اُس نے محسوس کیا تھا وہی خضر نے بھی کیا تھا۔پر صباح کے ذہن میں بار بار ماریہ اور ضرار کا ایک دوسرے کو دیکھنا۔اُس کی منگنی والی رات جھولے پر بیٹھے

باتیں کرنا۔ یہ سب کچھ اُسے غیر معمولی لگ رہا تھا۔ اور پھر ماریہ کا ضرار نامی کو شخص میلز بھیجتا دیکھنا اصل مسئلہ تھا۔ ان سوچوں کو جھٹکتے اب اُس کا سارا دیہان باہر ہونے والی باتوں کی طرف مبذول ہو گیا تھا۔

"ماریہ ابھی بچی ہے۔ اُسے کیا پتہ اُس کے لیے کیا ٹھیک ہے اور کیا نہیں۔ فواد میرا بہترین دوست ہے۔ صابر میری آنکھوں کے سامنے پلا بڑا ہے۔ کروڑوں کے مالک ہیں۔ نیک سیرت بھلے لوگ ہیں۔ آخر کیا خرابی ہے اس رشتے میں جو ماریہ اعتراض کریگی۔" احسن صاحب نے اُسے جھڑکتے کہا۔

" آپ کی بات درست ہے۔ وہ سب اچھے لوگ ہیں۔ پر میں پھر وہی کہوں گا۔ ماریہ کی دلی رضامندی سسب سے زیادہ اہم ہے۔ اگر وہ انکار کریگی تو آپ میں سے کوئی اُس کے ساتھ زبردستی نہیں کریگا۔ میں سویرا اور صہیب کو لینے جارہاہوں۔ پھر واپسی پر بات ہوتی ہے۔" درشتگی سے اپنی بات کہتے وہ جاچکا تھا۔

****

رات کے کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں ایک اہم پیشینٹ کی فائل لیے بیٹھا تھا۔ دروازہ ناک ہوا تو وہ سمجھا آزان ہو گا وہ اکثر رات دیر تک اُس کے کمرے میں ہی پایا جاتا تھا۔ پھر خدیجہ بیگم کو اندر آتے دیکھ کچھ حیرانگی سے فائل بند کرتے احتراماً کھڑا ہوا تھا۔

"اس وقت بھی کام لیے بیٹھے ہو ہاسپٹل میں وقت کم پڑ جاتا ہے کیا میرے بیٹے کو۔۔؟" خدیجہ بیگم نے ہلکی سی خفگی سے کہا۔

"کچھ نہیں امی بس ایک پیشینٹ کی ضروری فائل تھی۔ آپ بتائیں خیریت کچھ کام تھا تو مجھے بلوا لیا ہوتا۔" اذبان نے جواب دیتے پلنگ پر ان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

"خیریت تو بیٹا سب ہے۔ تم بتاؤ اب شادی کرنی ہے یا میری بھتیجی کو بس تکتے ہی رہنا ہے؟" خدیجہ بیگم نے چہرے پر مسکراہٹ لائے کہا۔ جبکہ اذبان کو تو ان کی بات یکدم پر اچھوں ہی لگ گیا تھا۔

"اب آنکھیں پھاڑے مجھے یوں مت دیکھو۔ اچھی طرح جانتی ہوں۔ تمہارے دل میں کیا بات ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے تم مجھ سے سب چھپا لو گے۔۔؟" اُس کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ کو دیکھتے انہوں نے کہا۔ "یہ بتاؤ بھتیجی کو بہو بنانے کب جانا ہے۔"

ان کی بات پر حیران تو وہ ہوا تھا۔ پر ساتھ وہ بغیر نور کی رضامندی کے معاملہ آگے نہیں بڑھانا چاہتا تھا۔ "میں کچھ وقت چاہتا ہوں امی۔ میں پہلے بذاتِ خود نور سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اُس کی رضامندی کے بغیر کچھ نہیں ہونا چاہیئے۔" ہلکی سی آواز میں کہہ کر اُس نے جیسے انہیں بہت کچھ ازبر کروا دیا تھا۔

"اور اگر وہ انکار کر دے تو۔۔؟" خدیجہ بیگم نے اب کی بار کچھ سنبھل کر اسے غور سے دیکھتے کہا۔

"امّی پلیز! میں فلحال کچھ نہیں سوچنا چاہتا۔ میں اُس سے محبت کرتا ہوں۔ پر اُس کی رضامندی کے بغیر کچھ چاہتا بھی نہیں۔ آپ بس میرے لیے دعا کریں۔"

"اذبان سنبل عابص کے لیے نور کو چاہتی ہے۔ یہ بات جانتے ہو نا؟ نور خوبصورت ہے پڑھی لکھی ہے اُس کے ایک نہیں سو رشتے آئیں گے اور ہر بار قسمت ساتھ نہیں دیا کرتی میرے بیٹے۔" جیسے اس ایک جملے میں انہوں نے اسے بہت کچھ باور کروا دیا تھا۔ "اگر تم کسی قسم کی کوئی تسلی چاہتے ہو تو کر لو۔ پر میں انتظار نہیں کرونگی۔ وہ بھی اُس صورت میں جب میں جانتی ہوں کہ دیر کرنا سراسر بے وقوفی ہے۔ میں نے فون پر امّی کے کان میں بات ڈال دی ہے۔ وہ زبیر اور روبی سے مشورہ کر کے بتائینگی۔ جب تک تم چاہو تو نور

سے بات کر سکتے ہو۔ بلکہ اگلی بار جب جائینگے تو تم نور سے بات کر لینا اور میں بذاتِ خود روبی اور زبیر سے بات کر لونگی۔"

اُس نے بس خاموشی سے سر ہلایا تھا۔ جب کے دل میں ایک عجیب طوفان برپا تھا۔

کچھ دیر بعد خدیجہ بیگم ادھر اُدھر کی بات کر کے چلی گئی۔ جبکہ اذبان کو گہری سوچ نے آ گھیر ا تھا۔

****

"صالحہ باجی کی بیٹی کی شادی میں کون جائیگا امّی جی۔ سنبل کا تو آپ کو پتہ ہے طبیعت بوجھل رہتی ہے اُس کی ۔ میں نے کہا بھی ایک بار اذبان کو بتاوہ جو دوا دے پھر وہی استعمال کر۔ پر سمجھتی کہاں ہے۔ بس جو ایک بار پلوشے کے ساتھ گئی ہے ہسپتال اُس کے بعد سے دوبارہ جانے کی زحمت تک نہیں کی ہے اس نے۔ اور روبی کی تو وہاں کسی سے بنتی نہیں۔ پھر نجمہ یا شیر بانو پھپھی جان نے بھی وہاں ہونا ہے۔ اور میرا تو آج زارا سے ملنے جانے کا ارادہ ہے۔"

"ہاں تو تیرے ابّا کو بول جا کر لفافہ دے آئیں۔ بیٹی ذات کی شادی ہے نہ جانا بھی بُرا لگے گا۔" دادی جان نے فیصلہ سناتے کہا۔

اور دادا جان نے بڑی مشکل سے اپنے ساتھ پلوشے کو چلنے کے لیے منایا۔ جب سے عدت ختم ہوئی تھی وہ کہیں نہیں گئی تھی۔ آخر بہت منت سماجت کے بعد وہ مان ہی گئی تھی۔

گلابی رنگ کا ہلکے کام والا سوٹ پہنے بغیر میک اپ کے بس ہلکی پھلکی تیاری کے ساتھ وہ قاسم مراد علی کے ساتھ روانہ ہوئی تھی۔

شہزاد صاحب نے دونوں کو چھوڑ دیا تھا۔ اور واپسی پر عدیم نے لینے آنا تھا۔ چونکہ اب داداجان کی عمر ہو گئی تھی۔ تو وہ ٹھیک سے گاڑی نہیں چلا پاتے تھے۔ اور کوئی یہ رسک لینا بھی نہیں چاہتا تھا۔

نجمہ بیگم اور شیر بانوں دادی کے ساتھ ہی پلوشے بھی ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی۔ ساتھ ہی احمد کے ساتھ کھیلنے بھی لگتی۔ عرصے بعد خاندان میں پلوشے کو دیکھ چہ مگوئیاں شروع ہوئیں تھیں۔

"ماشاءاللہ پلوشے بیٹا تو بڑا پیاری ہے تیرا۔" خاندان کی ایک بزرگ خاتون نے احمد کو پیار کرتے کہا۔

"شکریہ۔" ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُس نے بس اتنا ہی کہا۔

"بچے کے لیے ہی گھر بسا لیتی تو کیا جاتا تیرا بیٹا۔ دنیا بڑی ظالم ہے۔ بیٹے کا ہی سوچ لیتی۔ کم سے کم باپ کا سایہ تو رہنے دیتی۔ اب بن باپ کے کیسے پالے گی اکیلے۔ اسی کا منہ دیکھ کر صبر کر لیتی۔" وہ بزرگ خاتون داداجان کے چھوٹے بھائی کی بیگم تھیں۔

"اپنی بیٹے کا سوچ کر ہی تو یہ فیصلہ کیا تھا میں نے۔" پلوشے صرف سوچ سکی۔ زبان تو اس کی ویسے ہی کبھی نہیں اُٹھی تھی۔ بس گونگی بنے سر ہلاتی رہی۔ اور اُس کی اسی حرکت سے باقی سب کو شہ ملی۔ اب کی بار بولنے والی نجمہ بیگم تھی۔

"وہی تو مامی۔ میری امی نے تو خود اتنا سمجھایا گھر ایسے ہی تھوڑی توڑ دیے جاتے ہیں۔ اور پھر اس کے سسرال والوں نے تو منتیں بھی اتنی کی تھی۔ وہ آدمی تو طلاق دینے پر راضی ہی کہاں تھا۔ یہ تو زارون کا خون جوش مارا اور نا جانے کیسے اس نے طلاق دلوائی۔ امی تو وہی تھی اس سب کے دوران پر مجال ہے جو کسی

نے میری امی کی سنی ہو۔" نجمہ بیگم نے بھی اپنا حصّہ ڈالنا ضروری سمجھا تھا۔ جبکہ احمد کی شرٹ درست کرتی پلوشہ شیر بانو دادی کی بات پر رکی تھی۔

"گھر عورت بساتی ہے پلوشے۔ تیرا گھر بھی تجھے ہی بسانہ تھا۔ قربانیاں دیئے بغیر گھر نہیں بستا۔ پر خیر اب کہاں کچھ ہو سکتا ہے۔" شیر بانوں دادی نے اپنی بات کہہ کر جیسے معاملہ رفع دفعہ کرنا چاہا۔ جبکہ پلوشے کے کانوں میں ہمیشہ کی طرح بس اس ایک جملے کی بازگشت ہونے لگی۔

"گھر عورت بساتی ہے"۔

قاسم مراد علی صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تھا تو وہ بغیر پرواہ کئے بول پڑے۔ آخر کب تک محفل کا لحاظ کرتے چُپ رہتے۔

"بس آپا بہت کہہ لیا سب نے۔ لوگ کہتے ہیں گھر عورت بساتی ٹھیک کہتے ہیں۔ گھر عورت ہی بساتی ہے۔ پر گھر بچاتا کون ہے؟ گھر مرد بچاتا ہے۔ جب مرد گھر بچانا چاہے تو وہ اپنا گھر بچالیتا ہے۔ پر عادل جیسا شخص گھر بچانا نہیں جانتا آیا۔ میری پوتی نے تو اپنا گھر بسانے میں کوئی کثر نہیں چھوڑی۔ مجھے اُس پر فخر ہے۔ یہ قاسم مراد علی کی پوتی ہے۔ اسے گھر بسانہ بھی آتا ہے اور بچانہ بھی۔ پر یہ جانتی ہے گھر انسانوں کے ساتھ بسائے جاتے ہیں۔ حیوانوں کے ساتھ نہیں۔ جن کے بچوں کے لیے میری پوتی کو اپنی اس عدالت میں کھڑا کر رہی ہیں آپ۔ یہ انہیں بچوں کے مستقبل کی فکر میں سب کر گزری۔ اس نے تو سالوں تک خود پر گزرنے والی قیامت ہمیں بتائی تک نہیں تھی۔ اُٹھ پلوشے میرا ہاتھ تھام کر مجھے گاڑی تک لے جا۔"

آنسوؤں میں بھیگا چہرہ اور کانپتے ہاتھ۔ جنہیں پلوشے نے تھام لیا تھا۔ احمد کو گود میں اُٹھائے اس نے دادا

جان کا ہاتھ تھاما تھا۔ باہر کی طرف جاتے ہر شخص قاسم مراد علی اور ان کی پوتی کو دیکھ رہا تھا۔ وہاں موجود ہر لڑکی نے یہ دعا کی تھی کہ کاش اُس کے گھر والوں کی سوچ بھی ایسی ہوتی۔

باہر جاتے پلوشہ نے اُس بوڑھے شخص کو دیکھا۔ جس کا قد اب پہلے جیسا اونچا نہیں تھا۔ کمر جُھک چکی تھی۔ چہرے پر جُھریاں تھی۔ کچھ کام کرتے وقت ہاتھ کپکپاتے تھے۔ وہ جو ہم بچپن سے سُنتے ہیں ناگھر کے بڑے گھر کی رونق ہوتے ہیں۔ دراصل گھر کے بڑے گھر کا ستون ہوتے ہیں۔ بنیادیں ہوتے ہیں۔ اُسے سمجھ آیا تھا اگر یہ ستون اور بنیادیں اُس کی زندگی میں نہ ہوتی تو وہ آج کس قدر مشکل میں ہوتی۔ آج صرف پلوشے کو ہی نہیں قاسم مراد علی نے وہاں کھڑی ہر عورت اور ہر مرد کو یہ اپنے عمل سے بتایا تھا۔ کہ اگر گھر بسانہ عورت کا کام ہے تو گھر بچانہ مرد کا کام ہے۔ کاش یہ معاشرہ یہ بات سمجھ لے۔ کاش وہ یہ بات سب کو سمجھا سکتے۔

یہ "گھر عورت بساتی ہے" سے لے کر "گھر مرد بچاتا ہے" تک کا سفر تھا۔

گھر آکر داداجان نے کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ جلدی آنے کا پوچھا تو کہا۔ جلدی فارغ ہو گئے تو جلدی آ گئے۔ جب انہوں نے کچھ نہیں کہا تو پلوشے نے بھی خاموشی کی بند باندھ لی۔ پر آج وہ واقع سوچ میں پڑ گئی تھی۔ اگر اُس کی زندگی کے یہ ستون اُس سے چھین لیے جائیں تو اُس کا کیا مستقبل ہو گا۔ اُسے ظہیر کو لے کر اپنے فیصلے پر اب قدرے اطمینان تھا۔

عدیم نے بہت پہلے اُس سے کہا تھا کہ وہ یوٹیوب چینل بنا لے۔ کیونکہ اُس کی کوکنگ اور بیکنیگ دونوں ہی لاجواب تھی۔ نور نے بھی تھوڑی بہت بیکینگ پلوشے سے ہی سیکھی تھی۔ اُس نے اب اس کام کو لے کر سنجیدہ ہونا چاہا تھا۔ وہ گھر بیٹھے کم سے کم یہ تو کر ہی سکتی تھی۔

****

ماریہ کے کمرے میں آتے ہی انہیں صباح کی کہی بات پر اعتبار آنے لگا تھا۔ کمرے کی بکھری حالت اور ماریہ کا چہرہ جیسے انہیں بہت کچھ باور کروا رہا تھا۔

وہ ابھی منہ دھو کر باتھروم سے باہر آئی تھی۔ تولیے سے چہرہ پونچھتے اُس کا ارادہ کمرے کی بکھری حالت کو ٹھیک کرنا تھا۔ پر سامنے ہی حمیرا بیگم کو دیکھ وہ اپنی جگہ چور سی ہو گئی تھی۔

"کمرے کی کیا حالت کی ہے تم نے یہ؟ اور اپنا کیا حشر کیا ہوا ہے۔۔؟ برہمی سے کہتے وہ بکھری ہوئی بیڈ شیٹ درست کرنے لگی تھی۔

"ابھی ٹھیک کر لونگی۔ آپ رہنے دیں ممّی۔" ماریہ آہستہ آواز میں بولتی ان تک آئی تھی اور چادر درست کرنے لگی تھی۔

"ضرار کو کب سے جانتی ہو ماریہ۔ کیا اُس کے اور تمہارے بیچ کسی قسم کی کوئی شناسائی ہے؟" حمیرا بیگم کے اگلے جملے نے اسے ساکت کر دیا تھا۔

چادر جہاں تھی وہی رہ گئی۔ اور ماریہ باقاعدہ کپکپانے لگی تھی۔

"ممّی میں۔۔۔" وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی پر آنسوؤں نے زبان پر قفل لگا دیا۔

"تو کیا واقع تمہارے اور ضرار کے بیچ میں۔۔۔" صدمے سے دوچار ہوتے انہوں نے کہا۔ جبکہ ماریہ کی اب باقاعدہ ہچکی بندھ گئی تھی۔

"صباح نے کہا تھا مجھ سے کے تم ضرار نامی کسی لڑکے سے چیٹ پر بات کرتی ہو۔ مجھے لگا کوئی دوست ہو گا۔ پر یہ روبی کا بھتیجا ہو گا میرے ذہن میں بھی نہیں آیا۔ماریہ اس سب کے لیے بھروسہ کیا تھا ہم نے تم پر۔ زوبی سے تمہاری دوستی پھر اُس کے گھر آنا جانا یہ سب ضرار کی وجہ سے تھا۔۔؟ اور ابھی اتنا کچھ ہو گیا میں اور تمہارے بابا تمہاری بات پکّی کرنے لگے ہیں۔ اور یکدم ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہماری بیٹی تو کہی اور ہی گُل کھلائے بیٹھی ہے۔" درشتگی سے کہتے وہ ماریہ کے جزباتوں کا گلا گھونٹ رہی تھیں۔

"ممّی میرے اور اُس کے بیچ کچھ نہیں تھا۔ پلیز یقین کریں۔۔۔۔ مجھ مجھے تو خود نہیں پتہ تھا وہ نور اور ہادی بھائی کا کزن ہے۔ میں نے اُس سے کبھی کوئی چیٹ بھی نہیں کی۔ ممّی پلیز۔۔!" ہچکیوں سے روتے ہوئے اس نے انہیں ساری بات بتائی تھی۔

"صباح سے ہی کچھ سیکھ لیتی ملّی ہم نے جہاں کہا اُس نے وہاں سر خم کر دیا۔ اور تم اب کیا جواب دو نگی میں تمہارے باپ کو۔۔؟" اشتعال میں کہتے دھڑ سے دروازہ بند کرتے حمیرا بیگم باہر چلی گئی تھی۔

درشتگی سے آنسوں صاف کرتے اُس کے ذہن میں صرف ایک ہی نام گونج رہا تھا۔ "صباح" صباح نے بتایا ۔صباح نے کیا۔صباح نے کہا۔ دل میں ایک ٹیس سی اُٹھی تھی۔ اور وہ صباح کے کمرے کی طرف چل دی تھی۔

****

سنبل بیگم اور روبی بیگم کے اصرار پر دادی جان اور دادا جان گھر کے سارے بڑوں کے ساتھ خدیجہ بیگم کے گھر ہادیہ اور علیشبہ کے رشتے کی باقاعدہ بات کرنے گئے تھے۔ درحقیقت دادی جان پہلے ہی خدیجہ بیگم کے کان میں بات ڈال چکی تھی۔ اندر ہی اندر خدیجہ بیگم اور موسیٰ صاحب اُن کے آنے کا مقصد جانتے

تھے۔ یہ حیران کُن بات اذبان اور آزان کے لیے ثابت ہوئی تھی۔ کیونکہ علیشبہ اور ہادیہ کو تو ساری لڑکیوں نے سب بتا ہی یا تھا۔

اذبان نے فوراً عابص کو فون کھڑکایا تھا کیونکہ اذبان کی سب سے زیادہ بنتی ہی اُس سے تھی۔ وہ جب زیتون محل جاتا اُسی کے کمرے میں ٹھہرتا اس سب کے باوجود وہ اتنی بڑی بات سے بے خبر تھا۔ اور پھر عابص نے بھی سب سچ سچ اذبان کو بتا دیا۔ جبکہ ہادی کے بارے میں تو اُسے بھی سب کی طرح اندر ہی اندر سب پتہ تھا۔ پر عابص کی علیشبہ کے لیے پسندیدگی اُسے واقع حیرت میں ڈال گئی تھی۔ اور پھر زارون کا اس سب میں جو کرادار عابص نے بیان کیا تھا۔ اُس سے اذبان فلحال اسے صرف "کمینہ" ہی کہہ سکتا تھا۔

خدیجہ بیگم تو دونوں کے لیے رضامند تھی پر موسیٰ صاحب نے بہت صاف اور کھری بات کر دی تھی۔

" آپ بڑے ہیں۔ ہمارے گھر جس مقصد سے آئیں ہیں ہم جانتے ہیں۔ آپ کو انکار نہیں کر رہے۔ عابص کے لیے میں صلاح مشورے کے بعد جواب دے دونگا۔ اور انکار کی کوئی گنجائش بھی نہیں نکلتی۔ پھر کچھ رُکے اور زبیر صاحب کو براہِ راست دیکھتے ہوئے کہا۔ دیکھو زبیر تم مجھ سے بہتر جانتے ہو باہر کا ماحول ہر فرد پر الگ طریقے سے اثر انداز ہوتا ہے۔ ہادی ابھی باہر چلا جائیگا۔ اگر وہاں وہ کسی کو پسند کر لیتا ہے تو میری بیٹی کا کیا ہو گا۔۔؟ میں ہادی سے بہت پیار کرتا ہوں۔ اُس پر بھروسہ بھی کرتا ہوں۔ پر ہمارا خاندان ایک چوٹ کھا چکا ہے۔ اور اُس کا انجام بھی سب کے سامنے ہی ہے۔ میں اپنی بیٹی کو فلحال ہادی کے ساتھ منسوب نہیں کر سکتا۔ ہاں البتہ میں تمہیں بس ایک فیور دے سکتا ہوں کہ جب تک ہادی واپس نہیں آتا۔ میں ہادیہ کی کہیں اور بات نہیں چلاؤ گا۔ پر اس کی بھی کوئی گارنٹی نہیں اگر میری بیٹی چاہے تو وہ انتظار کر

سکتی ہے۔ اگر نہ چاہے تو نہیں۔ باقی اگر اللہ نے چاہا تو ہادی کی واپسی پر اس بارے میں انشاءاللہ بات ہو گی ۔" نرم سے لہجے میں وہ انہیں ہادی کے حوالے سے جواب دے چکے تھے۔

جس پر پہلے تو روبی بیگم کا منہ بنا۔ لیکن پھر بعد میں سمجھداری کا مظاہرہ کرتے سب نے ہی ان کے فیصلے کو سراہا تھا۔

ہادی اس سب کے بعد مزید بُجھ گیا تھا۔ پر وہ جانتا تھا۔ یہ ایک باپ کا اپنی بیٹی کے لیے بہترین فیصلہ ہے۔

جبکہ عابص آج کل خوش خوش تھا۔ اور چلتے پھرتے زارون کو تنگ کرنے کا کوئی بہانہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ آخر اب یہ اُس کے زارون کو تنگ کرنے کے دن تھے۔

روبی بیگم اور زبیر صاحب کو جب زیتون بانو اور قاسم مراد علی نے خدیجہ بیگم کی نور اور اذبان کے رشتے کے حوالے سے سوچ بتائی تو انہوں نے وقت مانگا تھا۔ پر انہیں اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ بس ایک بار نور کی رضامندی پوچھنی تھی۔ اور پھر ہادی کے جانے سے پہلے ہی وہ فیصلہ کر لینا چاہتے تھے۔

****

وہ اپنے کمرے میں اپنی منگنی کی پکچرز دیکھنے میں مصروف تھی۔ اچانک دھڑ سے دروازہ کُھلنے پر اُس نے فوراً دروازے کی جانب دیکھا۔ اور ماریہ کو دیکھ شل سی رہ گئی۔ لیپ ٹاپ بند کئے وہ فوراً آگے بڑھی تھی۔

"ملّی تم رو کیوں رہی ہو۔۔؟ کیا ہوا ہے۔۔؟" صباح کو اسے دیکھ بہت کچھ خراب لگا تھا۔

"ضرار کے بارے میں ممّی کو آپ نے بتایا ہے صباح باجی۔۔؟پانی سے لبریز آنکھوں اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ملّی میں نے انہیں بس کہا کہ وہ پہلے تمہاری رضامندی پوچھ لیں۔"صباح نے صفائی پیش کرتے کہا۔

"ضرار کے بارے میں آپ نے بتایا ہے یا نہیں۔۔؟ماریہ نے ایک بار پھر پوچھا پر ایک باری لہجہ خزاں کی طرح جھڑتا ہوا تھا۔

"ہاں بتایا ہے پر ہوا کیا ہے۔"صباح نے نا سمجھنے والے انداز میں پوچھا۔

"آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہیں صباح باجی۔۔۔کیسے۔۔۔؟ آپ اپنی بہن کو سب کے آگے کیسے رسوا کر سکتی ہیں۔۔۔؟ آپ نے ایک بار بھی مجھ سے پوچھنا تک گورا نہیں کیا اور جو دل میں آیا چاہے وہ صحیح ہو یا غلط وہ سب ممّی کو کہہ دیا۔۔۔کیوں۔۔؟کیا ملا آپ کو یہ کر کے۔۔؟"چیخ چیخ کر روتے ہوئے وہ چلائی تھی۔اور پہلی بار صباح کو اُس سے ڈر لگا تھا۔اُس کی آنکھوں کی وحشت صباح کا دل دہلا رہی تھی۔

"ملّی میرا ایسا کوئی مقصد نہیں تھا۔میں بس چاہتی تھی سب کچھ تمہاری مرضی کے مطابق ہو۔ضرار کے حوالے سے شک تھا جبھی ممّی سے کہا کے وہ پہلے تم سے پوچھ کر کلئیر کر لیں۔"ابھی وہ اور بھی کہتی کے ماریہ بول پڑی۔

"آپ نے میری شخصیت برباد کر دی صباح باجی۔آپ نے مجھ سے میں بن کر رہنے کا حق چھین لیا۔سب چاہتے تھے میں آپ کی طرح رہوں اور پھر میں ماریہ سے صباح بن جاؤ۔اور میں کوشش کر تو رہی تھی۔ میں نے محبت قربان کر کے رشتوں کو چُنا۔پر آپ نے مجھے یہ بھی نہیں کرنے دیا۔کیوں کہ ایسا کر کے میں

آپ کی برابری پر آجاتی۔۔ میں بھی تو آپ کی طرح ان کے آگے سر جھکا گئی تھی نا۔ پر آپ۔۔۔۔ آپ نے مجھے رسوا کر دیا۔ پر آپ سے یہ بھی برداشت نہیں ہوا۔۔ آپ نے اپنی بہن کو اسی کی نظروں میں کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی گنہگار بنادیا۔" شکست خوردہ انداز میں دھیمے دھیمے ہچکیوں کے بیچ میں بولتے وہ وہاں سے چلی آئی تھی۔ اور اس سب میں وہ خضر کی دروازے پر موجودگی کو سرے سے نظر انداز کر گئی تھی۔

البتہ صباح ملّی کی باتوں کے زیرِ اثر اب تک صدمے کی حالت میں جوں کی توں کھڑی تھی۔ اُس نے تو صرف ملّی کے لیے حمیرا بیگم کو یہ کہا تھا کہ وہ ماریہ کی رضامندی پوچھ لیں۔ اور اُس نے بہت ہی آرام سے انہیں سمجھانا چاہا تھا کہ ملّی شاید ضرار کو پسند کرتی ہے۔ پر وہ یقین سے نہیں کہہ سکتی اس لیے وہ اُس سے پوچھ لیں اور وہی کریں جو اُس کی رضامندی ہو۔ پر حمیرا بیگم ملّی سے اس انداز میں بات کرینگی اگر اُسے ذرہ برابر بھی اندازہ ہوتا تو یہ سب کبھی نہ کرتی۔ اُس نے تو یہ سب صرف اُس کے لیے کیا تھا۔ اور وہ نہ جانے کیا سمجھ بیٹھی تھی۔ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی اُسے اپنا آپ مجرم لگا تھا۔

دروازے پر کھڑا خضر جو سب کچھ سُن اور سمجھ چکا تھا۔ صباح کے قریب آیا صباح نے نظر اُٹھا کر خضر کو دیکھا تھا ایک آنسوں کا قطرہ آنکھ سے بہا تھا۔ جسے اُس نے فوراً صاف کر لیا تھا۔ صباح حسن کبھی نہیں روتی تھی اُسے رُلانہ دنیا کا مشکل ترین کام تھا۔ آج بھی بس ایک قطرہ آنکھ سے بہہ گیا جسے وہ چاہ کر بھی نہ روک پائی۔

خضر نے اُس کے سر پر تھپکی دیتے اُسے پیار سے گلے سے لگایا تھا۔ "وہ غصے میں تھی صباح۔ اس لیے ایسا کہہ گئی۔ پر تمہیں پھر بھی ممّی سے پہلے ایک بار خود ملّی سے بات کر لینی چاہیئے تھی۔ یا پھر تم مجھ سے کہہ دیتی۔

تم نے ایسا کر کے غلط کیا صباح تمہیں اس لیے نہیں کہہ رہا کہ تم شرمندہ ہو اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آئندہ کچھ بھی ہو پہلے تم ملّی آپا مجھ سے ڈسکس کرو گی۔" آرام سے اُسے سمجھایا تھا۔

"بھائی مجھے نہیں پتہ تھا ممّی یہ سب کہینگی اُسے ورنہ میں کبھی نہیں کہتی ایسا کچھ۔" موٹے موٹے آنسوؤں کو آنکھ سے گرنے سے پہلے ہی صاف کرتے اُس نے کہا تھا۔

"جانتا ہوں۔ پر اُس کے ساتھ غلط ہوا ہے صباح۔ سب اُسے تم بنانے کے چکر میں یہ بھول گئے کہ یہ سب کر کے وہ ماریہ کی ذات اُس کے کرادار میں تضاد پیدا کر رہے ہیں۔ تم بیٹھو آرام سے اور اُس کی باتوں کو دل سے ہر گز مت لگانا۔ میں بات کرتا ہوں اُس سے بھی اور ممّی سے بھی۔ اگر وہ ضرار کو پسند بھی کرتی ہے تو اس میں کچھ غلط نہیں ہے۔ شادی پاپا کی کوئی بزنس ڈیل نہیں ہے۔ یہ دلوں کے رشتے ہوتے ہیں اور ان میں دلوں کی رضامندی ہونا بے حد ضروری ہوتی ہے۔"

"جی۔۔۔" خود پر قابو پاتے اُس نے مسکراتے ہوئے خضر سے کہا تھا۔ اس وقت خضر ماریہ کی طرفداری کرتا ہوا اُسے کہیں نا کہیں بُرا لگ رہا تھا اور وہ یہ سوچ رہی تھی کہ اتنے سالوں ماریہ نے یہ سب کیسے برداشت کیا ہو گا۔ وہ اُس کی بہن تھی اور اُس کی بہن اُس کے کمرے سے روتے ہوئے ٹوٹے بکھرے حلیے میں گئی تھی۔ دل کا ایک کونا یہ سوچ کر بے چین تھا کہ ماریہ اسے غلط سمجھتی ہے اُس کی بہن کے دل میں اس کے لیے نفرت ہے۔

جبکہ خضر اب ماریہ کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ دروازہ کھولتے ہی وہ پلنگ کے سہارے بیٹھ کر رونے میں مشغول تھی۔ اور اُس کی شکل دیکھ کر ہی اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ عمل کب سے جاری ہے۔

چہرہ گھٹنوں سے اُٹھائے اُس نے خضر کو دیکھا تھا۔ جو اب اُس کے برابر میں آبیٹھا تھا۔

"بھائی میں نے واقع کچھ بُرا نہیں کیا ہے۔ آپ بے شک نور سے پوچھ لیں۔ اُسے سب پتہ ہے۔۔" ہچکیوں سے روتے ہوئے اُس نے کہا تھا۔

"اپنی بہن کے کردار کی گواہی مجھے کسے دوسرے سے لینے کی ضرورت نہیں ہے میں اُسے باخوبی جانتا ہوں۔ پر تم نے یہ کیوں کیا ماریہ۔۔؟" آنکھوں میں چُبھن لیے خضر نے اُسے دیکھتے پوچھا۔

جبکہ ماریہ سر جُھکا گئی۔ اب وہ چاہ کر بھی سر نہیں اُٹھا سکتی تھی۔ اُس نے محبت کرنے کی غلطی جو کرلی تھی۔

"تمہیں کچھ بھی برداشت کرنے کی ضرورت نہیں تھی ملّی۔ تمہیں صباح بننے کی ضرورت نہیں تھی۔ تم تم ہو اور اپنے آپ میں ہی خاص ہو۔ تمہاری سنجیدہ کام سے کام رکھنے والی ہر جگہ بغیر خوف کے اکیلے چلے جانے کی ہمت پا لینے والی پر سنیلیٹی مجھے بے حد پسند تھی ملّی۔ پر جب میں واپس آیا تو تمہیں بدلہ ہوا پایا۔ میں سوچتا رہا آخر کیا بدلہ ہے تم میں اور کیوں؟" سوالیہ انداز میں اتنی دیکھتے کہا۔ پھر آگے کہنا شروع ہوا ۔"کیوں کے تم خود کو کھو رہی تھی ملّی۔ سب نے کہا صباح جیسی ہو جاؤ اور تم ہونا شروع ہو گئی۔ آخر کیوں؟" گہری سانس خارج کرتے پھر گویا ہوا۔ "تم صباح نہیں ہو، تم ماریہ ہو۔ پوری دنیا سمیت اگر تم چاہو بھی تب بھی تم صباح نہیں بن سکتی کیونکہ تم ماریہ ہو تم کسی اور کی ذات کا ماسک خود پر نہیں چڑھا سکتی۔ تمہاری ایک الگ شخصیت ہے جو بہت خاص ہے۔" اُسے دیکھتے وہ گہرے سنجیدہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ جبکہ وہ دم سادھے بس اُسے سُن رہی تھی۔

"کسی کو پسند کرنا یا اُس سے شادی کی خواہش رکھنا غلط نہیں ہے ماریہ۔ تمہیں کوئی ضرورت نہیں تھی اپنا دل مارنے کی۔ اپنے دل پر سے یہ بوجھ ہٹا لو کہ تم نے کچھ غلط کیا ہے۔ اور صباح کے لیے اپنے دل میں کوئی

Urdu Novels Ghar

میل نہ رکھنا۔ اس میں اُس کا کوئی قصور نہیں۔ وہ تمہاری بہن ہے۔ اور تم سے بہت پیار کرتی ہے۔ اور اس بات میں تمہیں کوئی شک و شبہات نہیں ہونے چاہیئے۔" تنبیہی انداز میں اُسے دلاسہ دیتے کہا۔

"جانتی ہوں وہ مجھ سے پیار کرتی ہیں، آئی ایم سوری مجھے انہیں ایسا نہیں کہنا چاہیئے تھا ان کی بات سُن لینی چاہیئے تھی۔" آنسوں صاف کرتے اُس نے سرگوشی کی تھی۔

"یہ سب اب تم دونوں بہنیں مل بیٹھ کر ایک دوسرے کو سمجھانا خون کے رشتوں میں غلطفہمیاں آجائیں تو وہ تباہ ہو جاتے ہیں ملّی۔ چلو اب اُٹھو اور بے فکر رہو۔ مجھے ضرار کا نمبر دو۔ میں بات کرونگا اُس سے۔" ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہتا وہ اب اُس سے نمبر لے رہا تھا۔ البتہ روئے روئے چہرے کے ساتھ بھی ماریہ کے چہرے پر اطمینان واضح چھلک رہا تھا۔

* * * * * * * * * * * * *

آج کا پورا دن بس وہ کمرے میں بند رہا تھا۔ اُس کی زندگی میں کوئی نہیں تھا جو یہ جاننے کی کوشش کرتا کہ وہ اس وقت کس حالت میں ہے۔ کیا اُس نے صبح سے کچھ کھایا ہے۔ کہی وہ پریشان تو نہیں۔ ضرار فیصل کی تنہا زندگی میں وہ تنہا ہی تھا۔ اُسے ایک بار پھر قدرت نے تنہا کر دیا تھا۔

موبائل بجا اور پھر بج بج کر خود ہی بند ہو گیا۔ بیل ایک بار پھر بجی۔ اب کی بار اُس نے فون ہاتھ میں لیا۔ انجان نمبر سے کال تھی۔ فون کال آفیشل بھی ہو سکتی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی فون کو کان سے لگائے اُس نے پروفیشنل انداز میں کہا۔

"ہلیو! ضرار فیصل اسپیکینگ۔" بھاری مردانہ آواز گونجی تھی۔ اور فون کی دوسری طرف موجود شخص مُسکرایا تھا۔

"ہیلو! میں خضر حسن ماریہ حسن کا بھائی۔ اور ہادی زبیر کا فرسٹ کزن۔ ہاؤ آر یو ضرار؟" کچھ دیر بعد بھی جواب موصول نہیں ہوا۔ جیسے فون کی دوسری جانب شخص یقین کرنا چاہ رہا ہو۔ پھر کچھ ٹھہر کر خضر پھر گویا ہوا۔ "میرے خیال میں اتنا تعارف کافی تھا یا پھر نہیں تھا۔۔؟

"جج جی۔ کیسے یاد کیا آپ نے مجھے۔ آئی ہوپ سب ٹھیک ہو گا۔۔؟" گھبراہٹ میں وہ کچھ بھی ٹھیک سے نہیں کہہ پایا۔ ماریہ کیا وہ ٹھیک تھی۔ بس یہی ایک سوال اُس وقت ضرار کے دل و دماغ میں گردش کر رہا تھا۔ پر وہ یہ چاہ کر بھی خضر سے نہیں پوچھ سکتا تھا۔

"میں سیدھا مدعے پر آنا چاہوں گا ضرار۔ ماریہ میری سب سے لاڈلی اور پیاری بہن ہے۔ اگر تم واقع اسے لے کر سنجیدہ ہو۔ اور اُس سے واقع میں شادی کرنا چاہتے ہو تو بجائے ماریہ کو اپنی محبت کا یقین دلانے کے اپنے والدین کو میرے گھر بھیجو اور میرے والدین سے شادی کی بات کرو۔ اور اگر تم اپنے والدین کو نہیں بھیج سکتے تو دوبارہ میری بہن کی زندگی اور دل میں کبھی آنے کی کوشش مت کرنا۔" سنجیدگی سے کہتے وہ ضرار کی اکھڑتی سانسوں کو آکسیجن دے گیا تھا۔

"می۔۔ میں راضی ہوں۔ آپ آپ بولیں تو میں کل ہی اپنے پیرینٹس کو بھیج دیتا ہوں۔ تھینک۔۔۔ تھینک یو ویری مچ۔" جزباتی ہوتے ہوئے وہ بس بولے ہی گیا۔ چہرے پر اپنے آپ کھکھلاہٹ آگئی تھی۔

"جیسا تم چاہو۔ پر فیصلہ وہی ہو گا جو ماریہ کے لیے بہترین ہو گا۔ پھر چاہے وہ تم ہو یا کوئی اور۔ ہم کل تمہارے منتظر رہیں گے اللہ حافظ۔"

ضرار کو تو وہ کل بُلا چکا تھا۔ پر اپنے والدین سے بات کرنا ابھی باقی تھی۔ جبکہ دوسری طرف ضرار نے فراٹے بھرتے ہوئے اپنے گھر کال ملائی انہیں صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ پھر نور اور ہادی کو ایک ایک بات ڈیٹیل میں بتائی۔ اب وہ زوبی اور اپنے چاچا چاچی سے بات چیت کر رہا تھا۔

خضر نے حسن صاحب اور حمیرا بیگم کو سامنے بٹھائے سنجیدگی سے بات شروع کی۔ "بابا کل ماریہ کے لیے ایک اور پرپوزل آرہا ہے۔ امید ہے آپ اسے دیکھ بھال کر ماریہ کی رضامندی جان کر حتمی فیصلہ کرینگے ۔"

"جب میں صابر کے لیے پہلے ہی سوچ چکا ہوں تو یہ دوسرا پرپوزل بیچ میں کہاں سے آگیا۔ میں فواد کو تو بہت پہلے ہی ہاں کر چکا ہوں۔ یہ رشتہ وغیرہ لانا تو فار میلیٹی تھی بس۔" حسن صاحب نے برہمی سے کہا۔ جبکہ حمیرا بیگم خاموش ہی رہی۔

"یہ ماریہ کی زندگی ہے بابا۔ یہاں آپ کی دوستی یاری یا بزنس نہیں چلے گا۔ آپ نے بغیر اُس کی اجازت سے ہاں کیسے کہہ دی۔۔۔؟ آپ نے اپنے بچوں کی زندگی کو مزاق کیوں سمجھ لیا ہے۔ پہلے میں اور اب ماریہ۔ میری زندگی میں کوئی اور نہیں تھا بابا اور یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں سویرا کے ساتھ بہت خوش بھی ہو۔ پر ضرار ماریہ کی پسند ہے۔ اور کم سے کم میں کسی کو بھی یہ اجازت نہیں دونگا کہ وہ ماریہ کی پسند پر اپنی پسند کو فوقیت دے۔" غصے میں کہتا وہ چُپ ہوا پھر انہیں دیکھتے پھر گویا ہوا۔

"بہت چھوٹے تھے ہم بابا بہت چھوٹے۔ ہم سب آپ کی عدم توجہ غیر موجودگی برداشت کرتے بڑے ہوئے ہیں۔ ماما کے پاس بھی ہمارے لیے وقت نہیں تھا۔ میں اور علی لڑکے تھے۔ بڑے ہوئے تو باہر آنا جانا شروع ہو گئے۔ دوستوں میں آنا جانا بڑھا، تو گھر والے پیچھے رہ گئے۔ صباح بچپن سے ہی چنچل ہے۔ اُس کی

حرکتیں اپنے آپ ہی آپ دونوں کی توجہ کا مرکز بن جاتی تھیں۔ پر ماریہ وہ بہت حساس تھی۔ ہم چاروں میں سب سے زیادہ حساس۔ آپ سب نے اُس پر توجہ دینے کے بجائے یہ کہنا شروع کر دیا کے صباح بن جاؤ۔ اُس کی طرح ہو جاؤ۔ تاکہ آپ دونوں کو یہ گلٹ نہ رہے کہ آپ اپنے بچوں کو وہ توجہ نہیں دے سکے جو اُن کا حق تھا۔ اپنی کوتاہیوں کا ملبہ اُس کے سر پر ڈال دیا۔ میں سمجھتا تھا اُسے۔۔ میری موجودگی میں بہت بہتر تھی وہ۔ "پر کچھ دیر رُک کر ضبط کرنا چاہا۔" پر آپ سب نے اُس کی شخصیت کو خراب کر دیا۔ وہ صباح کو بُرا سمجھنے لگ گئی۔ ساری زندگی ہم سب آپ کی توجہ چاہتے تھے بابا۔ پر اُس وقت بھی آپ کے لیے آپ کے دوست اور بزنس ضروری تھا۔ اب بھی وہی ضروری ہے۔ اور ممّی آپ۔ ماں پر خفا نظر ڈالتے کچھ کہنے کے لیے لب وا کئے۔۔" پر اُن کی آنکھوں میں نمی دیکھ وہ رُک گیا۔ "میں بس یہ کہونگا اس گھر میں نہ چاہتے ہوئے بھی اُس کے اور علی کے ساتھ بہت حد تک ناانصافی ہوئی ہے۔ میں علی کو بھی سمجھتا ہوں۔ پر فلحال ہم صرف ماریہ کی بات کرینگے۔ مجھے امید ہے آپ دونوں ضرار فیصل کے بارے میں سنجیدگی سے سوچیں گے۔" گہری سانس لیتے وہ کچھ پیچھے ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

جبکہ حسن صاحب اور حمیرا بیگم بس خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔ جو بھی ہوا انہیں اپنے بیٹے پر فخر تھا۔ وہ سب اُن کے بچے تھے۔ پر خضران کا باپ بن بیٹھا تھا۔ اپنے بھائی بہنوں کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتا تھا وہ۔

"کل کس وقت آئینگے وہ لوگ۔ پوچھ کر بتا دینا میں گھر پر رہونگا۔" حسن صاحب کے دل میں اپنے بچوں کی شکایت بری طرح چُبھ رہی تھی۔ وہاں بغیر کسی سے نظریں ملائے وہ اُٹھ گئے تھے۔

جبکہ حمیرا بیگم نے بھی کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ کیا کہتی وہ ماں ہو کر اپنی بیٹی کو نہیں سمجھ پائی تھی۔ وہ بھائی ہو کر سمجھ گیا تھا۔

"خضر سویرا اسے کہنا کچھ دیر صہیب کو میرے پاس چھوڑ جائے۔" جاتے جاتے بس وہ اتنا کہہ گئی تھی۔ جبکہ اُس نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

****

یونیورسٹی کینٹین میں بیٹھے وہ تینوں آپس میں محو گفتگوں تھی۔ ساتھ ساتھ فرائس سے بھی بھرپور انصاف کیا جا رہا تھا۔ گھر والوں کے فیصلے پر علیشبہ حقیقتاً خوش تھی۔ جبکہ ہادیہ ایک حد تک مطمئین۔

جوس پیتے بے اختیار اس کی نظر دائیں جانب اُٹھی اور پلٹنا بھول گئی۔ اذبان کے ساتھ ہنستی بولتی عنابیہ کو دیکھ وہ یکدم ٹھٹھک گئی تھی۔

نور علیشبہ سے کہو اب یہ ہمیں کے۔ ایف۔ سی کھلائے۔ آخر بات پکّی ہوئی اس کی۔ ہادیہ جو کب سے علیشبہ سے ٹریٹ کے لیے کہہ رہی تھی۔ نور کو سامنے دیکھتا پا کر رُک گئی۔

"کے- ایف- سی کا بائیکاٹ چل رہا ہے۔ اسرائیلی مواد ناتو میں خود کھاؤں گی نا کسی کو کھانے دوں گی۔ مظلوم فلسطینیوں کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگنے مجھے۔" علیشبہ نے ایک جست میں جواب دیا تھا۔

"اوہ۔۔ سوسوری میرے ذہن سے ہی نکل گیا۔۔ اس قدر عادت ہو گئی ہے ان منحوس لوگون کی چیزیں کھانے کی پر پکّا وعدہ ہے یہ بائیکاٹ ہمیشی تک کے لیے ہے۔ میں اب کبھی ان قاتلوں اور بے حس لوگوں کی بنائی گئی کوئی چیز نہیں خریدوں گی۔" ہادیہ نے نفرت سے کہا تھا۔

"پر علیشبہ کباب جیز کا فرائڈ چکن تو کھلا سکتی ہو نا۔۔؟ اُس کا تو ہم بائیکات نہیں کر رہے بلکہ پاکستانی برانڈز کو سپورٹ کر رہے ہیں کیوں نور ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔۔؟" آنکھیں پٹپٹاتے ہادیہ نے شرارت سے کہا تھا۔

"یہ کہاں دیکھ رہی ہوں تم۔ کچھ کہہ رہی ہوں میں۔ اُسے ہلاتے اب کی بار ہادیہ نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

"آہاں کہی نہیں۔ کیا کہہ رہی ہو تم۔۔۔؟" ہادیہ کے بلانے پر وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔ اذبان اور عنابیہ کب کے وہاں سے جا چکے تھے۔ پر نور کی نگاہیں کافی دیر تک اسی جگہ پر پلٹ پلٹ کر جا رہی تھی۔

"یہی کہ علیشبہ پاکستانی برانڈز کو سپورٹ کرتے ہوئے ہمیں کباب جیز کی فرائڈ چکن کھلا رہی ہے۔ ویسے ایک بات بتاؤ ماریہ اور ضرار کا کیا سین ہے؟" ہادیہ نے سُن گُن لیتے ہوئے پوچھا۔

"تمھیں کیا فکر ہے جو بھی سین ہو، بس تمھیں سب بتا دے وہ۔" علیشبہ نے اُسے ڈانٹتے کہا۔

"میں تو ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔ امّی بتا رہیں تھیں کہ ضرار کا رشتہ آیا ہے اُس کے لیے۔" ہادیہ نے منہ بناتے کہا۔

"ہمم میری امّی بھی گئی تھیں ماموں مامی کے ساتھ پر پھپھو نے کہا وہ فون پر جواب دے دیں گی۔ اب دیکھو کیا ہوتا ہے۔" نور نے بات گول مول کر کے انہیں اتنی ہی بتائی جتنی سب جانتے تھے۔

"ویسے ضرار اچھا لڑکا ہے میرے خیال میں تو خالہ کو ہاں کر دینی چاہیئے۔" علیشبہ نے کہا۔

"ہمم دیکھتے ہیں۔۔" نور نے میز پر انگلی پھیرتے کہا۔ جبکہ اُس کا ذہن اب بھی اذبان اور عنابیہ کی طرف تھا۔

****

Urdu Novels Ghar

سہہ پہر کا وقت ڈھلنے لگا تھا۔ سب ہی اپنے اپنے کاموں میں لگے تھے۔ جبکہ یونیورسٹی سے آئے بچے سب کمرے میں آرام کر رہے تھے۔ دادا جان اور دادی جان خاندان میں کسی کی عیادت کرنے گئے تھے۔ پلوشے سارے کام ختم کئے اب سنبل بیگم کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

سنبل بیگم کے کمرے میں آتے اُس نے دروازہ بند کیا۔ اور دوائیاں انہیں تھماتے خفگی سے دیکھتے کہا۔" طبیعت کیسی ہے اب آپ کی۔۔؟"

"کمزوری ہے بس تھوڑی۔ اب تو اللہ کا شکر ہے۔" نقاہت زدہ آواز میں کہتے اُس کا ہاتھ پکڑتے اُسے اپنے پہلو میں بٹھاتے کہا۔" اب شادی کر لے پلوشے۔ انکار مت کر۔ خوشیاں جب دروازے پر کھڑی ہوں تو منہ نہیں مُڑا کرتے میری بچی۔" اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے اسے سمجھانے کے لیے کہا۔

اب کے بار میں وہ غلطیاں نہیں کروں گی چچی جو میں پہلے کر چکی ہوں۔ میں شادی کروں گی پر تب جب میں اتنی مضبوط بن جاؤ کہ اپے لیے اور اپنے بیٹے کے لیے مجھے کسی دوسرے کے سہارے کی ضرورت نہیں پڑے۔ میں کم سے کم اس لیے تو شادی نہیں کرنا چاہتی کہ کوئی دوسرا شخص میری اور میرے بچے کی ذمہ داری اُٹھالے۔ آپ بس عابص کے بارے میں سوچیں۔ علیشبہ بہت پیاری اور بہت اچھی ہے۔ وہ دونوں ساتھ بہت پیارے لگیں گے۔ بس عابص کی شادی کے بارے میں سوچا کریں آپ۔" ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر سجاتے اُس نے سنبل بیگم کو دوائی دیتے کہا تھا۔

"ماں تو اپنے ہر بچے کی خوشی کے لیے ہی سوچتی ہے۔ تو بھی تو میری بیٹی ہے۔ جیسے عابص کی خوشی میں خوش رہوں گی ویسے تیری خوشی میں بھی اپنی خوشی محسوس ہو گی۔ اور خوش رہنے سے تو ویسے ہی عمر بڑھتی ہے۔" دھیمی ہنسی ہنستے انہوں نے کہا۔

"اچھا اب مجھے بلیک میل مت کیجیے اور دوائی کھا لیں۔ میں احمد کو امّی کو پکڑا کر آئی ہوں۔ اب اُسے دیکھ لوں جا کر۔" پلوشے ان کی بات کو نظر انداز کرتے ان سے نظریں ملائے بغیر اُٹھ گئی۔ وہ اپنے سارے بڑوں کو ناراض کر بیٹھی تھی اور یہ بات پلوشے شہزاد کے لیے بہت تکلیف دہ تھی۔ پر اچھی بات یہ تھی کہ اُس نے بروقت ایک ٹھیک فیصلہ لینے کی کوشش کی تھی۔

جبکہ سنبل بیگم نے اُس کے کمرے سے جاتے قدموں کو دیکھا اور پھر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ بعض چیزوں پر پردہ پڑے رہنا ہی اچھا ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر پردہ کے پیچھے ایک خوفناک کہانی آپ کی منتظر ہوتی ہے۔ اپنے چہرے کو ہلکے سے چھوتے وہ پلٹ گئیں تھیں۔

****

ماریہ اور ضرار کی بات پکی ہو جانے کی خبر پھیلتے ہی کزنز گروپ میں کہرام مچ گیا تھا۔ ہر کوئی شاک اور حیرت کے زیر اثر وہاں خوب شغل میلا لگا رہا تھا۔ جبکہ ماریہ سب کے مبارک باد کے میسج پڑھتے اور سب کو جواب دیتے دکھائی دے رہی تھی۔ چہرہ پر پھوٹتی روشنی آنکھوں کو چمکا رہی تھی۔

صباح کے پورے وجود کو کمرے کے باہر کھڑے اُس کے چہرے پر پھوٹتی چمک دیکھ کر ہی عجب خوشی نے سرشار کیا تھا۔

ماریہ نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا اور اور جلدی سے آگے بڑھ کر اُس کو خود میں بھینچتے کہا۔ "تھینک یو سو مچ اور سوری۔ میں نے اُس دن بس ایسے ہی کہہ دیا تھا۔ آپ ناراض تو نہیں ہیں نا مجھ سے۔۔؟" نم آواز کے ساتھ ماریہ نے اُسے دیکھتے پوچھا۔

"تم سے کبھی بھی ناراض نہیں ہو سکتی میں۔۔؟ چاہوں بھی تب بھی نہیں۔" صباح نے بھی اسے خود میں بھینچتے کہا۔

"صباح باجی یار جلدی کر لیں آپ دونوں۔ نانا جان کا دوسری بار فون آ چکا ہے۔ خضر بھائی اور سویرا بھی تو نکل بھی گئے ہیں۔" علی نے نیچے جاتے جاتے انہیں بھی آواز دیتے کہا۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوتے فوراً اپنے اپنے جوتے پہننے بھاگی تھیں اور جاتے جاتے صباح نے ہانک لگائی تھی۔ "ملّی میرا بیگ نیچے لیتی آنا پلیز۔" کہتے ہی وہ فوراً نیچے بھاگی تھی۔ جبکہ ملّی نے جوتے پہنتے پیر زور سے زمین پر پٹکا تھا۔

"یار صباح باجی لیتی جائیں نا۔۔۔" پر صباح بھی بیچاری عادت سے مجبور تھی کوئی جواب نہ پاتے ملّی نفی میں سر ہلاتے اُس کے کمرے سے اُس کا بیگ لینے گئی تھی۔ موبائل کی خاص بیل پر اُس نے چیٹ چیک کی تھی
۔

"گلوں میں رنگ بھرے بادِ نو بہار چلے

چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے"

ٹیکسٹ پڑھتے چہرہ گلنار ہوا تھا۔ "اچھا اور کچھ۔۔؟" اُسے ریپلائے کرتے، دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ وہ بھی باہر کی طرف چل پڑی تھی۔

****

عرصے بعد زیتون محل میں افراتفری مچی تھی۔ حمیرا بیگم اور خدیجہ بیگم نے ایک خاص مقصد لیے زیتون محل آنا تھا۔ گھر میں بنے نئے رشتوں کی وجہ سے تیاریاں عروج پر تھی۔ ہر کسی کو کوئی نہ کوئی کام دیا جا رہا تھا۔ اور ہر نئے ملنے والے کام پر سب منہ بناتے ہی رہ جاتے۔

"روبی تو ایک کام کر میرہ بہن اچھا سا رشین سیلیڈ بنا دے۔ جانتی تو ہے سب کو تیرے ہاتھ کا رشین سیلیڈ کتنا پسند ہے۔" فیروزہ بیگم نے ہمیشہ کی طرح اپنے ازلی انداز میں جلدی جلدی کہا۔

جبکہ روبی بیگم نے صرف "ہمم" کہنے پر اتفاق کیا۔ وہ کاموں سے ہمیشہ ہی گھبرایا کرتی تھی۔ "بس سارے کام روبی کر لے۔" دل ہی دل میں وہ بڑبڑائی تھیں۔

"یار امّی عابص بھائی کو بھیج دیں۔ یہ تو ایسے تیار ہوئے بیٹھے ہیں، جیسے آج ہی سر پر سہرا سجنا ہو۔" عدیم منہ بناتے سنبل بیگم سے کہہ رہا تھا۔

سنبل بیگم نے ایک نظر عابص کی تیاری دیکھی۔ پہلی بار وہ پورے اہتمام کے ساتھ تیار ہوا تھا۔ اور عابص نے ایک خونخوار نظر عدیم پر ڈالتے واپس توجہ ٹی۔وی کی طرف مرکوز کر لی تھی۔

"تو چھوڑ دے میں خود لے آتی ہوں۔ عبیر اے عبیر۔ چادر لے آ میری۔" اسے پرے دھکیلتے وہ عبیر پر چیخنے لگی تھی۔ جبکہ عدیم اپنی ماں کے میلوں ڈرامے سے تنگ آتا ان کا ہاتھ پکڑتے گویا ہوا تھا۔

"اچھا بس کریں جا رہا ہوں۔" پیر پٹختا عابص کو خفا نظروں سے دیکھتا۔ غصّے میں چپل پیر میں ڈالتا۔ وہ باہر گیا تھا۔

تخت پر بیٹھے احمد کھچڑی کھلاتی پلوشے نے عابص کو دیکھتے کہا تھا۔" بہت بد تمیز ہو تم۔ وہ بیچارہ صبح سے دھکے کھا رہا ہے۔" جبکہ عابص نے ہاں میں سر ہلاتے اپنی مسکراہٹ روکی تھی۔

سارے بڑے داداجان کے کمرے میں ایک بار پھر جمع تھے۔ ہادی کے جانے سے پہلے سب ایک چھوٹا سا فنکشن رکھنا چاہتے تھے۔ اور پھر ماریہ کے سُسرال والوں نے منگنی کی بجائے نکاح کی ڈمانڈ کی تھی۔ تو یہ طے پایا تھا کہ اس جمعے کو ماریہ اور ضرار کا نکاح ہوگا۔ اور اسی بہانے ایک فنکشن بھی ہو جائیگا۔ پر خدیجہ بیگم نے کہا تھا۔ اگر روبی نور اور اذبان کے لیے بھی ہاں کرتی ہے تو اُن کی اور خاص کر اذبان کی خواہش نکاح ہی کی ہے۔ جس پر زبیر صاحب نے کہا تھا۔ وہ نور کی رضامندی پوچھ کر جواب دیں گے۔

"روبینہ ویسے تو تم اذبان کے بارے میں سب جانتی ہی ہو۔ پر اگر تم چاہوں تو نور کو بھی اُس کے بارے میں ہر بات سے آگاہ کر سکتی ہو۔ نور میری ہی بچی ہے۔ پر میں نہیں چاہتی آگے جا کر کوئی مسئلہ ہو۔ یا کل کو وہ کہے کہ ہم نے اُس سے سچ چھپایا ہے۔" خدیجہ بیگم نے روبی بیگم کے ہاتھ پر ہاتھ دھرتے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں آپا۔ اُسے اس بات سے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ انشاءاللہ آج کل میں آپ کو جواب دے دینگے ہم۔ اور پھر ہادی کی موجودگی میں نور کا نکاح ہو جائے اس سے بڑی خوشی کی بات کیا ہوگی۔" اپنے کندھے تک آتے بالوں کو پیچھے جھٹکتے انہوں نے اطمینان سے کہا تھا۔

جبکہ باہر آنگن میں سارے کزنز ایک ساتھ پورٹ گرینڈ جانے کا پلین بنا رہے تھے۔ زارا نے بھی کہا تھا کہ وہ احمر کو منا لیگی۔ ماریہ کے نکاح کے بارے میں سب کو ہی علم تھا۔ البتہ نور اور اذبان کی بات ابھی صرف بڑوں کے بیچ ہی طے ہوئی تھی۔ عابص اور علیشبہ پر کوئی نہ کوئی انہیں تنگ کرنے کے غرض سے جملہ کس

دیتا تھا۔ جبکہ صباح اور زارون پھر کسی بحث میں ایک دوسرے سے الجھ پڑے تھے۔ باقی سب اگلے ہفتے عاطف کے کونسرٹ کے لیے پورٹ گرینڈ جانے کی تیاریوں کی باتوں میں مصروف تھے۔

جبکہ اب سارے بڑے بھی آہستہ آہستہ باہر کی طرف آرہے تھے۔ چاند کی دھیمی روشنی آنگن میں پھیلی تو بجلی نہ ہونے کی صورت میں ہر چھوٹا بڑا آنگن میں آبیٹھا۔ کچھ گھاس پر ہی بیٹھ گئے اور کچھ نے تخت سنبھال لیا۔ ساتھ ساتھ پلوشے کے کوکنگ چینل کے لیے ہر کوئی اُسے مشورے بھی دے رہا تھا۔

جبکہ سنبل بیگم بڑے پتیلے میں سے سب کو مینگو ملک شیک نکال نکال کر دے رہی تھیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ فیروزہ بیگم زارا کو سُسرال میں رہنے کے طریقے سلیقے سکھا رہی تھی۔ جسے ایک کان سے سُن کر وہ دوسرے کان سے نکال رہی تھی۔

اسی دوران سب سے کچھ دور نور بھی اوپر چھت کی طرف جانے والی سیڑھیوں پر ایسے بیٹھ گئی کہ وہ تو سب کو دیکھ پا رہی تھی پر وہاں سے کوئی اُسے نہیں۔

اذبان کو وہ اکیلی بیٹھی نظر آئی تو ملک شیک کا گلاس لیے وہ اسی طرف آ گیا۔

"کیسی ہیں۔۔؟" اذبان نے ہلکے سے کہا۔

جبکہ ہڑبڑاہٹ میں نور کے ہاتھ میں موجود ملک شیک کا گلاس زمین بوس ہوتے ہوتے بچا۔ پر بد قسمتی سے آدھا مل شیک زمین بوس ہو چکا تھا۔ نور نے صدمے سے گرے ہوئے ٹھنڈے ٹھار مینگو ملک شیک کو دیکھا پھر اذبان کو۔ اور منہ بناتے کہا۔

"ٹھیک ہوں۔" یہ کہتے ہی وہ ملک شیک کا گلاس منہ سے لگانے ہی لگی تھی کہ دھیمے سے اذبان نے اُس سے گلاس لے لیا۔ اور اپنا بھرا ہوا گلاس اُسے تھماتے۔ دیوار سے ٹیک لگاتے اُس کا آدھے بچے ملک شیک کے گلاس کو لبّوں سے لگایا۔ جبکہ نور منہ کھولے بس اُسے دیکھتی ہی رہ گئی۔

"یہ میرا ہے اذبان۔۔۔" صدمے سے اُس نے اذبان کو کہا اور اذبان اس انداز پر واری صدقے ہی ہو گیا تھا۔

"تو اس کے بدلے میں نے آپ کو اپنا بھرا ہوا گلاس دیا تو ہے۔" گلاس پھر لبوں سے لگاتے اُس نے دھیمے پر چنچل لہجے میں کہا۔

"پر میں نے اس میں زیادہ برف ڈالوائی تھی۔" اپنے گلاس کو خالی ہوتا دیکھ نور نے اذبان پر آنکھیں گاڑھ کر کہا۔

دوسری طرف اذبان کو تو اچھوں ہی لگ گیا۔ مطلب عورت واقع کسی حال میں خوش نہیں ہوتی۔ نفی میں سر ہلاتے وہ بے اختیار مُسکرا گیا۔ "لاؤ برف ڈال لاؤ۔" ہاتھ آگے بڑھاتے اُس نے آفر کی۔

"نہیں نہیں رہنے دیں۔ میں ایسے ہی پی لیتی ہوں۔" احسان عظیم کرتے ہوئے اُس نے گلاس لبوں سے لگوایا۔

"ایک بات پوچھوں فاطمہ۔۔؟" اُسے دیکھتے شور کرتی دھڑکنوں کو پچکارتے ہوئے کہا۔

"پوچھیں۔۔۔! منہ میں بچوں کے انداز میں ملک شیک بھرتے ہوئے کہا۔

"کچھ پرسنل ہے۔پکّا پوچھ لوں۔۔؟"اب کی بار اذبان نے پھر کنفرم کرنا چاہا۔وہ اُسے واقع ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اب کی بار نور ٹھٹکی تھی۔دل میں بے شمار وسوسے جاگ رہے تھے۔جیسے وہ جانتی تھی وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔اور جیسے وہ چاہتی تھی کہ وہ کہہ دے جو کہنا چاہتا ہے۔اُس کے دل کا ایک کونا ہمیشہ سے ہادیہ اور علیشبہ کی کہی ہوئی باتوں پر دھڑکتا تھا۔شور مچاتا تھا۔کچھ کہنا چاہتا تھا۔پر وہ نہ سمجھ اپنے ہی دل کی بات نہیں سمجھتی تھی۔وہ یہ نہیں سمجھتی تھی آخر کیوں اُسے عنابیہ کا اذبان کے ساتھ ہونا بُرا لگتا ہے۔آخر کیوں وہ کسی اور کو اذبان کے قریب نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"جی پوچھ لیں۔۔"کچھ سنبھل کر شور مچاتی دھڑکنوں کو اگنور کرتے اُس نے نظریں گلاس پر مرکوز رکھتے ہی جواب دیا۔وہ چاہ کر بھی اُس کی نظروں میں نہیں جھانک سکی تھی۔

"میں وہ۔۔۔میں ایکچوئیلی ایک لڑکی کو شادی کے لیے پرپوز کرنا چاہتا ہوں۔زارون سے پتہ چلا تم مشورے بہت دیتی ہو۔کیا تم بتا سکتی ہو میں کیا کروں۔"اذبان نے اُسے دیکھتے کہا۔

اور نور کی انتشار برپا کرتی دھڑکنیں تھم سی گئی۔ایک لڑکی مطلب وہ ایک لڑکی وہ نہیں تھی۔عنابیہ اور اذبان کا ہاسپٹل کی کینٹین میں ساتھ موجود ہونا۔عنابیہ کا اذبان کے بارے میں بار بار پوچھنا۔اذبان کا عنابیہ سے فرینک ہو کر بات چیت کرنا جیسے اُسے سب یاد آنے لگا تھا۔

"نور فاطمہ کیا ہوا۔۔؟"اذبان نے اُسے اسٹل بیٹھے دیکھا تو پھر پوچھا۔"اٹس اوکے تم بیٹھو میں آتا ہوں۔"ہونٹ بھینچتے اذبان وہاں سے جانے ہی لگا تھا کہ وہ بول اُٹھی۔

"ایک پھول اور زندگی بھر وفا محبت اور اعتماد کی یقین دہانی اتنا کافی ہو گا۔" پھر کچھ ٹھہر کر کہا۔ "شاید یہی ضروری ہوتا ہے۔" آنکھیں میچتیں نور نے کہا جبکہ اذبان بغیر کوئی جواب دیئے وہاں سے جلد بازی میں گیا۔ نور کی آنکھ سے ایک آنسوں چھلکا تھا جسے اُس نے جلدی صاف کیا تھا۔ اور ملک شیک کا گلاس لبوں سے لگایا تھا۔ اُسے کوئی محبت تھوڑی تھی۔ بس اُمید تھی یا پتہ نہیں کیا وہ اپنے احساسات سمجھنے سے قاصر تھی۔ جو سب کو سمجھ جایا کرتی تھی وہ بس خود اپنے آپ کو نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

وہ واپس آیا تو وہ وہاں ویسی ہی بیٹھی تھی۔ گہری سانس خارج کرتا وہ آگے بڑھا۔ وہ ابھی تک اسی کی باتوں کے زیرِ اثر تھی کہ اچانک چہرے کے سامنے رات کی رانی کا پھول دیکھ کچھ پیچھے ہوئی۔ نظر پھول پر سے ہوتے ہوئے پھول دینے والے پر گئی۔ کالی گہری سمندر جیسی آنکھوں میں روشنیوں سی چمک تھی۔ نور نے چندپل اُسے یوں ہی دیکھا۔ اُس کی نظروں میں سوال دیکھے اذبان نے دھیمے مگر پر کشش لہجے میں کہا۔

"نور فاطمہ کیا تم مجھے یہ حق دو گی کہ میں تمہارے پیرینٹس سے تمہیں مانگ لوں۔۔؟" لہجے میں ڈھیروں ارمان سموئے اُس نے کہا تھا۔ پر نور کی آنکھوں میں پانی دیکھ اُس کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔

"میں محبت نہیں کرتی آپ سے۔" دھیمی سرگوشی نما آواز اذبان کے کانوں میں سور پھونک گئی تھی۔ "پر مجھے اپنے پیرینٹس کا ہر فیصلہ منظور ہو گا۔ آپ بات کر سکتے ہیں اُن سے۔" اُس کی اگلی بات پر جیسے وہ ہوش میں آیا تھا۔ اور اُسی کے آنگن سے توڑا ہوا پھول ایک بار پھر آگے بڑھایا تھا۔ جسے اس بار نرمی سے تھام لیا گیا تھا۔

پھول کھلتے ہوئے بہت دیکھے

ہائے اُس شخص کی ہنسی لیکن!

نور کے کھلتے گلاب سے چہرے کو دیکھتے اذہان نے کہا تھا۔ اور ایک انجانی خوشی کو محسوس کرتے دھیرے دھیرے پیچھے ہوتے واپس اندر کی طرف چل دیا تھا۔ جبکہ اُس کی آخری بات پر چہرے پر مسکراہٹ کے ساتھ بے یقینی تھی۔

****

رات کے کھانے کے بعد سے ہی وہ احمر سے پورٹ گرینڈ میں ہونے والے عاطف اسلم کے کانسرٹ میں جانے کے لیے بحث میں لگی ہوئی تھی۔

اُس کی صبح آفس کی شرٹ پریس کرتے ساتھ ساتھ ہی وہ اُسے منانے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ اور ساتھ ساتھ خود ہی خفا ہوتی جارہی تھی۔

"احمر عاطف اسلم کا کانسرٹ تو کبھی کبھی ہوتا ہے اور اتنی مشکل سے ٹکٹ ملتی ہیں۔ اور میں نے بہت ضد کر کے ہادی سے بُک کروائی ہیں۔ اب آپ یہ تو نہ کہیں کے امّی منع کر دینگی۔" زارا نے خفگی سے کہا تھا۔

"تم جانتی ہو زارا امّی کو ایسی چیزیں پسند نہیں ہیں۔ وہ کانسرٹ کا سنتے ہی فوراً انکار کر دینگی۔ اور ابھی ویسے بھی آپی آئی ہوئی ہیں تم اُن کے ساتھ کچھ پلین کرلو ویکینڈ پر۔ تمھیں میں پھر کبھی لے جاؤنگا۔ پکّا وعدہ۔ آپی کی موجودگی میں جانا مشکل ہے یار۔" احمر نے نرمی سے اُسے سمجھانا چاہا تھا۔

شادی کے ان چند دنوں میں ہی وہ بُری طرح ماں بہن اور بیوی کے چکر میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ اُس کی بہنوں کو شکایت تھی کی زارا اپنے میکے کا رُعب ہمیں دکھاتی ہے۔ ماں کو شکایت تھی کہ تمہاری بیوی اپنی ہی

Urdu Novels Ghar

من مانی کرتی ہے۔ جبکہ زارا کا کہنا تھا تمہاری امّی اور بہنیں مجھ پر ہر وقت اپنا حکم چلانا چاہتی ہیں۔ اور وہ سب ہی کہی نا کہی غلط اور کہی نا صحیح تھے۔

"احمر پلیز! اور ویسے بھی کونسرٹ کونسا اس ویکینڈ ہے۔ ابھی تو صرف ٹکٹز بُک کروانی ہیں۔ امّی کہتی تھیں زارا شادی کے بعد سب کرنا ہر جگہ جانا۔ نہ امّی نے کوئی بات سنی اور نہ تم سُن رہے ہو۔" معصوم سی شکل بنائے آنکھوں کو پٹپٹاتے اپنا آخری حربہ "ایموشنل بلیک میلینگ" آزمایہ تھا۔ جو ننانوے فیصد کام آجایا کرتا تھا۔

"زارا یارررر۔۔۔!" گہری سانس خارج کرتا وہ مسکرایا تھا۔ اور زارا بس اتنے میں ہی خوشی سے اُچھل پڑی تھی۔ جبکہ احمر جانتا تھا۔ عابدہ بیگم کے خلاف جا کر زارا کو باہر لے جانا وہ بھی زرنش کی یہاں موجودگی میں اتنا آسان کام نہیں تھا۔ پر وہ سب کو خوش رکھنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔

شادی عورت سے زیادہ مرد کا امتحان ہوتی ہے۔ ایک عورت کو انصاف محبت عزت یہ سب مرد فراہم کرتا ہے۔ در حقیقت ہم عورتوں کو تو اس محاذ کے لیے تیار کر لیتے ہیں۔ پر مردوں کو کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ اور اس چکر میں نقصان وہ ازدواجی رشتہ اُٹھاتا ہے۔ جہاں عورت کے صبر اور برداشت کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔ ہمیں چاہیئے کے اب ہم اپنی نسل کو سکھائیں کہ ایک دوطرفہ کانٹرکٹ ہوتا ہے۔ جسے دونوں طرف سے برابری کی سطح پر نبھایا جاتا ہے۔ جبھی رشتے خوبصورت اور انسان خوش رہتا ہے۔

****

اذبان اور نور کے نکاح کی خبر نے سب کو ہی شاک میں ڈلا تھا۔ اتنی جلدی اتنی ساری خوشیاں زیتون محل کو پتہ نہیں راس آنی بھی تھا یا نہیں۔ سب کچھ بہت جلدی اور تیزی سے ہو رہا تھا۔ اور حیرت کی بات یہ تھی کے سب خوش بھی تھے۔ خوش نہ بھی تھے تو مطمئین ضرور تھے۔

ہادی کی اتوار کی ٹکٹ آگئی تھی۔ جبکہ جمعہ کو صرف گھر میں ہی ماریہ اور نور کا نکاح تھا۔ کسی قسم کی کوئی خاص تیاری نہیں ہو سکی تھی۔ بس سب نے آپس میں تھوڑے بہت کام بانٹ لیے تھے۔ نور اور ماریہ نے بھی بس ہلکا سے کام والے سادے سے سوٹ پسند کئے تھے۔ جبکہ باقی کسی نے کوئی نیا جوڑا نہیں لیا تھا۔ یا پھر یہ کہا جائے کہ سنبل چاچی نے لینے نہیں دیا تھا۔ یہ کہہ کر کہ ابھی اتنا وقت نہیں ہے جو تم سب کے ساتھ ہم بازاروں کے چکر لگائیں گے۔

"بڑی گُھنی میسنی ہو تم بھئی۔۔" زارون نے کچن میں کھڑی نور کے سر پر چپت لگاتے کہا۔

"ہیں کیا؟ میں کہاں سے گُھنی میسنی ہو گئی۔۔؟ مجھ معصوم کو تو خود آخر وقت میں سب پتہ چلا ہے۔" گردن دائیں جانب ہلاتے اُس نے خفگی سے کہا۔

"اوہ پر مجھے تو پتہ لگا ہے۔ پہلے میڈم کو پھول دے کر باقاعدہ پرپوز کیا گیا ہے۔" شریر لہجے میں زارون نے کہا تھا۔

"آہاں کیا پرپوز؟ پرپوزل کے نام پر دھبہ بھی اُس سے اچھا ہوتا ہے۔ وہ کونسا پھول دیا تھا۔ ہاں رات کی رانی کا پھول۔ عجیب! وہ بھی میرے ہی گھر کے آنگن سے توڑ کر۔ ایسے کرتے ہیں بھلا کسی کو پرپوز۔۔؟" خفگی سے کہتے وہ جلدی جلدی برتن دھو رہی تھی کہ زارون کی اگلی بات پر رُک گئی۔

"چلو میں کہہ دیتا ہوں کہ میری بہن کو ایسا سو کھا پر پوزل پسند نہیں آیا۔ تم دوبارہ کر دینا"۔ قہقہا روکتے زارون نے کہا۔

"ایک منٹ ایک منٹ آپ کو بتایا کس نے یہ سب۔۔؟"پوری آنکھیں کھولے اب وہ اسے دیکھ کم گھور زیادہ رہی تھی۔

"ہمارے اپنے بھی بہت سے لوگ ہیں۔ تم بتاؤ کیسا پر پوزل چاہیئے تمہیں؟"اب کی بار زارون نے زور سے قہقہا لگاتے کہا تھا۔

"زارون بھائی۔۔۔! خبر دار اگر آپ نے کسی کو ایک لفظ بھی کہا تو۔"لال ٹماٹر چہرہ لیے جھاگ والے ہاتھ لیے وہ اُس کے پیچھے بھاگی تھی۔

جبکہ زارون تو اوپر کی طرف بھاگ گیا تھا۔ البتہ پلوشے نے اُسے لال پیلا ہوتے دیکھ لیا تھا۔"یہ کون ہماری بنو سے نکاح سے چند دن پہلے کام کروا رہا ہے؟ پلوشے نے اُس کے ہاتھوں میں جھاگ دیکھتے کہا۔

"جس گھر میں سنبل چاچی رہتی ہوں۔ وہاں بھلا کوئی بچ سکتا ہے بھلا؟ پر میں بتا رہ ہوں۔ کل کوئی کام نہیں کرونگی میں۔ ورنہ اپنے ہی نکاح پر ماسی والی شکل نکل آئیگی سچی۔"معصومیت سے کہتی اس وقت وہ پلوشے کو بہت پیاری لگی تھی۔

"تم آج بھی نہ کرو۔ چلو جاؤ آرام کرو۔ میں دیکھ لیتی ہوں۔ پھر کل تو ویسے ہی ماریہ نے بھی یہاں آجانا ہے۔ مہندی وغیرہ بھی لگوانی ہو گی کل تو ویسے ہی تھکنا ہے۔ آج آرام کر لو۔"اُس کے ہاتھ دھلواتے پلوشے اب سنک کے آگے کھڑی تھی۔

جبکہ نور اس کے گال پر بوسہ دیتی وہی ڈائننگ ٹیبل سے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تھی تھی۔ اور موبائل نکال کر ضرار کی چیٹ کھولی تھی۔ جو آج کل کچھ زیادہ ہی ہواؤں میں اُڑ رہا تھا۔ اور بات بے بات اسے تنگ کر رہا تھا۔ جبکہ ہادی کو ایک ہی غم کھائے جا رہا تھا۔ کہ وہ دونوں تو اُس سے پیچھے تھے اور نکاح کی باری میں ان دونوں کا نکاح ہو رہا ہے۔ جبکہ اُس کی بات تک پکّی نہیں کروائی گئی۔

ضرار کا میسج کھولتے اُس نے پڑھا تھا۔ "میری دلہن کے سامنے جلا ہوا پکوڑا لگو گی۔ بہتر ہے اپنے نکاح کے لیے کوئی دوسرا دن طے کرواؤں۔" ساتھ میں چڑانے والا ایموجی بھی تھا۔

"دو نمبر فوجی تمیز سے بات کرو۔ ورنہ تمہاری دلہن کا حشر بگاڑ دو نگی۔ ویسے بھی وہ کل سے ہمارے رحم و کرم پر ہو گی۔" اُسے چڑاتے نور نے بھی بھرپور کاروائی کی تھی۔ اب ان تینوں کی گروپ چیٹ میں باقاعدہ جنگ شروع ہونے والی تھی۔ پر در حقیقت یہ ان کی آپس میں محبت ہی تھی۔

****

کل نور اور ماریہ کا نکاح تھا جس وجہ سے زارا زیتون محل ایک دن پہلے ہی پہنچ گئی تھی، پر مریم سے اُسے پتہ چلا کہ احمر کو بخار ہے اوپر سے وہ کانسرٹ والی بات پر اُس سے خوب لڑ کر آئی تھی۔ اُس کی ساس نے بھی کال پر اسے بہت باتیں سنائی تھیں کہ شوہر بیمار ہے اور اُسے کوئی پرواہ ہی نہیں جو میکے جا بیٹھی ہے۔ کچھ سوچتے ہوئے اُس نے احمر کو کال ملائی۔

"آپ بیمار ہو گئے ہیں؟" روئے روئے سے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" سنجیدگی سے جواب دیا گیا۔

Urdu Novels Ghar

"میں واپس آجاتی ہوں۔" بھیگی آواز میں کہا۔

"میری بیماری کو وجہ بنا کر مت آنا زارا۔ اور اگر تمہیں اپنی ناراضگی ختم کرنی ہو تو میری محبت کو وجہ بنا کر کرنا میری بیماری کو نہیں۔" ایک گہری سانس لیتے ڈھیلی سی آواز میں کہتے کروٹ بدلتے فون کان کے نیچے دبایا تھا۔

"اوکے۔۔!" زارا نے دو لفظی جواب دے کر فون کھٹاک سے بند کر دیا تھا۔

"اوکے۔۔؟" فون کے کٹ جانے کی آواز سن کر احمر کو ایک سو دو بخار میں بھی جھٹکا لگ گیا تھا۔ وہ تو سمجھ رہا تھا وہ ساری ناراضگی بھلا دیگی۔ پر وہ بیوی ہی کیا جو شوہر سے جھگڑا کر کے بھول جائے۔

"اتنی سخت دل عورت پر میرا ہی دل پھسلنا تھا۔" غصے سے بڑبڑاتے احمر نے کمبل منہ تک تانا تھا۔ کیا ضرورت تھی مجھے بھی انکار کرنے کی اچھی خاصی واپس آ رہی تھی۔ اب مزید ہفتہ ٹھہر کر آئی گی۔ کمبل واپس منہ سے ہٹاتے اس نے رونی صورت بنائی تھی۔ "زارا بی بی کل نکاح کے فوراً بعد تم گھر آ رہی ہو لے جاؤں گا تمہیں کانسرٹ۔" اس کے نمبر پر واٹس ایپ بھیجتا منہ تک کمبل تانے اُس نے سونے کی ناکام کوشش کی تھی۔ پر حقیقت تو یہ تھی کہ وہ زارا کو بے حد یاد کر رہا تھا۔ "پتہ نہیں کونسے شوہر ہوتے ہیں جو بیویوں کے جانے پر عیش کرتے ہیں میری تو نیندیں حرام ہو جاتیں ہیں۔" منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے اُس نے کروٹ بدلا تھا۔ جبکہ اُس کا پیغام پڑھتے زارا کے چہرے پر بے اختیار خوبصورت سی مسکان آئی تھی جسے دیکھ قاسم مراد علی کے دل پر ٹھنڈی پھوار ہوئی تھی۔

✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻

Urdu Novels Ghar

آج نکاح ہونا تھا۔گھر میں صبح سے ہی چہل پہل تھی۔ جمعے کی نماز کے فوراًبعد ہی سب لاؤنج میں جمع ہو گئے تھے۔ نکاح گھر میں اور سادگی سے کرنا تھا۔اس لیے کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔ضرار کی طرف سے بس اس کے چچا کی فیملی اور اس کے اپنے ماں باپ تھے۔ حمیرا بیگم کی کی بس نندیں اور جیٹھ ہی وہاں موجود تھے۔

ڈرائنگ روم میں مولوی صاحب سمیت تمام مرد موجود تھے۔ جبکہ ساری خواتین لاؤنج میں موجود تھی۔ اور پھر زبیر صاحب، شہزاد صاحب، داداجان اور حسن صاحب دونوں کے نکاح کے کاغذات لیے دادا جان کے کمرے کی طرف بڑھے۔ جہاں نور اور ماریہ موجود تھی۔

وہ دونوں سفید شلوار قمیض پر لال ڈوپٹے سے گھونگھٹ لیے ہوئے تھیں۔ پاس ہی پلوشے، صباح اور دادی جان سمیت گھر کی تمام بڑی عمر کی خواتین موجود تھیں۔

داداجان نے نور کے سر پر ہاتھ رکھتے پہلے نکاح نامہ اُسے تھمایا۔گھونگھٹ کے نیچے ہی بے ساختہ اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ کتنا مشکل تھا اپنے نام کے آگے کسی اور کا نام لگا دینا۔ہاتھوں کو آپس میں مسلتے اُس نے اپنی لرزش چھپائی اور پھر آہستہ سے پین پکڑتے دستخط کا عمل پورا کیا۔اپنی زندگی اور اپنا آپ اب وہ کسی اور کے حوالے کر چکی تھی۔ کتنی مہربان تھی اُس پر زندگی جس کا نام ابھی دل نے ٹھیک سے لیا بھی نہیں تھا۔اب وہ اس کے نصیب میں اُس کی ہاتھوں کی لکیروں میں محرم کی صورت میں موجود تھا۔نور زبیر اب نور اذبان بن چکی تھی۔

ماریہ کے دل کی دھڑکن رفتار سے زیادہ تیز تھی۔ گھونگھٹ کے اندر سے ہی وہ اپنی نظریں حسن صاحب پر جمائے ہوئے تھی۔ وہ جانتی تھی وہ خوش نہیں ہیں۔ یہ نکاح صرف خضر کے زور دینے پر کیا جارہا ہے۔ خضر

نے حسن صاحب اور حمیرا بیگم کو کیسے منایا وہ نہیں جانتی تھی۔ پر اس دن کے بعد سے اس کے ماں باپ اس سے کھنچے کھنچے رہنے لگے تھے۔ خاص کر حسن صاحب۔ اُس نے گہری سانس لے کر آنکھیں موندیں۔ کیا اُس کے ماں باپ اس کی خوشی میں خوش نہیں ہو سکتے۔ کیا خضر بھائی کے علاوہ وہاں اس کے گھر سے کوئی خوش نہیں تھا۔

"ماریہ بیٹا دستخط کرو۔" شہزاد صاحب نے اسے پین پکڑاتے کہا۔

دستخط کرتے اُس کا دل چاہا اُس کا باپ اس کے پاس بیٹھتا۔ جیسے نور کے پاس زبیر صاحب تھے۔ جیسے وہ دستخط کے بعد سے اب تک اسے اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ ایسا اُس کا باپ بھی کرتا۔ پر وہ خاموش رہی اور خاموشی سے دستخط کر گئی۔

"خوش رہو اللہ نصیب اچھے کرے۔" حسن صاحب نے آگے بڑھ کر اُس کے سر پر ہاتھ رکھتے بس اتنا کہا۔ اور ماریہ کا دل بھر آیا۔ بس اتنی سی بات تھی۔ بس وہ اتنا ہی تو چاہتی تھی۔

"ویسے بڑی میں ہوں اور شوہر والی یہ بن گئی ہے۔" صباح نے سب کے جاتے ہی ماریہ کے موڈ کو بہتر کرنے کے لیے کہا۔ پر پلوشے کی اگلی بات نے اسے احساس دلایا وہ کیا کہہ گئی ہے۔

"اچھا ر کو میں زارون سے کہتی ہوں۔ مولوی صاحب کو بٹھائے رکھیں۔ لگے ہاتھوں تم بھی شوہر والی بن جاؤ گی۔" پلوشے نے دھیمی ہنسی ہنستے کہا۔ جبکہ اس کی بات پر وہاں موجود سب لوگ ہی ہنس دیے تھے۔

اب داداجان کے کمرے میں سب ہی لڑکیاں آچکی تھی اور خوب شور شرابا مچایاہوا تھا۔ جبکہ ڈرائنگ روم میں اب باقاعدہ نکاح پڑھایا جارہا تھا۔ شروعات ضرار سے کی گئی تھی۔ اور پھر اذبان نے ایجاب و قبول کیا ۔ مولوی صاحب نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور ان کے ساتھ باقی سب نے بھی۔

زندگی جب جگمگاتی ہی نا تو اس کی جگمگاہٹ انسان کے دل اور چہرے پر پڑتی ہے۔ ایسی ہی رنگ برنگی روشنی اور جگمگاتی آنکھوں سمیت وہ وہاں بیٹھا تھا۔ سب کے لیے یہ نکاح بڑوں کی خوشی تھا۔ پر در حقیقت یہ نکاح اذبان کی خوشی کے لیے تھا۔ یہ وہ تحفہ تھا جو خدیجہ بیگم نے اُسے اپنا نام دے کر دیا تھا۔ یہ وہ دوسرا احسان تھا، جو انہوں نے اس پر کیا تھا۔ اور سب کے بعد وہ ان کا مقروض بن کر رہ گیا تھا۔ کیا وہ واقع اس قابل تھا کہ دنیا جہاں کی خوشیاں اس کے قدموں میں ڈال دی جاتی۔ قدرت کیا اُس پر اس قدر مہربان تھی۔ اسے وہ مل گیا تھا جس کی اُس نے خواہش کی تھی۔ اُسے نور فاطمہ مل گئی تھی۔

ضرار کی آنکھوں کی چمک بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ وہاں موجود اب وہ چہرے پر مسکراہٹ سجائے سب سے مبارک باد وصول کر رہا تھا۔ اور پھر مولوی صاحب کے جاتے ہی ماریہ اور نور کو بھی وہی لے جایا گیا۔

"میری زندگی میں خوش آمدید ماریہ ضرار فیصل۔" ضرار نے آہستہ سے کہتے اس کے ہاتھوں میں نازک سا بریسلیٹ پہنایا۔

ماریہ نے اس کی آنکھوں میں موجود چمک کو دیکھتے دھیرے سے اپنا نام دہرایا۔ "ماریہ ضرار" آخر یہ نام اُس کا ہوا۔

جبکہ اذبان ہمیشہ کی طرح خاموشی سے اپنی تھوڑی دیر پہلے بننے والی بیوی کو دیکھ رہا تھا۔اس نے نور کو ڈائمینڈ رنگ گفٹ کی تھی۔پر وہ فلحال ہادی سے گفٹ مانگ رہی تھی۔اور ہادی کا کہنا تھا کہ پر سو وہ جارہا ہے تو گفٹ اسے دیا جائے۔دونوں بھائی بہن کی تکرار میں نور نے اذبان کو بھلایا ہوا تھا۔یا پھر ایسا وہ اپنی گھبراہٹ چھپانے کے لیے کر رہی تھی۔اذبان سمجھ نہ سکا۔

"زارا باجی کل عاطف کا کانسرٹ پکّا ہے نا۔۔؟" ہادی نے ایک بار پھر زارا سے کنفرم کیا۔

"ہاں کنفرم ہے۔میں اور احمر کل ڈائریکٹ وہی پہنچے گے۔تم لوگ جگہ بتا دینا ٹھیک ہے۔" زارا نے احمر کو دیکھتے ہوئے ہادی سے کہا تھا۔

****

"بچوں سب دیہان سے جانا۔زیادہ دیر مت کرنا جلدی آجانا۔" زبیر صاحب نے سب کو تاکید کرتے کہا۔

"بابا آجائینگے نا آپ فکر نہیں کریں اور آرام سے سو جائیں۔" نور نے چڑتے ہوئے کہا۔جب سے پورٹ گرینڈ جانے کا پلین بنا تھا۔ہر ایک انہیں صرف نصیحتیں ہی کر رہا تھا۔وہ واقع میں چڑ گئی تھی۔

"میرا تو دل ہی نہیں مان رہا۔عجیب کھٹکا لگا ہوا ہے۔رات دیر تک باہر رہو گے حالات معلوم ہے نا کراچی کے یا نہیں۔" دادی جان نے خفا ہوتے ایک بار پھر روکنے کی کوشش کی تھی۔

"یار دادی جان جانے دیں نا۔میرے نکاح کا تحفہ سمجھ کر ہی جانے دیں۔" نور نے معصومیت سے کہا۔سب سے زیادہ وہاں جانے کا شوق بھی تو صرف اسے تھا۔

زیتون بانو نے ڈرتے ہوئے اسے دیکھا۔ اور پھر وہی جملہ دہرایا جو وہ آج صبح سے دہرا رہی تھی۔ "تو سامنے مت آ میرے، کہیں میری ہی نظر نہ لگ جائے۔ ایک تو نکاح کے تین بول بولتے ہی ایسا روپ چڑھا ہے اس موئی پر کہ نظر ہٹانے کا دل نہیں چاہتا۔" اس پر سے نظریں پھیرتے انہوں نے فیروزہ بیگم کو دیکھتے کہا اور ان کی بات پر سب ہی ہنس دیئے۔

"بس دیکھ لیں آخر پوتی کس کی ہوں۔" نور نے اتراتے ہوئے کہا۔

"پوتی تو تم شروع سے ہی ان کی ہو۔ یہ کہو کے آخر بیوی کس کی ہوں۔ یہ جو نکھار ہے نہ میرے بھائی سے نکاح کے بعد آیا ہے میڈم۔" ہادیہ نے فوراً بیچ میں ڈبا کہ مارا تھا۔ اور اذبان کے لیے میدان میں کودی تھی ۔

جبکہ اذبان نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے نور کو دیکھا تھا۔ جو اس کے ایسے دیکھنے پر نظریں پھیر گئی تھی۔

"چلو یار جلدی کرو پھر رش بڑھ جائیگا۔ میری کل رات کی فلائیٹ بھی ہے۔ ہادی نے سب کو باہر چلنے کا کہا تھا۔

"سب دیہان سے جانا۔ زارون تو بڑا ہے سب کا خیال رکھنا اور جلدی آ جانا۔ دادا جان نے جاتے ہوئے ان سب سے کہا تھا۔ پر پتہ نہیں کیوں دادی جان سمیت دادا جان کے دل کو بھی عجیب دھڑکا لگا ہوا تھا۔ جیسے کچھ ہے جو ٹھیک نہیں ہے۔

"اللہ جانے کیا مصیبت ہے جب سے بچے گئے ہیں چین نہیں پڑتا۔" تخت پر بیٹھے دادی جان نے پلوشے سے کہا تھا۔

"کچھ نہیں ہوگا امّی جی۔ اصل میں اتنے کم وقت میں ایک ساتھ بہت سی خوشیاں آنگن میں پر پھیلائے آ بیٹھی ہیں نا تو آپ بس ڈر گئی ہیں۔" روبی بیگم نے دودھ مگ انہیں تھماتے کہا تھا۔

****

پورٹ گرینڈ میں ہر طرف ہی بھیڑ تھی۔ ایک طرف فوڈ اسٹریٹ تو دوسری طرف کونسرٹ چل رہا تھا۔ اندر کا شور باہر سمندر تک آ رہا تھا۔ کچھ منچلے سمندر میں بوٹنگ کر رہے تھے۔ تو کچھ کو اندر جانے کی جلدی تھی۔ زارون ٹکٹ کاؤنٹر پر گیا ہوا تھا۔ اور ہادی گیٹ پر سے ضرار کو لینے۔ جبکہ وہ سب بھی بڑی مشکل سے بھیڑ میں جگہ بناتے پانی کے پاس جا کھڑے ہوئے تھے۔ ابھی وہ سب اندر نہیں گئے تھے۔

"یہاں تو بہت رش ہے۔" علیشبہ نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"ارے کچھ نہیں ہوتا اندر اتنا رش تھوڑی ہوگا۔" نور نے اُسے تسلی دیتے کہا۔ جبکہ ہادیہ خاموش کھڑی آس پاس آتے جاتے لوگوں کو دیکھنے لگی۔

"ویسے اذبان واپس نہیں گئے ابھی تک؟" نور نے اُن دونوں کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"کیونکہ وہ واپس جانے کے لیے نہیں آئے ہیں۔ جس طرح تمہارے ساتھ تمہارے بھائی کا ہونا ضروری ہے۔ اُسی طرح ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ خیر سے پھر اُن کی بیوی بھی یہاں موجود ہے۔" ہادیہ نے خفگی سے کہا۔

"پر میرے بھائی نے تو آنے کا منع کیا ہی نہیں تھا، وہ ہی خلاف تھے آج یہاں آنے کے۔" نور نے بھی خفگی سے کہا تھا۔ کیونکہ اذبان شروع سے ہی آج کے دن آنے کا منع کر رہا تھا۔

"تم خود ہی پوچھ لو اب تو ہم سے زیادہ تمہارے قریب ہیں۔" علیشبہ نے آنکھ مارتے کہا۔

"پوچھ ہی نا لے یہ کہیں۔ پوچھ لیا تو پھر نخرے کون دکھائے گا"۔ ہادیہ نے منہ موڑتے ہنسی ضبط کرتے کہا۔

"میں نے کب نخرے دکھائے؟ نور نے حیرت سے منہ کھولے کہا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی ہادیہ اذبان کے بجائے ہادی کے حوالے سے کہہ رہی ہے۔

"ہادی کو روک نہیں سکتی تھی تم ہاں۔۔؟" ہادیہ نے منہ بناتے پھر وہی رٹا ہوا جملہ دوہرایا۔

"تم یہ نخرے ہادی بھائی کو دکھاؤ ہاں۔ میرے سے ناراضگی مت رکھو۔ میرا بھلا کیا قصور ہے؟" نور نے رونی صورت بنا کر کہا۔

"تم رہنے دو اسے ابھی ہادی بھائی نے اسے منانا شروع کرنا ہے اور اس نے مان بھی جانا ہے۔" علیشبہ نے نور سے کہا۔

جبکہ علیشبہ اب عبیر کی کسی بات کا جواب دے رہی تھی۔

ہادیہ نے سب کو دیکھا اور چپکے سے دل میں دعا کی۔ "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ نہ جائے۔ اللہ کرے کچھ ایسا ہو جائے کہ وہ جا ہی نہیں سکے۔" ہادی کے جانے کا سوچتے ہی اُس کا دل بیٹھنے لگتا تھا۔ پر وہ نہیں جانتی تھی کہ جانے انجانے میں اُس کی دعا کچھ ایسا رنگ لانے والی ہے جو اُسے خود منظور نہیں ہونا تھا۔

"اس قدر رش ہے یہاں۔ بھلا کیا ضرورت تھی آج کے دن آنے کی۔" زارون نے غصّے سے بڑبڑاتے ہوئے کہا تھا۔

"آپ کو کیا ہمیں گود میں اُٹھا کر اندر جانا ہے۔ جو کب سے تڑیاں دکھا رہیں ہے۔ باقی سب بھی تو خوشی خوشی انجوائے کر رہیں ہے نا۔ بس ہر وقت مرچیں چبانی ہیں۔" صباح نے بھی آخر جوابی کاروائی کر ہی ڈالی تھی۔

"دل تو کرتا ہے اس کے ہونٹوں کو دادی کے سوئی دھاگے سے سی ہی ڈالوں۔" زارون نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"زور سے کہیں آواز نہیں آ رہی۔" صباح نے جان بوجھ کر اونچا کہا۔ جبکہ زارون نے ہمیشہ کی طرح اَن سنا کر کے عابص کو مخاطب کیا۔

"یار ہادی کو کال کر کے پوچھ ضرار مل گیا ہو تا آ جائے، لڑکیوں کے ساتھ یہاں باہر کھڑا رہنا مناسب نہیں ہے۔"

"زارا باجی کی بھی کال آئی تھی وہ کہہ رہیں ہیں رش بہت ہے اس لیے وہ لوگ اندر ریسٹورینٹ میں ہیں۔ اور کھانا کھا کر نکل جائینگے تو شاید اُن کی ہم سے ملاقات نہ ہی ہو۔" فلک نے بھی اطلاع دی تھی۔

کافی دیر انتظار کے بعد وہ سب اندر گئے تھے۔ پر اس قدر رش سے سب ہی خوفزدہ ہو رہے تھے۔ آخر سب نے ہار مان کر خود ہی کہا کے بس کسی ریسٹورینٹ میں کھانا کھا کر گھر چلتے ہیں۔ عاطف کا کانسرٹ پھر کبھی دیکھ لینگے۔

نور کا دل کیا ان سب کو ایک ایک لگا دے۔ پر وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی قسمت میں کانسرٹ دیکھنا لکھا ہی نہیں تھا۔ اذبان نے تو کل ہی منع کر دیا تھا۔ اور اتنی بھیڑ دیکھ کر ہادی نے بھی اس

طرف جانے کا منع کر دیا۔ یہاں تک وہ لوگ ریسٹورنٹ کے لیے بھی باہر کہیں جانے کا کہہ رہے تھے۔ جبکہ پورٹ گرینڈ میں ایک سے بڑھ کر ایک ریسٹورنٹ تھے۔

ہادی اور زارون سب کو آہستہ آہستہ پارکنگ تک آنے کا کہہ کر خود پارکنگ سے گاڑی لینے چلے گئے۔ کیونکہ پارکنگ دور تھی تو وہ سب پارکنگ کی طرف پہلے سے نہیں گئے تھے۔

اذبان چلتے چلتے نور تک پہنچا۔ اور آہستہ آہستہ اس کے پیچھے چلنے لگ گیا۔ اسے دیکھتے ہادیہ اور علیشبہ اپنے آپ آگے پیچھے ہو گئی۔ جبکہ نور منہ پھلائے ارد گرد سے بیگانہ چلتی جا رہی تھی۔

"کیا ہوا اداس ہو۔۔؟" نور کے دائیں جانب چلتے اذبان نے اُس کے خفا سے چہرے کو دیکھتا کہا۔

"ایک بار کوشش تو کریں اُس طرف جانے کی۔ بھلا کیا فائدہ اتنی مہنگی ٹکٹ لینے کا؟ خفگی سے منہ بناتے وہ رُخ موڑ گئی۔ یہ جانے بغیر کے کہنے والا کوئی اور نہیں اذبان ہے۔ اور پھر منہ پر ہاتھ رکھے اس نے یکدم اذبان کی طرف شرمندگی سے دیکھا۔

"پتہ نہیں کیوں آج میرے سینسیز کہہ رہے ہیں وہاں جانا ٹھیک نہیں۔ ورنہ میں ضرور لے جاتا۔ تمہاری حفاظت سب سے زیادہ ضروری ہے مسز اذبان۔" اذبان نے صفائی پیش کرتے کہا۔

اُس کے مسز اذبان کہنے پر ایک پل کے لیے اُس کی ہارٹ بیٹ تیز ہوئی تھی پر پھر بھی اپنی خفگی ہنوز قائم رکھتے ہوئے اُس نے خاموشی قائم رکھی۔ "شروع سے چاہتے ہی نہیں تھے یہ کہ ہم یہاں آئیں۔" دل ہی دل میں اذبان سے خفا ہوتے کہا۔

"نور فاطمہ۔۔!"اذبان نے اس کا ہاتھ پکڑتے اس کا رُخ اپنی طرف کیا"۔اب تم میری بیوی ہو۔پر جانتی ہو بیوی سے پہلے تم میری محبت ہو۔میری پہلی اور آخری محبت۔میری نماز میں مانگی گئی دعا تم ہو نور فاطمہ۔ آج تک کبھی تم سے بات نہیں کی کیونکہ میں ڈرتا تھا۔"اذبان نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے پہلی بار کُھلے الفاظ میں اظہار محبت کیا تھا۔پھر اپنا سر جھکا یا آنکھیں میچیں اور خود کو سنبھالتے پھر اس سے گویا ہوا۔"تم شاید کچھ نہیں جانتی نہ مجھے نہ میری محبت کو۔اور شاید کل میرے یہاں آنے کے منع کرنے کے بعد سے مجھ سے ناراض بھی ہو۔"

نور جو بے یقینی سے اسے کہتے سُن رہی تھی جھٹکے سے نظریں اٹھاتے اسے دیکھا۔وہ کیسے جان گیا کہ اس کا منع کرنا نور کو بُرا لگا ہے۔اور بُرا کیوں نہ لگتا۔جس شخص سے چند گھنٹے پہلے اتنی جلد بازی میں اس کا نکاح ہوا تھا۔اُس کے لیے اس کی خوشی کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ایسا وہ سوچ رہی تھی۔اور اسی بات کو دل میں بھی کہیں رکھے اذبان سے کچھ خفا تھی۔پر اس قدر خوبصورت اظہار محبت پر دل میں جیسے تتلیاں پھڑ پھڑا اُٹھی تھی۔پھر خود کو سنبھالتے کہا۔

"نہیں میں آپ سے خفا کیوں ہونگی؟"اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چُھڑاتے دہکتے گالوں پر ٹھنڈے ہاتھ رکھتے آرام سے کہا۔وہ دونوں اب باتوں ہی باتوں میں آگے نکل رہے تھے۔

"یہ تو اچھی بات ہے۔ورنہ مسئلہ ہو جاتا۔ویسے بھی بیوی کو منانا بڑا مشکل کام ہے۔"اذبان نے اب آہستہ سے ٹاپک چینج کر دیا تھا۔وہ چاہ کر بھی وہ سب نہیں کہہ پایا جو وہ کہنا چاہتا تھا۔

"تم خوش ہو اس نکاح سے؟"اذبان نے اچانک ہی اسے دیکھتے کہا۔

نور کے چلتے قدم تھم گئے۔ پھر وہ دو قدم چل کر اذبان کے سامنے آگئی۔ اب بھیڑ اس کے پیچھے تھے۔ اور اذبان اس کے آگے۔ "میں نہیں جانتی اذبان کہ میں خوش ہوں یا نہیں۔ اور اگر خوش ہوں تو کس لیے ہوں یا کتنا ہوں۔ پر آپ کو پتہ ہے میں بہت مطمئین ہوں۔"

اُس کے جواب پر اذبان کی روح تک پُر سکون ہو گئی تھی۔ بس وہ یہی چاہتا تھا کہ نور خوش رہے مطمئین رہے۔

باقی سب پارکنگ کے راستے پر تھے جبکہ وہ دونوں ابھی تک اندر ہی موجود تھے۔

****

وہ دونوں ابھی دروازے سے اندر داخل ہی ہوئے تھے کہ سامنے عابدہ بیگم کو کھڑا پایا۔ غصّے سے بھری نظر انہوں نے زارا پر ڈالی اور پھر احمر پر۔

"تم اندر جاؤ زارا۔" اس کا ہاتھ چھوڑتے احمر نے آہستہ سے زارا کو اندر جانے کا کہا تھا۔

"تم کیوں گئے تھے اسے لے کر جب میں نے منع کیا تھا۔" دبے لفظوں میں غراتے ہوئے احمر کو کہا تھا۔

"امّی زارا کا دل تھا سو میں لے گیا۔" سر جھکاتے پھر ان کا ہاتھ تھاما تھا۔ "آپ ایسی کیوں ہو رہی ہیں امی۔ اگر آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں اُسے چھوڑ کر آپ کو چُن لوں تو یہ ناممکن ہے۔ جیسے میں آپ کو دکھی نہیں کر سکتا۔ آپ کو انکار نہیں کر سکتا۔ ویسے اسے بھی دکھ نہیں دے سکتا۔ اسے بھی انکار نہیں کر سکتا۔ میرے لیے مشکل نہ کریں امّی پلیززز۔" ان کی آنکھوں میں دیکھتے اُن کی دونوں ہاتھوں کو سعادت مندی سے تھامتے اس نے جیسے التجا کی تھی۔

"کھانا کھا کر آئے ہو یا ہمارے ساتھ کھاؤ گے؟ میں اور تمہارے ابّو کب سے انتظار کر رہے تھے۔" اس سے اپنا ہاتھ چھڑواتے اب وہ کچھ پر سکوں ہو گئی تھی۔ ان کے انداز پر بے ساختہ ہی احمر کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔

"آپ کے ساتھ کھائینگے۔ میں بھی اور زارا بھی۔" خوشی سے مسکراتے اس نے کہا تھا۔

حالانکہ وہ دونوں کھانا کھا چکے تھے۔ پر ان لوگوں کا دل رکھنے کے لیے احمر نے کہہ دیا تھا۔ اور اس کی بات مانتے زارا بھی ایک بار پھر کھانا کھانے سب کے ساتھ بیٹھ چکی تھی۔

زارا کو سمجھ آ گئی تھی۔ اصل میں زندگی کوئی فینٹیسی نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی پلو شے جتنی تلخ۔ زندگی میں خوشی غم آزمائشیں مسکراہٹیں سب آتی ہیں۔ انسان کو سب سے گزرنا پڑتا ہے۔ رشتوں میں توازن برقرار رہے تو زندگی بہت حد تک پر سکون گزرتی ہے۔

****

بھیڑ میں یکدم شور شرابا شروع ہوا تھا۔ وہ دونوں جو اپنی باتوں میں باہر کی طرف بڑھ رہے تھے رُک گئے۔ دھکم پیل شروع ہوئی۔ اور اچانک فضا میں گولیوں کی بوچھاڑ ہونا شروع ہو گئی۔ کچھ فینز آپس میں ایک دوسرے سے کہیں اُلجھ پڑے تھے۔ اور انہیں میں سے ایک گروپ نے ہوائی فائرنگ شروع کر دی تھی۔ یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی سازش تھی جو سیاسی جماعتوں کی وجہ سے ہوئی تھی۔

"اذبان!" نور نے پھڑ پھڑاتے لبوں سے کہا تھا۔

"باہر کی طرف چلو جلدی۔۔۔" اس کا ہاتھ پکڑتے اسے کھینچتے ہوئے اذبان نے کہا تھا۔

نیچے پڑی کوئی نوک دار چیز اس کے پیر میں چبھی تھی۔ چلتے ہوئے اچانک درد کی لہر پاؤں میں دوڑی تھی۔ اور توازن بر قرار نہ رکھ پانے کی صورت میں وہ کچھ پیچھے ہوئے تھی۔ اذبان نے رُک پیچھے کی طرف دیکھا تھا۔ اور اچانک کہیں سے زور کا دھکا اسے لگا تھا۔ اذبان کے ہاتھ میں موجود نور کا ہاتھ یکدم چھوٹ گیا تھا۔ اور وہ آگے کی طرف زمین پر گرا تھا۔ فضا میں ایک بار پھر گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہوئی تھی۔

پارکنگ ایریاں میں موجود وہ سب خود ڈر گئے تھے۔ "فوراً گاڑی کی طرف جاؤ"۔ زارون زور سے چیخا تھا۔ اور وہ سب بھاگتے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھے تھے۔

"نور اور اذبان بھائی وہ دونوں نہیں ہیں۔۔" عبیر نے رُک کر گھبراتے ہوئے کہا تھا۔

"وہ پیچھے تھے۔۔۔" ہادیہ نے کانپتے لبوں سے کہا۔

ہادی بغیر کسی کی سنے بھاگتے ہوئے بھیڑ کی طرف بڑھا تھا۔ اور پھر بھیڑ میں غائب ہو گیا تھا۔

عابص نے فوراً اذبان کو کال ملائی تھی۔ کہ وہ جہاں بھی ہوں پارکنگ تک پہنچ جائیں۔ کیونکہ اب آہستہ آہستہ لوگ بھاگ کر پارکنگ ایریاں کی طرف بڑھ رہے تھے۔

کافی دیر بیل بجتی رہی۔ پھر اذبان کی آواز گونجی۔

"ہیلو!"

"اذبان تم دونوں کہاں ہو؟ ہادی اسی طرف آیا ہے۔ جلدی باہر نکلو۔۔۔" بات مکمل نہیں ہوئی تھی اور فون کٹ گیا تھا۔

اُس کا فون دور جا گرا تھا۔ اور وہ ایک بار پھر دور جا گرا تھا۔ اور اس بار نور اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

"نورررر!" وہ چیخا تھا۔ اور بھیڑ کو چیرتا ہوا ادھر اُدھر اسے تلاش کر رہا تھا۔

زخمی پیر کے ساتھ وہ اس قدر بھیڑ میں سب کو تلاش کر رہی تھی، پر وہاں کوئی نہیں تھا۔ فضا ایک بار پھر گولیوں کی برسات ہوئی۔ اور نور کو اپنا بائیاں بازو چیرتا ہوا محسوس ہوا۔ پل بھر کے لیے آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا۔ دماغ پر زور ڈالتے اُس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ پر قدم لڑکھڑاہٹ کا شکار ہوئے۔

"نورررر!" وہ پوری قوت سے بھیڑ میں جگہ بناتے چلایا تھا۔ اس کی آواز میں ایسی گرج تھی کہ آتے جاتے لوگوں نے اس قدر بھیڑ میں بھی ایک بار اُس کی طرف ضرور دیکھا تھا۔

نور نے دھندلاتی آنکھوں سے اپنے بائیں جانب سے کچھ دور کھڑے اذبان کو دیکھا۔ بے اختیار اس نے قدم آگے بڑھانے چاہے۔ پر وہ نہیں بڑھا سکی۔ اسے اپنے گھر والوں کی کہی باتیں یاد آنے لگی۔ دادی جان کا بار بار اُسے روکنا اور اس کا ضد کر کے یہاں آنا۔ اس کا دل چیخ چیخ کر رونے کا کیا۔ پر تکلیف کی شدت سے وہ چیخ بھی نہیں سکی۔

"نور۔۔!" وہ چلایا اس کا دل چاہا وہ وہی زمین پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ پر اس کا گلابی آنچل جواب ڈھلک اس کے کندھے سے نیچے آ گیا تھا۔ اذبان کو دکھ گیا۔ نہ جانے اسے دیکھتے ہی جسم میں ایک بار پھر سے جان آ گئی تھی۔ پر چند قدم چلتے ہی اذبان نے اس کے چہرے پر غور کیا۔ وہ ہوش کھو رہی تھی۔ خون اب بازو سمیت پوری قمیض بھگو چکا تھا۔ چہرے پر حزن پھیلا ہوا تھا۔

ہادی تیزی سے بھاگ رہا تھا اور ہر طرف چیخ چیخ کر انہیں پکار رہا تھا۔ اور بے اختیار اس نے سوچا اگر وہ دونوں اندر ہوئے تو۔ اگر وہ باہر نکل ہی نہیں سکے تو۔ یہ سوچ آتے ہی وہ واپس اندر کی طرف بڑھا۔ جس جگہ سے سب خوفزدہ ہو کر وہاں سے باہر بھاگے چلے آ رہے تھے۔ وہی پر کسی کو رشتوں کی طاقت کھینچ لائی تھی۔

ہادی کے پیچھے اب علی اور آزان بھی وہاں آ چکے تھے۔ باقی سارے لڑکے باہر لڑکیوں کے ساتھ ہی تھے۔

اُس نے اذبان کو دوڑتے ہوئے اپنے قریب آتے دیکھا۔ بھیڑ میں جگہ بناتے لوگوں کو چیرتے وہ اس تک پہنچ رہا تھا۔ اچانک اس کے زخم والی جگہ پر کوئی ٹکرایا۔ تکلیف کی شدت سے اُس نے آنکھیں بند کی۔ اُس کا پورا ہاتھ جیسے جل رہا تھا۔ پیر پر آگے بڑھنے کے لیے دباؤ ڈالا تو پیر کا زخم پھر یاد آیا۔ لڑکھڑاتے ہوئے وہ بس اپنی جگہ سے چند انچ ہلی تھی۔ اسے بچوں کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اور اچانک ہی ایمبولینس اور پولیس کی گاڑیوں کے سائرن بجنے لگے تھے۔

اذبان نے اس کے بازو سے بہنے والے خون کو دیکھا۔ اور پھر تیزی سے قدم آگے بڑھائے۔ ایک دھکا پھر اسے لگا پر اس بار اس نے خود کو گرنے سے بچا لیا۔

"نوررر!" اس نے نور کو پکارنا چاہا۔

وہ اب کی بار ہل بھی نہیں سکی۔ دھندلائے چہرے اب مٹ گئے۔ اُس نے اپنے آس پاس اپنوں کو تلاشنا چاہا۔ وہ جو سب کے کام آ جایا کرتی تھی۔ سب کی مشکلیں دور کر دیا کرتی تھی۔ آج اُسے اپنی مدد کے لیے وہاں کوئی اپنا نہیں دکھا۔ اُس نے بے اختیار آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ چند قدم دور اسے اذبان نظر

آیا۔اس نے پوری طاقت لگا کر قدم آگے بڑھانے چاہے پر نہیں بڑھا پائی۔اس پہلے وہ زمین بوس ہوتی اذبان نے روتے ہوئے اسے تھام لیا۔اور بغیر کسی کی پرواہ کئے اسے لیے باہر کی طرف بھاگا تھا۔

محبت بچھڑ گئی

محبت ملنے سے پہلے

ہادی نے دور سے اذبان کو بھاگتے ہوئے دیکھا۔وہ کسی کو گود میں اُٹھائے دیوانہ وار ان کی طرف بھاگ رہا تھا۔وہ نور نہیں تھی۔وہ نور ہو ہی نہیں سکتی تھی۔پر پھر اس کا چہرہ ڈھلک کر ہادی کے سامنے آیا۔ایک دم سفید چہرہ۔جیسے سارا خون جسم سے بہہ گیا ہو۔ہادی نے سانس لینے کی کوشش کی پر وہ نہیں لے سکا۔

"نور۔۔!"اُس نے گھبراتے ہوئے سرگوشی کی تھی۔

"تم ان سب کو لے کر گھر جاؤ ہم نور اور اذبان کو لے کر آتے ہیں۔"زارون نے عابص اور عدیم سے کہا۔

"نہیں میں یہی موجود ہوں۔عدیم تم ایک گاڑی میں ان سب کو گھر لے جاؤ۔ہم دوسری میں آتے ہیں۔"عابص نے عدیم کو ان سب کو لے جانے کا کہا۔پر عدیم بغیر ہلے سامنے سے بھاگتے ہوئے آتے ہادی علی اور آزان کے پیچھے اذبان کو دیکھ رہا تھا۔

"اذبان بھائی۔۔!"عدیم نے پھڑپھڑاتے لبوں سے سامنے دیکھتے کہا۔اور سب کی نظر اذبان کے ساتھ ہی نور پر پڑی۔اور ان میں سے کوئی اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکا۔

****

چند گھنٹوں میں ہی زیتون محل میں موت سے سناٹوں کا راج برپا تھا۔ روبی بیگم کا رو رو کر بُرا حال تھا۔ جبکہ دادی جان بار بار خود کو کوس رہی تھی۔

"ہائے مجھ کمبخت کی نظر لگ گئی میری بچی کو۔ کہتی بھی تھی نہ آمیرے سامنے، نظر لگ گئی میری میرے ہی بچوں کو۔" اپنا سر پیٹتی دادی جان چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔

روبی بیگم کا الگ رو رو کر بُرا حال تھا۔ زارا بار بار فون کر کے پوچھ رہی تھی۔ پر ہسپتال سے کوئی خبر پہنچ ہی نہیں رہی تھی۔

دادا جان کو سب نے ہسپتال آنے سے روکا ہوا تھا۔ وہ چُپ چاپ سر پر ہاتھ رکھے آنگن میں بیٹھے باہر کا دروازہ تک رہے تھے۔

"دادا جان اندر چل کر کچھ دیر لیٹ جائیں۔" پلوشے نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے کہا۔

"تو جا اندر۔ جب تک نور نہیں آتی میں یہی بیٹھا رہو نگا۔" بچوں کی طرح ضد کرتے ہوئے آخر میں وہ رو پڑے تھے۔

پلوشے بھی ان کے گلے لگتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"میں بتا رہی ہوں۔ کل کوئی کام نہیں کرونگی میں۔ ورنہ اپنے ہی نکاح پر ماسی والی شکل نکل آئیگی سچی۔"

"ہمیشہ تک اور ہر اس شخص سے لڑونگی جو آپ کے بارے میں غلط بیانی کریگا۔ منہ پھلا کر کہا تھا۔"

"جب کوئی آپ کے بارے کچھ غلط کہتا ہے۔ میرا دل کرتا ہے میں اس کا منہ نوچ لوں۔"

پلوشے کو بے اختیار اس کی کہی ہر بات یاد آئی تھی۔

ہادیہ اور علیشبہ کا الگ رو رو کر بُرا حال تھا۔ "یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ نہ میں کوئی ایسی ویسی دعا کرتی نہ ایسا کچھ ہوتا۔ مجھے نور کو تکلیف پہنچا کر ہادی کو نہیں روکنا علیشبہ۔" علیشبہ کے گلے لگے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"اُسے کچھ بھی نہیں ہو گا ہادیہ۔ تم دیکھنا ابھی صبح وہی سب سے زیادہ تمہارا مزاق اُڑا رہی ہو گی۔" عائشہ نے دونوں کو تھپکی دیتے دلاسہ دیا۔

"ہاں تو دیکھو۔ میں بھی تو چُپ بیٹھا ہوں۔ کیونکہ مجھے پتہ ہے صبح اگر اسے پتہ چلا کہ اس کے لیے ہم سب رو رہے تھے تو وہ بدتمیز سب کا مزاق اُڑائیگی۔" عدیم نے آنکھیں صاف کرتے کہا۔ "مجھ سے پوچھ رہی تھی محبت کیا ہوتی اب میرا دل جاہ رہا ہے اُسے بتاؤ کہ یہ ہوتی ہے محبت کہ ہسپتال میں وہ ہے اور دل ہمارا مردہ ہو رہا ہے۔۔"

"اُنہیں لیفٹ سائیڈ پر گولی لگی تھی نا بھائی۔۔؟ عبیر نے روتے ہوئے اپنا خدشہ بیان کیا۔ "خون بھی اتنا بہہ رہا تھا۔" خود سے بڑبڑاتے وہ صوفے پر دونوں پیر اوپر کئے بیٹھ گئی تھی۔

اُس کا شوہر ڈاکٹر ہے۔ راستے میں ہی اذبان بھائی نے فرسٹ ایڈ دے دی ہو گی۔ اُسے کچھ نہیں ہو گا۔ اور میں اسے بتاؤنگا تم لوگ کیسے بچوں کی طرح رو رہی تھی۔ دیکھنا کتنا مزاق اُڑاتی ہے سب کا۔" عدیم نے اپنے بے قابو ہوتے آنسوؤں کو سنبھالتے کہا۔ اور باہر ٹیرس کی طرف چل پڑا۔

"نوررررر! میری پیاری بہن کیا تمہیں پتہ ہے نا میں تم سے کتنا پیار کرتا ہوں۔" پھڑ پھڑاتے لبوں سے اکیلے میں اپنا ہمیشہ کا بولا جانے والا ڈائیلاگ دہرایا تھا۔ "تمہارے بغیر زندگی یکدم کوکوموجیسی ہوگئی ہے بلکل خالی۔" آسمان کو دیکھتے اُس نے کہا تھا۔ آنکھیں بار بار صاف کرنے پر بھی خود بخود نم ہوئی جارہی تھی۔

****

ہاسپٹل کے کوریڈور میں وہ سب ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہے تھے۔ اور وہ خون آلود کپڑوں سمیت زمین پر ایک ہی پوزیشن میں بیٹھا تھا۔ اس کا پورا وجود اس وقت کانپ رہا تھا۔ برسوں پہلے اس ہسپتال میں اُس نے اپنی پہچان کھوئی تھی۔ آج لگ رہا تھا جیسے جان کھو دیگا۔ اس کا دل کانپ رہا تھا اور وجود دعا بن بیٹھا تھا۔

"اللہ۔۔!" تکلیف سے اس نے اللہ کو پکارا تھا۔

"وہ زخمی کیسے ہوئی تھی اذبان۔۔؟ زبیر صاحب نے اس کے آگے بیٹھتے پوچھا۔ ان کا دل اس وقت بیٹی کو سینے سے لگانے کا چاہ رہا تھا۔ پر ڈاکٹرز نے اب تک کوئی خبر نہیں دی تھی۔

"مجھے ٹھیک سے نہیں پتہ۔ وہ ٹھیک تھی۔ سب ٹھیک تھا۔ پھر میں گر گیا۔ اُس کا ہاتھ چھوٹ گیا اور رش میں وہ کہی غائب ہوگئی۔ ہمیشہ کی طرح چند پل بعد وہ خوابوں میں بھی تو غائب ہو جاتی ہے نا۔ کیا یہ خواب ہے؟" سامنے دیوار کو دیکھتے ویران آنکھوں سے اذبان نے ان سے پوچھا۔

زبیر صاحب کو اس وقت وہ اپنے حوش وحواس میں نہیں لگا۔ بے اختیار انہیں اپنی بیٹی کی قسمت پر رشک آیا۔ اور بے اختیار ہی اسے خود سے گلے لگائے وہ رو پڑے۔

میری نور کو کچھ نہیں ہونا چاہیئے اذبان۔ میری بیٹی کو کچھ نہیں ہونا چاہیئے۔ اسے گلے سے لگائے وہ کہتے جا رہے تھے۔ اور ابھی تک پہلے والی حالت میں بیٹھا تھا۔ نعمان صاحب اور زارون نے زبیر صاحب کو وہاں سے اُٹھاتے چیئر پر بٹھایا تھا۔ جبکہ آزان اذبان کو تسلیاں دینے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔

ہاسپٹل کے مریضوں کو دیکھتے عابص نے جھرجھری لی تھی۔ اور اُسے ہنستی کھیلتی نور نظر آئی تھی۔

"حد ہے بھئی نور نہ ہو گئی انیس سو سنتالیس کا پریم پتر لے جانے والا کبوتر ہو گئی۔"

"نور اپنے کام کی اپنی مرضی کی فیس لیتی ہے۔ انڈرسٹینڈ۔ اُس پر احسانِ عظیم کرتے ہوئے ناک چڑھاتے کہا۔"

"میں ایسے معاملات میں بلکل نہیں پڑتی کوئی اور بکرا ڈھونڈیں آپ۔"

"عابص بھائی رحم کریں مجھ مصصوم پر۔"

اُس کی معصوم باتیں یاد کرتے اپنے آپ ہی اُس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"چائے پی لیں بابا۔ اور چاچو کو بھی کچھ دیر گھر بھیج دیں۔ بلکہ آپ سب ہی چلے جائیں۔ ہم ہیں یہاں۔ ویسے بھی یہاں زیادہ رش لگانا ٹھیک نہیں ہے۔" زارون نے انہیں چائے کا کپ تھماتے کہا تھا۔

"ہماری بچی آپریشن تھیٹر کے اندر ہے زارون۔ گھر جا کر تو اور بے چین ہو جائینگے۔" شہزاد صاحب نے کہا تھا۔

"گھر سے فون آیا تھا۔ وہاں سب کا رو رو کر بُرا حال ہے۔ دادا جان آنگن سے ملنے کو تیار نہیں ہیں۔ دادی جان کہتی ہیں ان کی نظر لگ گئی ہے۔ اور روبی چاچی کسی بات سے چُپ نہیں ہو رہی ہیں۔ آپ سب گھر جائیں انہیں سنبھالیں۔ ہادی کی بھی کل رات کی فلائیٹ۔ اگر ایسے ہی بیٹھا رہا تو تھک جائیگا۔" زارون نے انہیں آرام سے ساری بات سمجھائی تھی۔

"ٹھیک ہے میں کہتا ہوں۔" وہ بڑے تھے۔ چھوٹوں کی ذمے داریاں کندھے پر لادتے لادتے اب ان کے کندھے پہلے سے زیادہ جُھک گئے تھے۔

بہت مشکلوں سے شہزاد صاحب زبیر صاحب کو منانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ پر ہادی نے صاف منع کر دیا تھا۔ وہ جب سے آیا تھا وہی بیٹھا تھا۔

"عاطف کا کونسرٹ نہ ہو گیا بارات ہی ہو گئی کہ سب کو لے چلو۔ ویسے شرم تو آ نہیں رہی دونوں کو مزے سے اپنی اپنی محبتیں ساتھ باندھیں لے کر جانے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔"

شرم کیسی تم بہن سے پہلے دوست ہو یار۔ کیوں ضرار ہادی نے اُس کے کندھے پر ہاتھ ڈالتے شرارتاً کہا۔"

"بلکل بہن کون ہے تم تو اپنا جگری یار ہو۔ آنکھ مارتے اب دونوں ہی اُسے مکھن لگا رہے تھے۔"

ہادی کے سامنے کچھ دن پہلے کا منظر لہرایا تھا۔ اور وہ آنکھیں میچ گیا تھا"۔ ٹھیک ہو جاؤ نور تمہارا بھائی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا یار۔ تم میری دوست ہو ہمراز ہو۔ مجھے تو کبھی لگا ہی نہیں تم بس میری بہن ہو۔ تم میری سب کچھ ہو میرا بھائی بھی اور ضرورت پڑنے پر میری ماں بھی۔ بہتے ہوئے آنسوں صاف کرتے ہادی نے سوچا۔

ویٹنگ آئیریا میں بیٹھتے ہوئے زارون نے سر پیچھے گراتے آنکھیں موندی تھیں۔ آنسوؤں کی ایک لڑی روکنے کے باوجود پلکوں کی باڑ سے بہہ گئی تھی۔

"ویسے آپ کے دل میں تو بڑے لڈو پھوٹ رہو نگے نہ آخر کو ہماری اتنی پیاری صباح باجی جو آپ کو مل رہی ہیں۔"

"یہ جب آپ مطلب پڑنے پر اتنی میٹھی زبان کہتے ہیں ناعدیم کی کاپی لگتے ہیں، آرہی ہوں صبر کریں۔"

"زارون بھائی۔۔۔! خبردار اگر آپ نے کسی کو ایک لفظ بھی کہا تو۔"لال ٹماٹر چہرہ لیے جھاگ والے ہاتھ لیے وہ اُس کے پیچھے بھاگی تھی۔

ایسے کرتے ہیں بھلا کسی کو پرپوز۔۔؟"

"یہ چڑیل کس کو کہا آپ نے ہاں۔ میں بتاؤں گی انہیں کہ آپ نے انہیں چڑیل کہا ہے۔"

"ایسے آڈر صباح باجی کو دے کر دکھائیں ناپھر مانوں میں آپ کو کافی بناؤ ہنہہ۔"

آرام سے بولا کریں نا بھئی اس گھر میں چلتی پھرتی دیواریں موجود ہیں جن کے لمبے لمبے کان ہیں۔"

"تم کیوں اتنی پیاری ہو چندہ؟ جلدی سے ٹھیک ہو جانا نور ہمیں کسی امتحان میں مت ڈالنا۔ یہاں کوئی تمہیں تکلیف میں دیکھنے کی سکت نہیں رکھتا کجا کہ تم سے دور جانا۔ مجھے مزید مضبوط نہیں بننا۔ ٹھیک ہو جاؤ گڑیا نہیں تو میں بھی اذبان اور ہادی کی طرح ہمت ہار کر رونے لگوں گا۔" دل ہی دل میں اُس سے مخاطب ہوتے زارون نے کہا تھا۔ اُس کی سب سے پیاری بہن جس سے وہ بے حد پیار کرتا تھا۔

****

اُس کے گرد دنیا گھوم رہی تھی۔ وہ سب کو دیکھ رہی تھی۔ سنبل چاچی کسی بات پر اسے ڈانٹ رہیں تھیں۔ اور وہ ان کے جاتے ہی چپکے سے ان پر ہنس رہی تھی۔ دادی جان بار بار اس کا ماتھا چومتی اس کی بلائیں لے رہی تھیں۔ وہ سفید جوڑے میں لال ڈوپٹہ اوڑھے اپنی امّی سے پوچھ رہی تھی۔ "کیسی لگ رہی ہوں میں؟" وہ اس کا ماتھا چوم کر کہہ رہی تھی۔ "شہزادی لگ رہی ہے میری گڑیا۔" وہ سب کزنز کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھی۔

آنگن میں سے کوئی پھول توڑے اسے دے رہا تھا۔ اس نے پھول تھامنے کے لیے ہاتھ بڑھانا چاہا۔ اور یکدم درد کی ایک گہری لہر اس کے پورے وجود پر چھا گئی۔

"امّی۔۔!" کراہتے ہوئے اس نے کہا۔ کسے نے اسے زور سے دھکا دیا تھا۔ وہ اذبان سے دور جا گری تھی۔ وہ اس تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پر اندھیرے میں وہ صرف گول گول گھوم رہی تھی۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ دوائیوں کی بدبو اور سفید کپڑوں میں کچھ لوگ اسے اپنے آس پاس دکھے۔ وہ زیادہ دیر تک آنکھیں نہیں کھول سکی۔ بوجھل ہوتی پلکیں ایک بار پھر بند ہو گئیں۔

"ا۔ذ۔بان۔۔!" بے اختیار اس نے اذبان کو پکارنہ چاہا۔ وہ ہلنا چاہتی تھی۔ پر جسم مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔ ایک بار پھر اس نے ہاتھ ہلانے کو شش کی اور اس بار درد پہلے سے بڑھ کر محسوس کیا۔ وہ بیہوشی میں ہی روتے ہوئے کراہی تھی۔ "امی۔۔!"

اُسے ہوش میں آتے دیکھ ڈاکٹرز نے باہر سب کو اطلاع دی تھی۔

اذبان کا سُن ہوتا جسم جیسے جاگ اُٹھا تھا۔ وہ فوراً کھڑا ہوا تھا۔ اپنی سورس لگا کر وہ اندر اس سے ملنے گیا تھا۔ وہ نیند میں بھی کراہ رہی تھی۔ تکلیف کی شدت سے آنسوں پلکوں کی باڑ توڑ کر چہرہ بھگو رہے تھے۔ اذبان نے ضبط کا مظاہرہ کرتے اُس کے آنسوں صاف کیئے تھے۔

"امّی۔۔!" بے ہوشی میں اُس نے کہا تھا۔

اذبان نے اس کا ہاتھ تھامتے اسے پکارا تھا۔ "نور۔۔! ٹھیک ہو؟"

"اذبان۔۔؟" ہلکی ہلکی آنکھیں کھولتے اس نے اذبان کو دیکھتے کہا تھا۔

"جی اذبان کی جان۔ میں یہیں ہوں۔ سب ٹھیک ہے بے فکر رہو۔" وہ فوراً ڈاکٹرز کو اطلاع دینے باہر گیا تھا
۔

ڈاکٹرز نے اس کے چیک اپ کے لیے اذبان کو بھی باہر کر دیا تھا۔

بہت دیر بعد اس کی آنکھ ایک بار پھر کُھلی تھی۔ ایک نرس اس کی ڈرپ ٹھیک کر رہی تھی۔ اس کے بازو پر بھی پٹی تھی۔ اور پھر ایک بار پھر وہ غنودگی میں چلی گئی تھی۔

****

نور کو ہوش آ گیا تھا۔ آپریشن کے دوران گولی باہر نکال لی گئی تھی۔ پیر میں لوہے کی کوئی چیز لگی تھی۔ جس وجہ سے ابھی زیادہ چلنے پھرنے کا منع تھا۔

پوری رات ان سب نے کانٹوں پر گزاری تھی۔ اور صبح ہونے کا انتظار کیا تھا۔ نور اب ٹھیک تھی۔ خطرے والی کوئی بات نہیں تھی۔ یہ سُن کر سب کچھ بہتر ہوئے تھے۔

زیتون محل کا ہر فرد صبح ہی صبح ہاسپٹل پہنچ گیا تھا۔ رات کو ہاسپٹل میں صرف زارون اور اذبان ہی رُکے تھے۔ اور صبح پانچ بجے اسے کمرے میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔

زارون جو اپنے اور اذبان کے ناشتے کے لیے باہر کینٹین میں آیا تھا۔ اپنے گھر کے پورے ٹبر کو دیکھتے اچھنبے میں آ گیا۔ اور مارے شرمندگی کے خفت سے ان سب کو دیکھا۔

"آپ سب کے سب یہاں کیوں آ گئے ہیں؟ یہ ہسپتال ہے پکنک منانے کی کوئی جگہ نہیں۔"

"ہائے تو ہماری پریشانی کو پکنک کا نام دیئے بیٹھا ہے۔ اور ابھی ہم آئے ہیں شام میں بچیاں آئینگی۔ تو انہیں بھی ایسے ہی نکال دیگا ہیں۔ ہٹ پرے اور مجھے لے کر جا اندر۔ جب تک اپنے جگر کے ٹکرے کو دیکھ نہیں لونگی چین نہیں آئیگا۔" دادی جان نے خفگی سے کہا۔

"ہاں زارون بیٹا۔ روم نمبر تو بتاؤ ہمیں۔ کیسی ہے اب میری بچی۔" روبی بیگم نے بے چینی سے پوچھا تھا۔

"چلیں آپ لوگ میں لے کر چلتا ہوں۔" نفی میں سر ہلاتے زارون نے کہا تھا۔

نور اتفاقاً ہوش میں ہی تھی۔ اسے اس حالت میں دیکھ روبی بیگم کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔ فیروزہ تائی نے اذبان کو زارون کے کپڑے تھمائے جو اس نے گھر سے منگوائے تھے۔ وہ کل رات سے خون آلود کپڑوں میں موجود تھا۔

نور نے بھاری ہوتی پلکوں سے اذبان کی طرف ایک معدوم سی مسکراہٹ اچھالی تھی۔ جس اذبان کے پورے وجود میں سرشاری دوڑ گئی تھی۔

"تم نے ہمیں ڈرا دیا تھا یار۔" ہادی نے اس کا ماتھا چومتے کہا۔

نور نے صرف پلکیں جھپکاتے اسے دلاسہ دیا تھا۔ پھر کچھ ٹھہر کر بولی "فلائٹ کب کی ہے آپ کی؟ گھر جا کر آرام کر لیں میں ٹھیک ہوں اب۔ میرے لیے فلائیٹ کینسل مت کیجیئے گا۔ ورنہ میں سچ میں ناراض ہو جاؤنگی۔" ہلکی آواز میں کہا تھا۔ جو ہادی نے اپنے کان لگا کر بمشکل سنی تھی۔

"تم آرام کرو۔ میں گھر سے کھانا لاتا ہوں تمہارے لیے۔" اسے کہتے ہی ہادی گھر کھانا لینے گیا تھا۔

سب آہستہ آہستہ اس سے ملنے آ رہے تھے۔ اور اس سب کے دوران اذبان کرسی لیے ایک کونے پر خاموشی سے بیٹھا، ہمیشہ ہی طرح اسے تکتا رہا تھا۔ جب سب باہر چلے گئے تو وہ چپکے سے کرسی اس کے بیڈ کے پاس لے آیا۔ نور سو چکی تھی۔ اس کے بازو میں درد تھا اور آنکھیں بار بار بند ہو جاتی تھی۔ بہت تھوڑی دیر کے لیے وہ آنکھیں کھولتی تھی۔

****

وہ لاؤنج میں بیٹھا تھا۔ کہ پیچھے سے ہادیہ کی آواز آئی۔ اور وہ چونک کر مُڑا۔ زارون کی منگنی کے بعد سے یہ پہلی بار تھا کہ وہ اس سے ہمکلام ہوئی تھی۔

"ہادی!" دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑتے۔ گھبراتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ اور ہادی ابھی حیرت زدہ تھا۔

"کیسی ہو۔۔؟" اُس پر سے آنکھیں ہٹاتے ہادی نے کہا تھا۔

"ٹھیک! تم کیسے ہو؟" کتنی رسمی گفتگو پر آ گئے تھے وہ دونوں۔ کنفیوز ہوتے نظریں ادھر اُدھر دوڑائی تھی ۔اور ہادی سمجھ گیا تھا وہ کچھ کہنا چاہتی ہے۔

"بیٹھ جاؤ ہادیہ۔ میں سُن رہا ہوں تمہیں۔" اتنے دنوں سے وہ اس کے پیچھے پاگل ہو رہا تھا۔ اور جب وہ اس کے سامنے تھی۔ تو ہادی کا دل چاہ رہا تھا جی بھر کر اُس سے خفا ہو جائے۔ اس سے پوچھے کہ تم نے مجھ پر میری محبت پر بھروسہ کیوں نہیں کیا۔ پر وہ یہ خفگی چاہ کر بھی زبان پر نہیں لا سکا۔

"تت تم وہ۔" گہری سانس لیتے جھیل سی کالی آنکھوں میں آنے والے آنسوں گرنے سے پہلے صاف کئے تھے۔ "تم جلد واپس آ جانا ہادی۔ میں تمہارا انتظار کرونگی۔ تم۔۔۔ یہ۔۔۔ انت۔۔۔۔ انتظار جلدی ختم کر دینا۔" ہچکی لیتے اُس نے اپنی بات مکمل کی تھی۔

ہادی کے دل پر جیسے زور کی ضرب لگی تھی۔ وہ اس کے قدموں میں آ بیٹھا تھا۔ "اگر ہادیہ موسیٰ ایک بار کہہ دے، اُسے اپنے ہادی پر بھروسہ نہیں۔ خدا کی قسم میں کبھی کہیں نہیں جاؤنگا۔ ساری عمر تمہارے قدموں میں پڑا رہونگا۔" جزب سے کہتے ہادی نے نظریں اسے کے شفاف چہرے پر ڈالی تھی۔ جو رونے کی وجہ سے اب کہیں کہیں سے لال ہو رہا تھا۔

"ہادیہ کو اپنے ہادی پر بھروسہ ہے۔" ہادی کو دیکھتے اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم بھروسہ ہے پر قسمت پر نہیں ہے۔" ہادیہ نے دل ہی دل میں کہا۔

بڑوں کی دعاوؤں اور ہادیہ کا یقین جھولی میں سمیٹے اُس نے اپنے خوابوں کی طرف پہلا قدم بڑھایا تھا۔ پر کون جانے یہ خواب اُس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی چھیننے والے ہیں۔ ہادیہ نے ایک آخری بے تاثر نگاہوں سے اسے دیکھا تھا اور پھر وہ پلٹ گئی تھی۔

جانے سے پہلے وہ ہسپتال نور سے ملنے گیا تھا۔ ڈاکٹرز کا کہنا تھا بہت جلد اسے گھر بھیج دینگے۔ زیادہ سے زیادہ دو دن اسے ہسپتال میں رکھنے کی ضرورت تھی۔

نور اب پہلے سے بہتر تھی۔ اذہان نے ایک لمحہ بھی اسے اکیلا نہیں چھوڑا تھا۔ روبی بیگم اور زبیر صاحب تو داماد پر وارے نیارے جا رہے تھے۔ پر در حقیقت اس واقع نے ان سب کو ہی ڈرا دیا تھا۔

****

آنگن میں بہار اتر آئی تھی۔ مرجھائے پھول پھر کھلنے لگے تھے۔ دادا جان پھر پودوں کی کانٹ چھانٹ میں مصروف ہو گئے تھے۔ دادی جان دعائیں پڑھ پڑھ کر پورے گھر میں گھومتی رہتی۔

"پورے گھر میں بریانی کی مہک پھیلی ہوئی ہے۔ آخر بنا کون رہا ہے؟" فلک خوشبوں سونگھتے سونگھتے باہر تک آئی تھی۔

"بجو بنا رہی اپنے کوکنگ چینل کے لیے۔" عائشہ نے جواب دیا تھا۔

"اچھا مجھے لگا حمیرا پھپھو بنا رہی ہیں۔ ان کی بریانی کی خوشبو بھی ایسی ہی ہوتی ہے نا؟" مہک کو اندر اتارتے فلک نے للچاتے ہوئے کہا۔

"ایک نمبر کی ندیدی لگ رہی ہو۔" عدیم نے کھسیانی ہنسی ہنستے کہا۔

"تجھ سے تو کم ہی ندیدی ہے یہ۔" سنبل چاچی نے ہمیشہ کی طرح بیچ میں ڈبا کہ مارا تھا۔ "چل اُٹھ دہی لا دے جلدی سے۔" تیکھی نظروں سے عدیم کو دیکھتے کہا تھا۔

"یار امّی ابھی باہر سے آیا ہوں۔ کچھ دیر ٹھہر کر جاؤنگا۔" کشن گود میں رکھ کر دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے ڈالے وہ اطمینان سے بیٹھ گیا تھا۔

"چچی اتنا بڑا جھوٹا ہے۔ گلی میں کرکٹ کھیلنے میں مصروف تھا یہ بھی اور علی بھی۔" نور نے ہنسی دباتے سب کو آنکھ ماری تھی۔

جبکہ سنبل بیگم نے وہی سے چپل اتار کر ہوا میں نشانہ لگایا تھا۔ "اُٹھتا ہے یا پہنوں میں چادر۔ بلکہ چھوڑ فلک جا میرا پتر میری چادر لے آ میں خود لے آؤنگی" ۔ سنبل بیگم کی اداکاری پر سب ہی عش عش کر اُٹھے تھے ۔

جبکہ عدیم نے ان کی اداکاری پر چپل کو خاطر میں نہ لے کر زور سے ہنسا تھا۔ اور اس کے ہنسنے پر دوسرا چپل بھی زور سے اُس کے ماتھے پر جا لگا تھا۔

"اچھا اچھا جا رہا ہوں نہ بھئی۔" عدیم فوراً سیدھا ہوا تھا۔

"ویری گُڈ! امّی میں تو کہتا ہوں اولیمپکس میں حصّہ لے لیں آپ۔ کمال کا نشانہ ہے آپ کا۔" عابص نے پانی کا گلاس منہ سے لگاتے کہا تھا۔

"ویسے حصّہ تو آپ بھی لے سکتے ہیں۔ نظروں کا نشانہ تو آپ کا بھی بہت کمال ہے عابص بھائی۔" جواب عائشہ نے دیا تھا۔ وہ جو بار بار علیشبہ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سب کی نظروں سے بچ سکتا تھا پر عائشہ کی نہیں۔

عائشہ کو آنکھیں دکھاتے وہ فوراً وہاں سے اُٹھا تھا۔ جبکہ علیشبہ منہ پر ہاتھ رکھے اپنی بے ساختہ امڈنے والی مسکراہٹ چھپا رہی تھی۔

"اوہو لڑکیوں باہر بارش ہو رہی ہے۔ آؤ باہر چلتے ہیں۔" صباح بھاگتی ہوئی اوپر سے آئی تھی۔ اور اُن سب کی طرف بڑھی تھی۔ "ہادیہ کھڑی ہو بھئی۔۔!" اسے وہی جما دیکھ کر صباح نے کہا۔

"صباح باجی میرا موڈ نہیں ہے۔ آپ سب جائیں۔" ہادیہ نے کہا تھا اور ساتھ ہی سوچا تھا۔ کیا وہاں بھی برسات کا موسم ہو گا؟ کیا ہادی بھی اس وقت اُسے یاد کر رہا ہو گا؟

"تم کب سے سوکھی سڑی بن گئی؟" صباح نے اِن۔ڈائریکلی زارون پر چوٹ کرتے کہا تھا۔ کیونکہ اسے بارش نہیں پسند تھی۔

"ہمیں نہانے کے لیے بارش کے پانی کی ضرورت نہیں۔ الحمد اللہ ہم ویسے بھی روز نہا لیتے ہیں، کیوں ہادیہ؟" زارون نے فوراً جوابی کاروائی کی تھی۔

"تو آپ کا مطلب ہے۔ ہم کیا گندے پھر رہے ہوتے ہیں؟" اب کی بار وہ پوری اس کی طرف گھومی تھی۔ اس کی چمکتی آنکھوں میں دیکھ زارون کے دل نے بیٹ مِس کی تھی۔

"میرا ایسا کوئی مطلب نہیں۔ اس سے پہلے بارش رُک جائے باہر جاؤ جس کو جانا ہے۔" اُس پر سے نظریں ہٹاتے زارون نے کہا تھا۔ "کیا ہی ہو جاتا اگر اس لڑکی کی شکل کی طرح زبان بھی حسین ہوتی۔" دل ہی دل میں اس نے سوچا تھا۔

"ویسے اگر صباح باجی سے ڈر لیا ہو تو دادی جان نے کہا ہے آنگن سے کرسیاں اندر لے آئیں خراب ہو جائینگی۔" نور نے ہونٹ بھینچ کر ہنسی دبائی اور فوراً وہاں سے بھاگی۔

"روبی میری بہن اگر تیری لٹیں سنور گئی ہوں تو دو گھڑی کچن کو بھی منہ دکھا دے۔ سنبل کے ذرا سر میں درد شروع ہو گیا ہے تو میں نے اسے اندر بھیج دیا ہے۔ فیروزہ بیگم نے کچن میں ہی کھڑے رہ کر زور سے روبی بیگم کو آواز دی تھی۔

وہ جو کنگی کے بہانے سے کچھ دیر کمرے میں آئی تھی دانت بھینچ کر رہ گئی۔ پھر لہجے میں شہد سی مٹھاس گھولے بولا۔ "جی بھابھی آئی تھوڑی دیر میں۔ اُف جلتے ہیں یہ سب مجھ سے اور میرے اسٹائل سے۔" شیشے کے آگے بال سنوارتے انہوں نے سوچا۔

احمد کو گود میں لیے پلوشے کے چہرے پر حقیقتاً خوشی تھی اُس کے چینل سے پہلی پیمنٹ آئی تھی۔ اُس کا چھوٹا سا یوٹیوب چینل اب گرو کرنے لگا تھا۔ احمد کو گود میں اُٹھائے وہ گول گول گھوم رہی تھی۔

سامنے کی چھت سے ظہیر کی اچانک نظر زیتون محل کے آنگن میں پڑی اور پلٹنا بھول گئی۔ اسے لگا جیسے وہ کوئی لڑکی نہیں گلاب کا پھول ہو۔ جو برسات میں ایک بار پھر کِھل اُٹھا ہے۔ وہ پُر سکون تھا۔ قاسم مراد علی نے کہا تھا وہ پلوشے کو وقت دینا چاہتے ہیں۔ اگر وہ چاہے تو انتظار کر سکتا ہے۔ اور ظہیر دل و جاں سے

پلوشے شہزاد کے انتظار کے لیے تیار تھا۔وہی چھت سے وہ سالوں بعد اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔سب کہہ رہے تھے،وہ بدل گئی ہے۔پر اسے آج بھی یہ دس سال پہلے والی پلوشے لگی تھی۔

"یہاں آرام سے بیٹھ کر انجوائے کرو۔تمہارے پیر کا زخم ابھی پوری طرح نہیں بھرا۔"اذبان نے چیئر لا کر اس کے آگے رکھتے کہا۔

نور نے بغیر کچھ بولے اسے دیکھا۔بے شک اس دنیا کا ایک بہترین شخص اس کے نصیب میں لکھ دیا گیا تھا۔کرسی پر بیٹھ کر اس نے آنکھیں بند کر کے بارش کی بوندوں کو محسوس کرنے کے لیے چہرا کچھ اوپر کیا۔اذبان جو اس کی کرسی کے پیچھے کھڑا تھا مبہوت انداز میں اسے دیکھے گیا۔صاف شفاف چہرے پر پانی کی بوندیں گرتے ہوئے لگ رہا تھا۔جیسے چاند پر کوئی بارش برسا رہا ہو۔

اذبان کے لیے نور کا اس کی زندگی میں آنا معجزہ تھا۔اور وہ ہر بار اس معجزے پر اپنے رب کا شکر ادا کرتا نہیں تھکتا تھا۔

ماریہ نے چھپکے سے موبائل اُٹھایا تھا۔اور ضرار کی طرف سے آئے جانے والے پیغام کر پڑھ کر کھکھلا کر ہنس دی تھی۔زندگی نے انہیں ملوا دیا تھا۔

خضر سویرا اور صہیب کو لیے برسات میں ڈانس کرنے لگا تھا۔جسے دیکھ سب ہنسنے لگے تھے۔عدیم نے باقاعدہ ویڈیو بنانا شروع کر دی تھی۔اور یہ وڈیو اسی وقت ہادی کو بھیجی گئی تھی۔

اس وڈیوں کو ہادیہ پر روکتے وہ آسودگی سے مسکرایا تھا۔جلد یہ انتظار بھی ختم ہونے والا تھا۔

Urdu Novels Ghar

آزان اور علی باہر سے ابھی آئے تھے اور علی فوراًا پنے بال سفر اندر کی طرف چل پڑا تھا۔ آخر اُس کے بالوں میں اس کی جان بستی تھی۔

آزان نے اس سب کے لیے آئسکریم لایا تھا۔ جو وہ سب گروپ بنائے آنگن میں بیٹھتے ہوئے کھا رہے تھے ۔سب کو باہر دیکھ روبی بیگم بھی ہمت کر کے باہر آ گئیں تھیں۔ جبکہ زارون اور علی شیڈ کے نیچے کھڑے ہو کر آئسکریم سے انصاف کر رہے تھے۔

فیروزہ تائی زارا سے فون پر بات کر رہی تھیں۔ جبکہ وہ سب وڈیو کال پر ہادی کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔

قاسم مراد علی اور زیتون بانو نے تخت پر بیٹھے بہار کے موسم میں۔ اپنے بچوں کی دائمی خوشیوں کی دعا کی تھی۔ داداجان تخت پر بیٹھے برسات میں ایک بار پھر اپنی لکھی گئی نظم گنگنا رہے تھے۔

کھلے کھلے آنگن کے پھول

مہکا رہے بنجر زمین

رشتے جو خلوص کے ہوں

چمکتے ہیں دمکتے ہیں

داداجان اور دادی جان کے پیروں کے پاس بیٹھے کچھ پرانے قصّے چھیڑ رہے تھے۔ تو کچھ آنے والے کل کی باتوں میں مصروف تھے۔

جبکہ زیتون بانو اور قاسم مراد علی اپنے آنگن کے پھولوں کے ساتھ جشنِ بہار منا رہے تھے۔

Urdu Novels Ghar

****

کردار کہانیوں میں رنگ بھرتے ہیں

رنگ بھی وہ جو کبھی نہیں مٹتے

یہ قلم کی سیاہی سے بکھرتے ہیں

اور کورے کاغذ پر داستانیں رقم کر دیتے ہیں

زیتون محل کی کہانی یہاں ختم نہیں ہوتی

کورے کاغذوں کا ایک پورا حصّہ ابھی باقی ہے

جس میں میرے قلم کی سیاہی سے رنگ بھرنے ہیں

اب یہ رنگ مہینوں میں بھرتے ہیں یا سالوں میں

اس بات کا ادراک تو آنے والا وقت ہی کریگا۔

جب تک کے لیے مجھے اپنی خاص دعاؤں میں یاد رکھیں! اور جی بھر کر اس ناول پر تنقید کریں تاکہ اگلی بار میں اور محنت سے اور دل لگا کر لکھ سکوں۔ آپ سب کے پیار کا بے حد شکریہ۔ مزید معلومات کے لیے انسٹگرام پر مجھ سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ آپ کی مصنفہ سیدہ عمیمہ فاروق!

Urdu Novels Ghar